خواتین اور دوشیزاؤں کیلیے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ
مئی 2021
عید نمبر
الف بے جیم ڈاٹ کام

www.pklibrary.com

بانی و مدیرِ اعلیٰ ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— شادرہ خاتون

مدیر ——— آذر ریاض

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی

نفسیات ——— عدنان

اشتہارات ——— خالدہ جیلانی

قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

خواتین ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER	
APNS	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
CPNE	رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

واٹس ایپ
03172266944

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) .... -/840 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ .... 18,000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا .. 20,500 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

مئی 2021
جلد 49 شمارہ 01
قیمت 70 روپے

www.pklibrary.com

کہنی سُننی، مدیر 8

کرن کرن روشنی، ادارہ 9

ہمارے نام، نادرہ خاتون 242

آپ سے کیا پردہ

اندر کیا ہے، کچھ نہیں، انشا جی 14

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے، امت الصبور 240

مجھ سے ملئے

باتیں رباب رانا سے، شاہین رشید 29

خصوصی مضمون

بات تعلق کی ہے، محمود شام 16

بیادِ محمود ریاض

یادوں کے دریچے، منشا محسن 18

انٹرویو

عید۔خوشیوں کی نوید، ادارہ 21

نیلوفر علیم سے ملاقات، شاہین رشید 33

ناول

زندگی ہم تجھے گزاریں گے، راحت جبیں 150

رنگ ریز میرے، عفت سحر 36

مکمل ناول

سو سے صفر، عنیزہ سید 170

کھیل، نعیمہ ناز 58

ناولٹ

خوشی کی محبت، عالیہ بخاری 124

ششش۔شی، امت العزیز شہزاد 96

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

www.pklibrary.com

افسانے

عید کا جوڑا، راشدہ رفعت 54
عید تو مبارک ہے، زرقا سکندر 91
بڑے بول، شانہ مرتضیٰ 119
مہمان کا رزق، ندا رفیق 232

نظمیں غزلیں

غزل، عمیر نجمی 235
غزل، ماہر القادری 235
غزل، قمر جلالوی 234
غزل، اتباف ابرک 234

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ حیا 236
خبریں وبریں، واصفہ سہیل 239

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، عدنان 256

پکوان

موسم کے پکوان، خالدہ جیلانی 254

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 258

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

www.pklibrary.com

مُدیر

کہی سُنی

خواتین ڈائجسٹ مئی کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

تہوار خوشی کی علامت ہوتے ہیں۔ دُنیا بھر میں ہر مذہب اور ملّت کے لوگوں کے اپنے مخصوص تہوار اور جشن ہوتے ہیں، جنہیں وہ اپنے اپنے انداز سے مناتے ہیں۔

لیکن مسلمانوں کے تہواروں کی بات ہی الگ ہے۔ ان کی شان بھی منفرد اور نرالی ہے۔ ان میں عبدیت، تقدس کا رنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی جستجو ہے۔ عبادت ہے۔ وہ دنیا بھر میں کہیں بھی تہواروں میں نہیں پایا جاتا۔

مسلمان جب پورا مہینہ روزے رکھتے ہیں، راتوں کو اللہ کی عبادت کے لیے قیام کرتے ہیں۔ رو رو کر گڑگڑا کر اپنے گناہوں پر مغفرت طلب کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں انعام کے طور پر عید کا دن عطا فرماتا ہے۔ یہ دن بخشش، خوشیوں، سچے جذبوں اور محبتوں کی نوید ہوتا ہے۔

عید کے حقیقی رنگ میل ملاپ اور محبتوں سے نکھرتے ہیں لیکن پچھلے سال کی طرح اس سال بھی کورونا وائرس کی وجہ سے حالات دن بہ دن بگڑتے جا رہے ہیں۔ خوف اور اندیشوں نے عید کی خوشیاں دھندلا دی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ہر ممکن احتیاط کریں۔ صرف ضروری اشیاء کی خریداری کے لیے نکلیں اور تمام احتیاطوں کے ساتھ نکلیں۔ عیدیں تو آتی رہیں گی۔ ہم سب کی سلامتی زیادہ اہم ہے۔

عید پر اپنے قریبی مستحق لوگوں کا خیال رکھیے۔ اس اجتماعی تہوار کے رنگ اسی وقت نکھرتے ہیں جب سب خوش ہوں۔

ہماری جانب سے عید سعید کی مبارک باد قبول کیجیے۔

ہماری دعا ہے کہ صبحِ عید آپ کے آنگن میں خوشیوں کے حقیقی رنگ لے کر اُترے۔ آپ محبتیں بانٹیں اور محبتیں پائیں۔ آمین۔

محمود ریاض صاحب۔ دُعائے مغفرت

محمود ریاض صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ انہوں نے علم و ادب اور اردو کے فروغ کے لیے جو کام کیا، وہ انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ لیکن اس سے ہٹ کر شخصیت کے لحاظ سے بھی وہ بہت بڑی شخصیت تھے۔ بہت وضع دار اور باہمت انسان۔ دُکھ چھپا کر مسکرانے والے، خاموشی سے سب سہہ جانے والے۔ سب کا خیال رکھنے والے۔

ان کی شخصیت میں شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی اور حاضر جوابی بھی تھی۔

انسان فانی ہے لیکن اس کا کردار اسے لافانی بنا دیتا ہے۔ وہ دُنیا سے رخصت ہو جائے تب بھی اس کی یادیں باتیں باقی رہتی ہیں۔

محمود ریاض صاحب ایسے ہی لافانی کردار کے مالک تھے۔ آج ان کی وفات کو دو دہائیاں بیت چکی ہیں لیکن اپنے دوست احباب کے دلوں میں ان کی یادیں آج بھی زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

قارئین سے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اس شمارے میں

- سوئے مغرب۔ عنیزہ سیّد کے ناول کی دوسری اور آخری قسط، ، کھیل۔ نعیمہ ناز کا مکمل ناول،
- عفت سحر طاہر اور راحت جبیں کے ناول، ، عالیہ بخاری اور امت العزیز شہزاد کے ناولٹ،
- راشدہ رفعت، زرقا سکندر، فائزہ مرتضیٰ اور ندا رفیق کے افسانے، ، عید۔ خوشیوں کی نوید۔ قارئین سے سروے،
- رباب رانا سے باتیں، ، نیلوفر عظیم سے ملاقات،
- کرن کرن روشنی، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

www.pklibrary.com

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

مہربان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی آئے۔ (آپ نے دیکھا کہ) ان میں سے ایک عورت (اپنے بچے کی تلاش میں) دوڑتی پھرتی ہے۔ جب قیدیوں میں وہ کوئی بچہ پاتی تو اسے پکڑ کر اپنے سینے سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلانے لگتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے گی؟''

ہم نے کہا۔ ''نہیں، اللہ کی قسم!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچے پر ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ جن چیزوں کا عقل اور حواس کے ذریعے سے ادراک ممکن نہیں، انہیں سمجھانے اور انسانی فہم کے قریب کرنے کے لیے مثال دینی جائز ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی رحمت کی وسعت کو سمجھانے کے لیے، جس کو عقلاً سمجھنا ممکن نہیں ہے، اس عورت کی حالت کو بطور مثال پیش فرمایا۔

2۔ اس میں نقصان دہ چیزوں میں سے کم تر نقصان دہ چیز کو اختیار کرنے کا بھی جواز ہے کیونکہ اس عورت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو دودھ پلانے سے منع نہیں فرمایا، جب کہ یہ احتمال موجود تھا کہ بڑے ہو کر یہ آپس میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جائیں، اس لیے کہ یہ صرف احتمال ہی تھا، جب کہ عورت کے دودھ میں تخفیف، اس کی فوری ضرورت تھی اور اس کا فائدہ یقینی تھا۔

3۔ اس میں بندوں کا لفظ عام ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔ لیکن قرآن کریم نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ اللہ کی رحمت دنیا میں عام ہے جس سے مومن و کافر دونوں ہی یکساں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ لیکن آخرت میں یہ رحمت صرف اہل ایمان کے لیے خاص ہوگی اور کافر عذاب ہی سے دوچار ہوں گے کیونکہ عدل کا تقاضا یہی ہے۔

اللہ کی رحمت

www.pklibrary.com

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اپنی اس خاص کتاب میں، جو — اس کے پاس عرش پر ہے، لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہوگی۔''

اور ایک اور روایت میں ہے۔ ''میرے غصے (غضب) پر غالب ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے۔ ''میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ امام خطابی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے جو اس نے کیا ہوا ہے، یا پھر اس سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں اس نے سب کچھ لکھ رکھا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور یہ کتاب بھی اس کے پاس ہے، اس کی حقیقت و کیفیت کو جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ تاہم اس کی کیفیت جانے بغیر اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

شفقت و رحمت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

''اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کیے، ان میں سے ننانوے اپنے پاس محفوظ رکھ لیے اور ایک حصہ زمین پر اتارا۔ اسی ایک حصے کی وجہ سے اللہ کی تمام مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ ایک جانور بھی اپنا گھر اپنے بچے سے ہٹا لیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچے۔''

ایک اور روایت میں ہے۔ ''اللہ کے پاس سو رحمتیں ہیں۔ اس نے ان میں سے ایک رحمت جنوں، انسانوں، چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اتاری ہے۔ اسی ایک حصہ رحمت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر نرمی کرتے اور رحم سے پیش آتے ہیں اور اس کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے پر مہربانی کرتا ہے۔ اور اللہ نے ننانوے رحمتیں پیچھے رکھ چھوڑی ہیں جن کے ساتھ وہ قیامت والے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔'' (بخاری و مسلم)

اور ایک روایت میں ہے۔ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے، جس روز آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا، سو رحمتیں پیدا کیں۔ ہر رحمت (اگر اس کا جسمانی وجود ہو تو اتنی ہے کہ) آسمان و زمین کے درمیان خلا کو پر کر دے، پھر ان میں سے ایک رحمت کو اس نے زمین میں رکھ دیا، اس کی وجہ سے ماں اپنے بچے پر اور وحشی جانور اور پرندے ایک دوسرے پر شفقت کرتے ہیں۔ چنانچہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو اس (دنیوی) رحمت کے ساتھ ملا کر مکمل فرمائے گا (اور پھر اس کے ساتھ اپنے بندوں پر رحمت کرے گا۔''

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے پر رحم و شفقت کا معاملہ کرنا اللہ کو پسند بھی ہے اور اس کا فضل و کرم بھی، اس لیے اس نے رحمت کا یہ ایک حصہ دنیا میں نازل فرمایا ہے۔ اور جو شخص اتنا سنگ دل ہو کہ وہ رحم و شفقت کے جذبات ہی سے نا آشنا ہو تو یہ ایک نہایت ہی ناپسندیدہ چیز ہے۔ علاوہ ازیں اللہ کے فضل و کرم سے محرومی کی علامت بھی ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن سو رحمتوں کے ساتھ اپنے بندوں سے معاملہ فرمائے گا، اس میں یقیناً بندوں کے لیے بڑی امید اور زبردست خوش خبری ہے لیکن جو اس بنیاد پر اس کی مخالفت کو اپنا شیوہ اور اس کی حدود کی پامالی کو اپنا وتیرہ بنا لے، اس کے لیے اس کا غضب بھی اس روز نہایت شدید ہوگا، اس لیے ترک فرائض اور اعراض و استکبار کے ساتھ رحمت الٰہی کی امید، کڑوے پھل کی کاشت کر کے کسی میٹھے پھل کی پیداوار کی امید رکھنے کے مترادف ہے۔

گناہوں کی معافی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

www.pklibrary.com

''کوئی بندہ گناہ کر کے پھر کہے، اے اللہ میرا گناہ بخش دے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے۔

میرے بندے نے گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ کی پاداش میں مواخذہ بھی کرتا ہے، پھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! میرا گناہ معاف فرمادے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اسے علم ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ کی وجہ سے گرفت بھی فرماتا ہے۔ پھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب میرا گناہ معاف فرمادے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے پھر گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا رب ہے جو گناہ کو بخش بھی دیتا ہے اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے۔ یقیناً میں نے اپنے بندے کو بخش دیا، تو وہ جو چاہے کرے۔'' (بخاری ومسلم)

''تو وہ جو چاہے کرے۔'' کا مطلب ہے کہ جب تک وہ اس طرح کرے گا کہ گناہ کر کے توبہ کرتا رہے تو میں اسے بخشتا رہوں گا، اس لیے کہ توبہ اپنے ماقبل کے گناہ ختم کر دیتی ہے۔

فوائد ومسائل:

1۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک ایک بندہ مومن کا دل احکام وفرائض الٰہی کے بارے میں اعراض اور شک سے پاک ہے، لیکن اس سے بار بار گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے اور وہ ہر دفعہ گناہ کے بعد بارگاہ الٰہی میں گڑگڑاتا اور استغفار کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرماتا رہتا ہے کیونکہ وہ توبہ استغفار کر کے اصرار سے گریز کر رہا ہے اور مواخذہ الٰہی سے لرز رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت وجلالت سے اس کا دل لبریز ہے اور اس کے سامنے اظہار بندگی میں اسے کوئی عار نہیں ہے۔ اور بندے کی یہ خوبی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پسند فرماتا ہے، اس لیے وہ فرماتا ہے کہ بندہ جب تک عاجزی سے میرے سامنے جھکتا رہے گا میں اسے معاف کرتا رہوں گا۔

2۔ اس کے برعکس ایک بندہ وہ ہے جو بار بار گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر نہ توبہ استغفار کرتا ہے اور نہ اللہ کے مواخذے کا کوئی اندیشہ اس کے دل میں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شخص مذکورہ بندہ مومن سے یکسر مختلف ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس سے مختلف ہوگا۔ پہلا کردار ایک بندہ مومن کا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ گناہ کے باوجود اپنی خوشی کا اظہار فرماتا ہے اور دوسرا کردار ایک باغی اور سرکش کا ہے۔ جس کے لیے اس نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

استغفار

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو گناہ کریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگیں گے اور وہ انہیں معاف فرمادے گا۔'' (مسلم)

فوائد ومسائل:

1۔ غلطی اور گناہ ہو جانا انسان کی فطری کمزوری ہے لیکن غلطی کو تسلیم کرنے کے بجائے اس پر اصرار کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

2۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ گناہ کر کے گناہ پر اصرار کرنے کے بجائے توبہ استغفار کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے حتیٰ کہ اگر ایسے لوگ ناپید ہو جائیں کہ جن سے نہ گناہ کا صدور ہوا اور نہ وہ توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا فرمادے گا جو اس طرح کریں گے۔

اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ گناہوں کو پسند فرماتا ہے اور گناہ گار اس کے محبوب ہیں۔ بلکہ وہ توبہ انابت کو پسند فرماتا ہے اور ایسے ہی لوگ اسے محبوب ہیں اور یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

3۔ توبہ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اس سے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

توبہ

www.pklibrary.com

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرماتا جو گناہ کرتی اور استغفار کرتی، لہٰذا وہ انہیں بخش دیتا۔" (مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے قول کی تلاوت فرمائی جو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

"اے میرے رب! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر جس نے میری پیروی کی، وہ مجھ سے ہے۔" اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول۔

"اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو انہیں بخش دے تو یقیناً غالب حکمت والا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ (دعا کے لیے) اٹھائے اور فرمایا۔

"اے اللہ! میری امت! میری امت!" اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا۔ "اے جبریل! محمد کے پاس جا، اور تیرا رب خوب جانتا ہے۔ اور ان سے پوچھ، وہ کیوں روتے ہیں؟"

چنانچہ جبریل آپ کے پاس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ بتلایا جو آپ نے (اپنی امت کے بارے میں) فرمایا تھا، حالانکہ اللہ اسے خوب جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے جبریل! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (پھر) جا اور ان سے کہہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے۔ آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔" (مسلم)

فوائد مسائل:

1۔ اس میں ایک تو اس شفقت و رحمت کا بیان ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنی امت کے لوگوں کے لیے تھی اور جس کا کامل اظہار قیامت والے دن ہوگا۔ دوسرا، اللہ کی اس محبت کا تذکرہ ہے جو اللہ کو اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ان دونوں باتوں کا فائدہ امت محمدیہ کے اہل ایمان کو ہوگا کہ قیامت والے دن وہ اس کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے شاد کام ہوں گے۔

2۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں، انہیں امت کا اسی طرح درد اور احساس ہونا چاہیے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔

اللہ کا حق

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں گدھے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا۔

"اے معاذ! کیا تم جانتے ہو اللہ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟"

میں نے کہا۔ "اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بے شک بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ (صرف) اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ وہ اس کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔"

میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں لوگوں کو خوش خبری نہ دوں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "انہیں خوش خبری مت دو۔" وہ پھر اسی (ایمان) پر بھروسا کر لیں گے۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ عام لوگ، جو بات کو اس کے سیاق و سباق کے مطابق سمجھنے سے بالعموم قاصر ہوتے ہیں وہ یہی سمجھ لیں گے کہ نجات کے لیے توحید و رسالت کا زبانی اقرار کر لینا ہی کافی ہے، ان کے عملی تقاضوں کو بروئے کار لانا ضروری نہیں اور پھر وہ اسی پر اعتماد کر کے عمل سے غافل ہو جائیں گے۔ حالانکہ اقرار باللسان سے ایک مومن کو یہ

www.pklibrary.com

تحفظ تو یقیناً حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔'' بالآخر وہ جنت میں چلا جائے گا لیکن عام لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ مومن چاہے کتنا بھی بے عمل یا بدعمل ہو، سرے سے جہنم میں جائے گا ہی نہیں اور پہلے مرحلے میں وہ مومنین کاملین کی طرح جنت میں چلا جائے گا جب کہ دیگر دلائل شرعیہ کی رو سے ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

قبر میں سوال

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور یہی مطلب اللہ کے اس قول کا بھی ہے۔

''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی رکھے گا۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے فرمان یثبت اللہ الذین امنو.....الایۃ (ابراہیم 27:14) کی تفسیر ہے۔

2۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں کلمہ اسلام کے دونوں جزا اکٹھے بیان ہوئے ہیں، یعنی لا الہ اللہ اور محمد الرسول اللہ۔

بہرحال قبر میں سوال جواب حق ہے اور مومن اللہ کی توفیق سے صحیح جواب اور توحید و رسالت کی گواہی دے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کو دفنانے کے بعد اس کی قبر پر اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا کی اسی لیے تاکید کی ہے۔

نیکی کا صلہ

ایک اور روایت میں ہے۔

''اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی نیکی کے معاملے میں ظلم نہیں کرتا، اسے اس کی نیکی کا صلہ دنیا ہی میں دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی اسے بدلہ دیا جائے گا۔ لیکن کافر کو اس کی ان اچھائیوں کا صلہ، جو وہ اللہ کے لیے کرتا ہے، دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیک عمل ایسا نہیں ہوگا جس پر اسے بدلہ دیا جائے۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ کافر بھی دنیا میں بہت سے ایسے عمل کرتے ہیں جن کا تعلق رفاہ عامہ سے یا بھلائیوں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان حسنات کا صلہ انہیں دنیا کے مال و اسباب کی صورت میں یا ان سے کوئی بلا ٹال کر دے دیتا ہے کیونکہ اخروی اجر و ثواب کے لیے تو ایمان ضروری ہے اور کافر ایمان سے محروم ہوتا ہے، اس لیے وہ آخرت کے ثواب سے بھی محروم رہے گا۔

2۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عقیدہ ہر عمل کی بنیاد اور عند اللہ قبولیت کے لیے شرط اور مدار ہے۔

پانچ نمازیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''پانچ نمازوں کی مثال اس لبالب جاری نہر کی طرح ہے جو تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو، وہ اس سے روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس میں پابندی سے نماز پنجگانہ پڑھنے کے فوائد کا بیان ہے کہ جس طرح روزانہ پانچ مرتبہ نہانے والے کا جسم میل کچیل سے پاک صاف رہتا ہے اسی طرح نمازی کے بھی صغیرہ گناہ، نماز سے معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ گناہ سے توبہ کر لے تو وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

2۔ اول تو فرائض، یعنی نماز وغیرہ کا پابند کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا اور اگر کبھی ارتکاب ہو جائے تو اس پر اصرار اور دوام نہیں کرتا، بلکہ فوراً توبہ استغفار کر لیتا ہے اور اس کے صغیرہ گناہ نماز سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

☆

www.pklibrary.com

اندر کیا ہے۔ کچھ نہیں

انشا جی

نیویارک کی خبر ہے کہ وہاں ایک کتاب چھپی اور مہینے بھر میں اس کی پچیس ہزار جلدیں فروخت ہوگئیں۔ ایک سو ساٹھ صفحے کی اس کتاب کی قیمت تین ڈالر ہے۔

یعنی تیس روپے، مشتاقوں کا ہجوم ایسا ہے کہ پبلشر اس کے دوسرے ایڈیشن کی فکر کررہے ہیں۔

اور اس کتاب کے اندر کیا ہے، کچھ نہیں۔ سادہ اوراق ہیں، تحریر، نہیں کوئی، تصویر نہیں کوئی۔

☆☆☆

ہمارے لیے اس خبر میں کوئی نئی بات نہیں، ہم نے کئی کتابیں پڑھی ہیں جن میں کچھ نہیں ہوتا، آخر میں کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ایسی تو بہت ہیں کہ تین چوتھائی سے زیادہ خالی ہوتی ہیں، کسی میں پلاٹ نہیں ہوتا، کسی میں کردار نگاری نہیں ہوتی، کسی میں آغاز نہیں ہوتا، کسی میں انجام نہیں ہوتا، شاعری کی کتاب ہو تو اکثر وزن نہیں ہوتا..... اور وزن ہو تو اس میں معنی نہیں ہوتے اور اگر وزن اور معنی دونوں ہوں تو شاعری نہیں ہوتی، قصے، کہانیوں اور شاعری کی تخصیص نہیں اور بہت سے مضامین کی کتابیں ہم نے اندر سے خالی دیکھی ہیں، ان کا مطالعہ استاد ذوق کے قصیدے کے اس شعر کی مثال ہے۔

رات بھر ڈھونگا کیا، انجم کے دانے چرخ پیر
صبح دم دیکھا تو واں اصلا شکم میں کچھ نہ تھا

☆☆☆

اتنا البتہ ہے کہ ہماری ان کتابوں کے ورق سادہ نہیں ہوتے۔ نیویارک والی اس کتاب میں ورق سادہ چھوڑ دیے گئے ہیں اور شاید یہی اس کی مقبولیت کی وجہ ہے۔ یوں تو تحریر کی بھی کوئی قیمت نہیں رہی۔ آپ سادے کاغذ کا ریم بازار میں جا کر بیچیں پھر چھپے ہوئے اخبار کا ریم لے جائیے اور فرق دیکھ لیجیے۔ خواہ اس میں ہمارا کالم ہی کیوں نہ چھپا ہو جس میں بے شمار قیمتی بلکہ انمول اور زریں اقوال اور بے بہا اشعار ہوتے ہیں۔ ڈیڑھ دو روپے سیر سے زیادہ قیمت نہ پائے گا۔ سادگی کی قدر کا یہ حال ہے کہ پرانے شاعر سادہ رویوں پہ مرا کرتے تھے۔ جس کے چہرے پر کوئی تحریر ہو، خط وغیرہ اس کی قدر گر جاتی تھی۔ محبوبوں تک کو اپنے مصحف رخ ہدیہ کرنے پڑتے تھے۔ دم دے کر خریدتا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

کتاب کو اندر سے سادہ رکھنے میں کئی خوبیاں ہیں۔ پبلشر کا تو یہ ہے کہ کتاب بچتی ہے، طباعت یعنی چھپائی کی سیاہی بچتی ہے اور مصنف یعنی مضمون تک بچتا ہے، اچھی خاصی کتاب محض پبلشر اور جلد ساز کے تعاون سے تیار ہو جاتی ہے۔ معاشرے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے گمراہ نہیں ہوتے، بے راہ روی نہیں پھیلتی، اس میں سرمایہ داری کی حمایت نہیں ہوتی، سامراج کی وکالت نہیں ہوتی، عریانی نہیں ہوتی، ابہام نہیں ہوتا، تعصب نہیں ہوتا، غلط بیانی نہیں ہوتی، کچھ بھی تو نہیں ہوتا پھر کیسی کتاب یا کتابیں پڑھنے والے کی نظر خراب نہیں ہوتی، اسے عینک نہیں خریدنی پڑتی، اس سے کوئی ادھار نہیں مانگتا، ایک سو ساٹھ صفحے کی کتاب تیس روپے میں اتنی خوبیوں کے ساتھ قطعی مہنگی نہیں، کم از کم ہمیں مہنگی معلوم نہیں ہوتی۔

☆☆☆

بین الاقوامی بھائی چارے کے فروغ میں بھی یہ کتابیں بہت کام آسکتی ہیں، ان کو دنیا میں ہر کوئی پڑھ سکتا ہے۔ ہر جگہ مقبول ہوں گی، اس سے خواندگی

www.pklibrary.com

اور ناخواندگی کا مسئلہ بھی خوش اسلوبی سے حل ہوجائے گا۔ کیونکہ کتابوں کو ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے، ان سے محظوظ نہیں ہوسکتے۔ خواندہ لوگوں کی حد تک بھی یہ دقت ہے کہ جو انگریزی پڑھا ہے، وہ عربی کتاب نہیں پڑھ سکتا تھا اور عربی خواں کے لیے جاپانی زبان میں چھپی ہوئی کتاب بے معنی ہے، آنکھیں جھپکتا رہ جائے گا۔ اگر یونیسکو جو خود بھی تکلیف اٹھاتی ہے۔ ہمیں بھی تکلیف دیتی ہے۔ اس قسم کی کتابوں کو رواج دے تو ہماری پبلشنگ کی صنعت بڑی ترقی کرسکتی ہے اور قارئین کا معیار بھی بلند ہوجائے گا۔ وہ چھپی ہوئی گھٹیا کتابیں نہ پڑھیں گے تو ضرور بلند ہوجائے گا۔

☆☆☆

ہمارے ملک میں بھی اس قسم کی کتابوں کو رواج ہونا چاہیے۔ اس کے انگریزی یا امریکی زبان سے ترجمہ کرنے میں بھی کچھ دقت نہیں، کیونکہ اس کے اندر کچھ ہئی نہیں ترجمہ کرنے کو، اس کی پروف ریڈنگ بھی آسان ہے کیونکہ اس کے اندر کوئی تحریر نہیں، جس کے ہجے غلط ہوسکیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے کوئی خلاصہ بھی نہیں چاہیے، کوئی استاد بھی درکار نہیں، کوئی مضمون ہو تو خلاصہ ہو، خلاصہ کا خلاصہ کیا معنی۔

☆☆☆

جن لوگوں کو مطالعے کی عادت نہیں، ان میں مطالعے کو فروغ دینے کے لیے بھی یہ نسخہ اچھا ہے۔ لوگ مطالعے سے نہیں بھاگتے، صرف تحریر سے بھاگتے ہیں۔ سفید کورے کاغذ سے کوئی نہیں بھاگتا۔ ویسے تو یہ بات کوئی کتاب سے خاص نہیں، پرانی مثل ہے۔ تھوتھا چنا باجے گھنا، جتنا کوئی برتن خالی ہوگا اتنی ہی اس میں سے اچھی آواز آئے گی۔ آپ کے آس پاس جتنے مقبول عام آدمی ہیں۔ لوگ جن کے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ کبھی ان کے اندر جھانک کے دیکھیے خالی ہوں گے۔ بالکل خالی پس اگر ایک خالی کتاب کی اتنی قدر ہورہی ہے کہ مہینے بھر میں دوسرا ایڈیشن نکل رہا ہے، جبکہ ادب عادلیہ کی کتاب کے ایک ہزار نسخے نکلنے میں پانچ سال لگ جاتے ہیں تو کچھ تعجب نہ ہونا چاہیے۔ نظیر اکبر آبادی نے جو بات کو رے برتن کے لیے لکھی ہے۔ کورے کاغذ کے لیے بھی کہہ سکتے ہیں۔

تازگی ذہن کی، تری تن کی
واہ کیا بات کورے کاغذ کی

☆☆☆

دور کیوں جائیے، یہ ہمارا کالم ہی ہے، کیا رسالہ خریدنے والے سب ہی لوگوں نے پڑھا ہوگا۔ آپ بھی مارے باندھے ان سطور تک پہنچے ہوں گے۔ حالانکہ دیکھیے ہم اس میں کیا کیا مضمون گھسیڑ کر لائے، کیا کیا نکتے پیدا کیے ہیں۔ اگر اس کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تو سب پڑھتے، یعنی سب کی نظر سے گزرتی، آئندہ ہم اپنی کتابیں بھی سادہ ہی بازار میں لایا کریں گے۔ ان کے اندر کچھ چھاپ کر ان کو خراب نہیں کیا کریں گے۔ لوگ چاہیں ان میں حکمت کے نسخے لکھیں۔ پسندیدہ اشعار لکھیں، فلمی گانے لکھیں، محبوبوں کے نام اور ٹیلی فون نمبر لکھیں یا کچھ بھی نہ لکھیں، کبھی بچے کی ناک پونچھنی ہو تو اس میں سے ورق پھاڑ سکتے ہیں، ہم اس میں ایسا کاغذ لگائیں گے، جو اس مقصد کے لیے موزوں ہو، رومال کا کام دے سکے، قیمت بھی تیس روپے سے کم رکھیں گے کیونکہ ہمارا ملک مقابلتاً غریب ہے۔

☆

www.pklibrary.com

بات تعلق کی ہے

محمود شام

پچھلی صدی سے ڈاکیہ آتا ہے۔ دستک دیتا ہے۔ ایک پیکٹ ہاتھ میں تھماتا ہے، ایک کاغذ پر دستخط کرواتا ہے اور میں کسی قینچی یا چھری کی تلاش میں نکل پڑتا ہوں۔ خواتین ڈائجسٹ، کرن، شعاع اور عمران ڈائجسٹ جب بندشوں سے آزاد میرے سامنے آتے ہیں، ابن انشاء یاد آتے ہیں۔ جن کا خلا آج تک پر نہیں ہوسکا۔ تھیوسوفیکل ہال والی بلڈنگ میں نیشنل بک کونسل کا دفتر یاد آتا ہے۔ ان کے ''اخبار جہاں'' کے لیے بھیجے گئے کالم، اس کے ساتھ نیوز پرنٹ کی ایک سلپ پر تین چار سطریں اور ان کے خوب صورت دستخط۔ کیا دل لبھانے، گدگدا دینے والی تحریر ہوتی تھی۔ چھیڑ خوباں سے، زیر لب مسکراہٹ، اچھا ہے کہ ان دنوں موبائل فون نہیں تھے، کی پیڈ نہیں تھے۔ واٹس ایپ تھے، نہ ہی ای میل ورنہ ہم ان کے ہاتھ سے سجائے ہوئے موتیوں سے محروم رہ جاتے۔

محمود ریاض یاد آتے ہیں، ابن انشاجی جب کوچ کر گئے، ان کا جسد خاکی لندن سے آیا۔ پاپوش نگر کے قبرستان تک کا سفر، بڑے بڑے لوگ لکھنے والے ادیب اس دھول میں ساتھ تھے۔ محمود ریاض کی گریہ وزاری میرے ذہن میں آج تک نقش ہے۔ پھر ایک چل چلاؤ، نہ جانے کیوں محمود بابر فیصل مسکراتے ہوئے، سوالوں کے جوابات دیتے ہوئے، پھر دنیا چھوڑ کر جاتے ہوئے محمود خاور اپنی مسکراہٹ اور ذہانت کے ساتھ، یہ لوگ جوانی میں کیوں چلے جاتے ہیں۔ اوپر آسمان میں کیا کرتے ہیں۔ کیا ستاروں سے کھیلتے ہیں یا چاند نگر میں انشاجی کے ہمسائے میں آباد ہوتے ہیں۔

دور بدلتے رہے۔ خواتین ڈائجسٹ، شعاع نہیں بدلے۔ عمران ڈائجسٹ کی کچھ کچھ طبیعت ناساز ہوتی رہی۔ 1972ء میں شہید ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جنم لینے والے خواتین ڈائجسٹ کو جنرل ضیاء الحق کی سفاک مارشل لاء میں بہت عروج ملا۔ اس گروپ نے میرا بہت ساتھ دیا۔ کراچی سینٹرل جیل، حیدر آباد سینٹرل جیل کی قید تنہائی میں ڈائجسٹوں کی دنیا سے محفل آرائی رہتی تھی۔ ضیاء الحق کا دور تو ختم ہی نہیں ہوتا تھا۔ اسی دور نے ڈائجسٹوں کو بہت فروغ دیا۔ شہید محترمہ بے نظیر بھٹو، میاں محمد نواز شریف کے ادوار، پھر صدر جنرل پرویز مشرف، آصف علی زرداری، میاں محمد نواز شریف، اب عمران خان۔ بہت مختلف ادوار سے مقابلہ کرتے، آنسو گیس پھینکتے، بیانات کے میزائل..... لیکن یہ چاروں رسالے اسی طرح میرے رفیق رہے۔ اب کرونا ہمارا رفیق حیات بن گیا ہے۔ کرونا کی جب مہورت ہوئی اور بتایا گیا کہ اس کا سب سے بڑا علاج تنہائی ہے۔ میں نے لکھا تھا جو بہت مقبول اور آج کل کی اصطلاح میں وائرل ہوا۔

عجیب درد ہے جس کی دوا ہے تنہائی
بقائے شہر ہے، اب شہر کے اجڑنے میں
علاج اس کا بشر سے بشر کی دوری ہے
یہ امتحان ہے بنی نوع انساں کا
ہر ایک موت ہی دیتی ہے دعوت تحقیق
کہیں تو حضرت انسان سے ہوگئی ہے بھول

اس تنہائی، تناؤ، اور کشیدگی کی کیفیت میں بھی خواتین ڈائجسٹ نے بہت ہمدمی کی ہے۔ بہت خوف آتا تھا کہ اگر پوسٹ آفس بھی بند ہوگیا تو کیا ہوگا۔ اب تو ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے۔ گھر سے نکلنا ہی نہیں ہوتا۔ دستک ہونے پر دہلیز تک وہیں سے

www.pklibrary.com

واپسی۔ پھولوں سے ہم کلامی، گلابوں سے باتیں، لیموں کے پیڑ سے گفتگو۔ یہ لیموں سال بھر پھل دیتا رہتا ہے۔ بیگم کہتی ہے کہ یہ چینی لیموں ہے۔ چین تو ہمارا ہر موسم کا دوست ہے۔ ابن انشا نے صحیح تو کہا تھا، چلتے ہو تو چین کو چلیے۔ ہم ماہنامہ ''اطراف'' کا دفتر بھی گھر پر ہی لے آئے ہیں۔ افتخار عارف تو مکان کو گھر بنانے کی آرزو کرتے رہے۔ ہم نے تو گھر کو دفتر کرلیا ہے۔ کرونا کے دنوں میں بعض دوپہر تو بہت ہی غضب آئیں۔ جب یکبارگی بیزاری حملہ آور ہوگئی۔ تنہائی کا دشت پھیلتا چلا گیا۔ اس بے لطفی اور ہراس سے نکلنے کے لیے پھر خواتین، کرن، شعاع ہی راہ فرار فراہم کرتے تھے۔ لکھنے کو جی چاہتا تھا، نہ کوئی فلسفہ، نہ ادبیات عالیہ، ان بے رنگ دنوں میں بھی اعصاب اور اوسان ان خوب صورت جریدوں سے ہی بحال ہوتے تھے۔

ہاں یاد آیا کہ بعض اوقات کہیں لمبے سفر پر جانا ہوتا تھا۔ تب بھی اٹیچی میں یہ میگزین رکھ لیتا تھا۔ بہت کام آتے تھے۔ امریکہ، کینیڈا، کمبوڈیا، لاؤس، تھائی لینڈ کی تنہائیوں میں۔

مگر سوال یہ ہے کہ میں یہ سب کچھ کیوں لکھ رہا ہوں۔ آپ میرے کیوں مخاطب ہیں۔ چار دہائیوں سے میگزین آرہے ہیں، میں نے اس انہماک سے اس درد سے آپ کو کبھی نہیں لکھا۔ غزلیں نظمیں ضرور بھیجی ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ میں ایک تحریر نے، ایک کرشمے نے میرے دل کو تھام لیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم یہ لکھنے والی کون ہیں۔ میں تو مسحور اور محصور ہو کر رہ گیا ہوں۔ کیا زبان کا بہاؤ ہے۔ کیا الفاظ کا چناؤ ہے۔ کیا منظر کا رچاؤ ہے۔ کیا اپنے ممدوح سے لگاؤ ہے۔ حسرتوں کا الاؤ ہے۔

محسوس بھی نہیں ہونے دیا۔ میں قائل ہوگیا ہوں کہ ڈائجسٹ، صحافت اور ادب دونوں کی ایک صنف ہے۔ وہ ہاتھ پکڑ کر مجھے کبھی امریکہ لے جارہی ہیں۔ کبھی لندن، کبھی خلیجی ملکوں میں اور سمندر پار پاکستانیوں کے گھر کے مناظر دکھا کر مجھے قائل کررہی ہیں کہ ڈائجسٹ زندگی ہے۔ ڈائجسٹ ایک حسین روایت ہے۔ سماجی رجحان ہے۔ ڈائجسٹ ایک خوش گوار کیفیت ہے جو ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہورہی ہے۔ بظاہر تو لگتا ہے کہ صرف خواتین اس کی عادی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ بزرگ، نوجوان مرد بھی اس زلف کے اسیر ہورہے ہیں۔ ڈائجسٹ گھر کا فرد بن گیا ہے۔ ڈائجسٹ کچن میں بھی ہے۔ ڈائجسٹ تکیے کے نیچے بھی۔ خواب گاہوں میں بھی اور جہیز کا لازمی جزو بھی۔

مجھے نہیں معلوم کہ یہ تحریر ''بات تعلق کی ہے'' کیوں لکھی گئی۔ مگر یہ بہت ہی موثر اور نتیجہ خیز اکسیر رہی ہے۔ مجھے یہ سوچنے پر مجبور کررہی ہے کہ ڈائجسٹوں کا ہماری تاریخ میں اپنا ایک بامقصد کردار ہے۔ یہ پانچ دہائیوں سے ہماری اکثریت کے دلوں میں اتر رہے ہیں۔ ذہن سازی کررہے ہیں۔ خاندان والے اپنے بچوں کے نام ڈائجسٹوں میں چھپنے والی کہانیوں کے کردار پر رکھ رہے ہیں۔ نئے کھلاڑی، وہ ادبیات عالیہ کا حصہ بنیں یا نہ بنیں۔ لیکن ڈائجسٹی کہانیوں کا منظر ضرور بن رہے ہیں۔ نام ان کا ڈائجسٹ ہے، مگر یہ کہانیاں طبع زاد ہیں۔ تخلیقی ہیں۔ یہ جتنی لکھنے والیاں یا لکھنے والے ہیں، ان کی کہانیاں اپنی ہیں، اپنے گردوپیش کی ہیں۔ اپنے کھیتوں کھلیانوں کی، اپنی گلیوں کی، اپنے محلوں کی، بستیوں کی، یہ حقیقتیں ہیں جو ہم پر گزر رہی ہیں۔

ڈائجسٹ گروپ نئے نئے رائٹر پیدا کررہے ہیں، جو ہمارے آس پاس ہی سانس لیتے ہیں۔ ہماری نیکیاں گناہ سامنے لارہے ہیں۔ ان رسالوں کے صفحات آئینے ہیں۔

نہیں میری تحریر ڈائجسٹوں کے اوصاف اس انداز میں اجاگر نہیں کرپارہی ہے۔ جس بوقلمونی کے ساتھ ''بات تعلق کی ہے'' کی مصنفہ ملکوں ملکوں لے کر پھری ہیں۔ ان کی تحریر میں جدیدیت بھی ہے۔ مابعد جدیدیت بھی۔ تصوراتی بھی اور حرکیاتی بھی۔

سمیرا حمید کو سلام۔

www.pklibrary.com

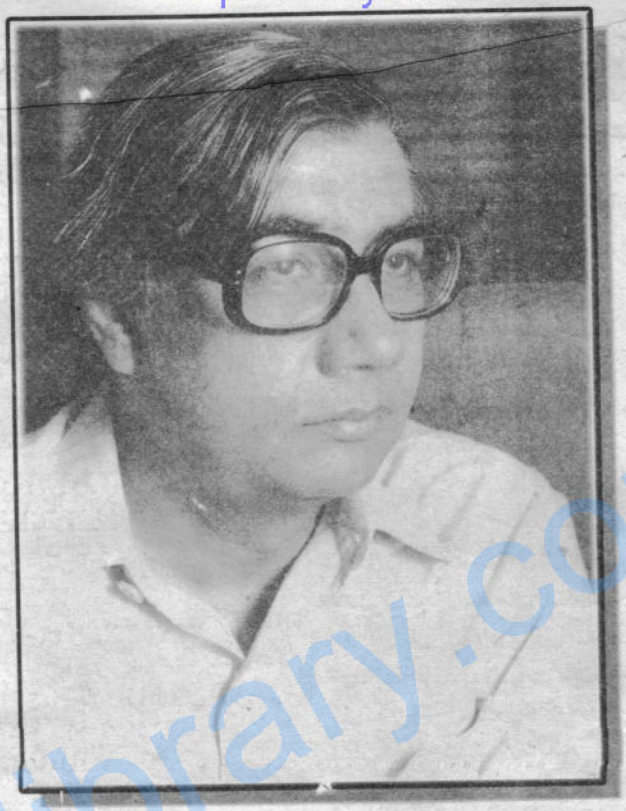

یادوں کے دریچے

منشا محسن

دنیا کسی پلیٹ فارم کی طرح ہے، جہاں لوگ آتے ہیں..... چلتے جاتے ہیں..... اور ہمارے حصے میں صرف اور صرف ''یادیں'' ہی آتی ہیں۔

محمود ریاض صاحب کو میں نے کبھی نہیں دیکھا، میں نے تو بس ان کے کام کو دیکھا ہے۔ وہ تو پودے لگا کر چل دیے..... موسم بدلے..... بیج پھوٹے اور پودے سر اٹھانے لگے اور آج وہ پودے تناور درخت بن چکے ہیں۔

محمود ریاض صاحب نے خواتین، شعاع، کرن کا اجرا کیا..... جس سے ہر صاحب ذوق نے حظ اٹھایا، استفادہ کیا۔ صاف ستھرے جریدے، ناپختہ اذہان کو شعور کی دہلیز پر لے آئے۔

آپ نے جانے کتنی مصنفات کو دریافت کیا۔ ان کی صلاحیتوں کو سامنے لائے۔

کاش..... آپ حیات ہوتے تو میں آپ کے آفس ضرور آتی..... جانے کتنی باتیں کرتی.....

گاؤں میں صبح اترنے کے قصے، شام ڈھلنے کے قصے، گندم پر چڑھتے شباب کے قصے اور چاندنی

www.pklibrary.com

کے..... فسوں کے قصے..... مجھے باتیں کرنے کا بڑا شوق ہے۔

میں محمود ریاض کے آفس کے باہر کھڑی ماتھے پر آیا پسینہ، دوپٹے سے پونچھ کر اندر داخل ہوتی ہوں۔

نفاست سے جمے بال، نفیس سی عینک، ذہین آنکھیں میری طرف اٹھتی ہیں۔

ٹیبل پر فائلز کا انبار، کمرے کی واحد کھڑکی سے دھوپ پگھل پگھل کر گرتی ہے۔

وہ میرا خیر مقدم کرنے کو اٹھے۔ مسکرائے اور سامنے رکھے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیٹھنے کو کہا۔ میں وہیں بیٹھ گئی تھی۔ میں ایک نظر میں سارے کمرے کا جائزہ لے چکی تھی۔

اور اب..... میں ان سے بلا جھجک باتیں کر رہی تھی۔

''ایک بات بتاؤ۔۔۔''

''جی پوچھیں سر!''

''یہ کہانیاں تم ہی لکھتی ہو نا..... سیکنڈ ایئر کی طالبہ اور ایسی منظر نگاری؟''

''جی..... بس اللہ کا کرم ہے۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔

''اگر میں کہوں کہ مجھے اپنے گاؤں کی کوئی سوغات بھیجو تو کیا بھیجو گی؟'' ذہین آنکھوں میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔

میں سوچ میں پڑ گئی۔

''ہمارے گاؤں میں جگنوؤں کی بہتات ہے۔ کہیں تو وہ بھیج دوں۔''

''کیسے بھیجو گی؟'' انہوں نے مجھے امتحان میں ڈالا۔

''پارسل کر کے بھیج دوں گی۔'' وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔

''مجھے یقین ہے کہ اگر جگنو پارسل ہو سکتے تو تم ضرور بھیجتیں، بلکہ ساتھ لے کر آتیں، جگنو ہی جگنو اڑ رہے ہوتے۔''

باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ چونکے۔

''اچھا یہ بتاؤ، کیا لو گی؟ چائے یا ٹھنڈا۔''

''انہیں آئس کریم سوڈا پلاتے ہیں۔ یہ صرف کراچی میں ہی ملتا ہے۔'' امتل نے مداخلت کی۔

''مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ یہ تکلفات رہنے دیں۔'' میں نے کہا تو وہ ہنس دیے۔

''کھانا کھلائے بغیر تو نہیں جانے دیں گے تمہیں۔ اتنی دور سے آئی ہے ہماری چھوٹی سی رائٹر۔'' انہوں نے شفقت سے کہا۔ ہم ڈھیروں باتیں کرتے رہے۔ کتابوں کی، موسموں کی، تتلیوں کی..... دھوپ اب بھی کمرے کی واحد کھڑکی سے گر رہی تھی۔

یہ ملاقات تخیل کی دین تھی لیکن میں جانتی ہوں۔ آج میں جب آفس میں کھڑی کمرے کے دروازے پر دستک دے رہی ہوں گی..... تو اندر سے..... ''یس کم ان'' کی آواز نہیں آئے گی۔

www.pklibrary.com

وہ ذہین آنکھوں والا شخص اب وہاں نہیں ہے۔
جو چاند کا نگر کا باسی تھا۔ چاند کے پار چلا گیا۔
میں کمرے میں اکیلی، ایک بازگشت کے حصار میں کھڑی رہوں گی۔
کمرے کی واحد کھڑکی سالوں سے بند ہے۔
کورے کاغذوں پر پین کی نب سے گری سیاہی سوکھ چکی ہے۔
بند کھڑکی پر دھوپ گر رہی ہے۔ فائلز کا ڈھیر ویسے ہی ٹیبل پر دھرا ہے۔
''میں جگنوؤں جیسے شخص کے لیے جگنو لائی ہوں..... تحریروں کی شکل میں.....''
میں جو آج اس ادارے کا حصہ ہوں جس نے مجھے عزت بخشی ہے..... شناخت دی ہے۔
محمود ریاض نے اپنے پرچوں سے روایات، ثقافت، اقدار جیسی چیزوں کو زندہ رکھا ہے۔
آج جانے کتنی ہی مصنفات ان پرچوں کی بدولت معاشرے میں قابل قدر جانی جاتی ہیں۔
وقت بدلا ہے..... سوچ بدلی ہے..... روایات بدلی ہیں۔
معیار کا سانچہ مکمل ہے، بڑھ رہا ہے۔
بہت عظیم ہوتے ہیں وہ انسان جو دوسروں کے لیے کچھ ''خاص'' کرتے ہیں۔
اور محمود ریاض صاحب وہ خاص ہستی تھے۔
ہم نے آپ کو نہیں دیکھا..... مگر اپنی دعاؤں کا ایک حصہ آپ کے نام کرتے ہیں۔
مجھے، میرے قلم کو، اس شفیق انسان کے ادارے میں کام کرنے پر فخر ہے۔
شاید زندگی ایک چھوٹا سا پرانا سا قصہ ہے جو کبھی بھی، کہیں بھی، کسی بھی وقت ختم ہو سکتا ہے۔
مگر دوسروں کے دلوں میں جگہ بنانے کا فن ضرور آنا چاہیے جیسا کہ محمود ریاض صاحب آج ہر دل میں زندہ ہیں۔ یاد کے دیوں میں روشنی باقی ہے اور رہے گی۔

www.pklibrary.com

عید کے خوشیوں بھرے دن کے لیے ہم بڑھ چڑھ کر اہتمام کرتے ہیں جس میں خواتین خاص طور پر پیش پیش ہوتی ہیں۔ خصوصاً گھر کی صفائی، سجاوٹ، کپڑوں کی تیاری اور سب سے بڑھ کر مزے دار کھانوں کا اہتمام۔

ساتھ ساتھ اپنے بناؤ سنگھار پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ چاند رات کو مہندی لگانے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ لباس کی میچنگ کے حساب سے چوڑیاں، ہار، بندے خریدے جاتے ہیں۔ پوری چاند رات ان ہی تیاریوں میں گزر جاتی ہے۔

عید کا پرنور دن طلوع ہوتا ہے۔ نماز کی عید کی تیاری..... مہمانوں کی آمد اور پھر کہیں خود ملنے جانا ہے۔ وقت نے بہت کچھ بدلا ہے لیکن عید کی خوب صورت روایتیں آج بھی اپنے اندر بہت حسن رکھتی ہیں۔

ہماری قارئین کیسے عید مناتی ہیں۔ یہ جاننے کے لیے ہم نے عید سروے کا اہتمام کیا ہے۔ سوالات یہ ہیں۔

1۔ چاند رات اور عید کا دن کیسے گزارتی ہیں؟

2۔ کبھی ایسا ہوا کہ چاند نہیں ہوا اور آپ مایوس ہو کر سو گئیں، اچانک چاند ہونے کا اعلان ہو گیا۔ اس وقت آپ کے تاثرات کیا تھے اور فوری طور پر عید کی تیاری کیسے کی؟

آیئے دیکھتے ہیں..... ہماری قارئین عید کیسے مناتی ہیں؟

عید۔ خوشیوں کی نوید

آداب

دعا مصطفیٰ، عروج فاطمہ، سندس بخاری

ویسے تو نماز مغرب کے بعد ہی ہماری چاند رات شروع ہو جاتی ہے۔ ہم چاند رات کو کہیں گھومنے پھرنے نہیں جاتے۔ بس حویلی میں ہی ہوتے ہیں۔ ہم کزنز جیا، عروج اور میں دوسری بچیوں کے ساتھ حویلی کی چھت پر چاند دیکھنے جاتی ہیں۔ پھر کھانے شانے کے بعد اپنے کپڑے، جیولری، جوتے وغیرہ نکال کر رکھتے ہیں۔ کپڑے میری بڑی بہن رباب پریس کرتی ہے بابا کے اور عون کے۔ اپنے خود کرتی ہوں۔ عید کی رات میٹھے میں ہم صرف سویاں بناتے ہیں۔ اس کے بعد ٹی وی غیرہ پر عید کے شو (پروگرام پی ٹی والے) دیکھتے ہیں پھر فجر پر اٹھنے کی دعا کے ساتھ سو جاتے ہیں۔

صبح سب سویرے اٹھ جاتے ہیں امی پھر سے سویاں اور دوپہر کو بریانی بناتی ہیں۔ ہم سب خود تیار ہوتے ہیں خالہ والوں کے ہاں سے زبردست بریانی آتی ہے۔ سب کے ہاں سے آتی ہیں سویاں۔ ہم بھی بھیجتے ہیں۔ ٹیچر کے ہاں سے سوئٹ (مٹھائی وغیرہ) آتی ہے۔ پھر ہم لڑکیاں سوائے امی کے دادی والوں کی حویلی جاتے ہیں۔ ارے ایک بات تو بتانا بھول گئی۔ سب مرد حضرات عید کی نماز پڑھ کر آتے ہیں تو ہمیں عیدیاں دیتے ہیں۔ ہمارا بڑا کزن تقی بھائی وہ تو پہلے ہی دے دیتا ہے۔ پھر ہم وہاں (دادی والوں کے ہاں) جاتے ہیں وہاں پر بھی دو بڑی پھوپھیاں، تین چچا، دو چچیاں، کزنز میل فی میل رہتے ہیں۔ پھر ان سے مل کر عیدیاں وصول کر کے کھاتے پیتے ہیں، خوب انجوائے کرتے ہیں۔

اس طرح دن گزرتا ہے، کبھی بابا وہاں اپنی حویلی آجاتے ہیں تو وہیں پر عیدی دیتے ہیں ورنہ گھر آ کر شام کو ان سے بھی عیدی لیتے ہیں۔ لیکن اس دفعہ ان شاء اللہ رات کو بھی ہم دادی کے ہاں رہیں گے۔

حویلی کے قریب ہی ہماری بڑی پھوپھی کا گھر ہے۔

www.pklibrary.com

ان کا بھی خیر سے بڑا خاندان ہے۔ ہم بچپن میں ان کے ہاں جاتے تھے لیکن کچھ خاندانی پیچیدگیوں کی بنا پر پھر وہاں آتے جاتے نہیں۔ لیکن ہماری بڑی کزن آپا گل جو کہ پھوپھو کی بڑی بہو بھی ہیں۔ وہ اپنے دو سپوتوں اور ایک بیٹی ہانیہ کے ساتھ وہاں آتی ہیں۔ سب مل کر گپ شپ لگاتے ہیں بڑا مزہ آتا ہے۔

2۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا، ہم تب تک جاگتے رہتے ہیں جب تک فیصلہ نہ آجائے کہ عید ہوگی بھی کہ نہیں۔ سب کے پاس موبائلز ہیں تو انٹرنیٹ سے کنکٹ رہتے ہیں دیر سویر پتا لگ ہی جاتا ہے۔ رشتے دار سب ایک دوسرے کو (جو دور دراز ہیں) اطلاع کردیتے ہیں تو پتا چل ہی جاتا ہے اب دیکھتے ہیں اس سال کیا ہوتا ہے، آخر میں سب کو میرا مطلب ہماری طرف سے دلی مبارک۔

صدف ناصر ...... سرفراز کالونی گوجرانوالہ

سب سے پہلے تو آپ سب کو عید الفطر بہت بہت مبارک ہو۔ ''چاندرات'' انتہائی جوش کے ساتھ ٹائم بہت کم ہوتا ہے۔ کام ہزاروں کرنے ہوتے ہیں اکیلی نے، تو ذہن تیزی کے ساتھ کاموں کو ترتیب دیتا ہے۔ صفائی کا کام ہفتہ پہلے ہی شروع کررکھا ہوتا ہے تو صفائی کی ٹینشن نہیں ہوتی۔ بچوں کے کپڑے، جوتے، جیولری ہر چیز ایک جگہ رکھتی ہوں۔ میاں، سسر، دیوروں کے کپڑے استری کرکے ہینگ کرتی ہوں۔ مرد حضرات کو ان کے جوتے لینے بھیجتی ہوں جو وہ ہمیشہ ہی چاندرات کو خریدتے ہیں۔ تینوں بیٹیوں کو گھر کے بالکل سامنے اپنی دوست ''مقدس'' کے پاس مہندی لگوانے بھیجتی ہوں۔

دونوں بیٹے ''کٹنگ'' کروانے چلے جاتے ہیں۔ صبح کے لیے ''سویٹ ڈش'' تیار کرکے رکھتی ہوں۔ گوشت مسالہ جات وغیرہ چاند کا اعلان ہوتے ہی منگوانے دوڑاتی ہوں۔ پھر سب دھو کر فریج میں رکھتی ہوں۔ ساتھ ساتھ موبائل اور ایس ایم ایس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ڈائجسٹ نکال نکال کر عید کے دن کی ڈشز کا انتخاب ہوتا رہتا ہے۔ ایسی ڈش ہو جو اگلی عید تک بھولے نہیں۔ ساتھ ساتھ بیٹیاں بار بار گھر کے چکر لگاتی ہیں مہندی دکھانے کو۔ انتہائی جوش اور خوشی کے ساتھ۔

''ماما! میری مہندی دیکھیں کتنی پیاری ہے۔''

پھر ایک چکر بازار کا بھی لازمی لگتا ہے۔ کچھ نہ کچھ رہ جاتا ہے آنے کو، یوں رات کے دو تین لازمی بج جاتے ہیں۔ اپنی مہندی اور تیاری عید کے دن پر اٹھا رکھتی ہوں۔ عشا پڑھ کر سوتی ہوں عید کے دن انتہائی دقت کے ساتھ آنکھیں کھلتی ہیں۔ پوری رات جاگ جاگ کر اور بھاگ دوڑ کرکے برا حال ہوتا ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر بچوں کو اٹھانا انتہائی آسان کام ہوتا ہے عید پر، باقی دنوں میں بچے اٹھتے نہیں جلدی مگر عید کے دن فوراً آنکھیں کھولتے ہیں۔ اٹھ کر فٹافٹ فریش ہو کر تیار ہوتے ہیں اور باہر دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں ساتھ ساتھ ہمارا سر کھاتے ہیں۔

''ماما جی! سامنے گھر آمنہ نے اس طرح کے کپڑے پہنے ہیں فلاں بہت پیاری لگ رہی ہے۔ پھر مرد حضرات کو ہر چیز پکڑا کر انہیں تیار ہونے بھیجتے ہیں۔ پھر سب مل کر مسجد جاکر نماز ادا کرتے ہیں۔ واپس آکر عید ملتے ملاتے، میٹھا کھاتے کھلاتے، بانٹتے بانٹتے گیارہ بج ہی جاتے ہیں۔ کالز کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری ہے۔ عیدی لینے اور دینے کا بھی۔

اس کے بعد ''لنچ اسپیشل'' بنتا ہے۔ گوشت کی ڈشز اور چاول بھی لازمی ''پہلوانوں'' کے شہر میں بچے بھی پہلوان ہیں۔ پھر شام کو جہاں جہاں عید ملنے جانا سو وہاں جاتے ہیں۔ فل آف مصروف ترین وقت گزرتا ہے۔ الحمدللہ۔

2۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے جناب کہ جی ہاں ایسا ہوا چند سال پہلے کہ جی آج چاندرات نہیں ہے صبح بھی روزہ ہوگا۔

ہم جو انتہائی جوش و خروش سے تیاریاں مکمل کرنے لگے تھے، ہر کام آدھا ادھورا چھوڑ کر غصے اور مایوسی سے سو گئے کہ بلاوجہ خود کو تھکایا۔

پھر گھر والوں نے جگا کر ''بریکنگ نیوز'' سنائی کہ عید کا اعلان ہوگیا ہے۔ بس جی پھر کہاں کی تھکن اور کہاں کا غصہ، کمر کس کر پھر میدان میں اتر آئے۔ یہ شکر کیا کہ کافی کام نپٹا بھی چکے تھے سونے سے پہلے، سو خود بھی ازسرنو دوڑیں لگائیں اور گھر والوں کی بھی لگوائیں۔ آپس کی بات ہے بازار بھی رونقیں دیکھنے جانا ہوتا ہے بہانے سے کیونکہ جان بوجھ کر چھوٹی موٹی چیزوں کو ''چاندرات'' کو ہی خریدتی ہوں۔ واپسی پر پھر برگر ''پیزا'' بوتل وغیرہ اس رات کا مزا دوبالا کردیتے ہیں۔

www.pklibrary.com

نازلی فیصل.....لاہور

ہمارے گھر میں کھلے آسمان پر چاند ڈھونڈنے کی روایت اب تک قائم ہے۔ افطاری کے فوراً بعد کیا بچے کیا بڑے بوڑھے سب ہی ٹیرس کی طرف چاند دیکھنے کے لیے بھاگتے ہیں اور چاند نظر آتے ہی ''مبارک ہو عید کا چاند نظر آ گیا ہے۔'' کہتے ہوئے سب ایک دوسرے کے گلے لگ جاتے ہیں۔ مبارک سلامت کے شور میں دعائیں اللہ کرے خیر و عافیت کا چاند ہو۔ چھوٹے بڑوں کے آگے سر جھکا دیتے ہیں۔ اور بڑے پیار سے گلے لگا لیتے ہیں۔ چاند رات پر سب خاندان والوں کا ہمارے گھر اکٹھا ہونا محبتوں کی ایسی داستان ہے جس پر آسمان کو بھی رشک آجاتا ہوگا۔ اور اس میں مزید رنگ اس وقت بھر تا ہے جب ہم فرنی کی ٹھوٹھیوں والی کھیر مٹھائی سے سجی ٹرالی، اور اس کے ساتھ گرما گرم کشمیری چائے سے سب کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔

مہندی کی خوشبو سے گندھا ہوا چاند رات کا فسوں، سب ہی کو میچنگ چوڑیوں کی فکر اور مہندی لگوانے کا شوق بازاروں میں لے جاتا ہے۔ بہر حال بازاروں میں چاند رات کی رونقوں کے میلے سے نکل کر گھر میں داخل ہوتے ہی چوڑیوں کی کھنک میں ہر کلائی نئے گیت گاتی نظر آتی ہے۔ بچوں کو مطمئن کر کے ان کے کپڑے جوتیاں ٹوپیاں سنوار کر رکھنا اور صبح سب کو عیدی دینے کا حساب کتاب سیدھا کرنا، عیدی جو 10`100`500 سے ہوتی ہزار تک پہنچ گئی۔

ان سے فراغت کے بعد کچن کی ناز برداریاں، رات سے ہی کھانوں کی تیاری، چکن کڑھائی، حلیم گھوٹنا، سیخ کباب، ابلے چنوں کا مسالہ بنانا، دہی پکوڑیوں کے لیے املی و پودینہ کی چٹنی جس کے بغیر کھانے کا مزہ ہی نہیں آتا۔

اور عید کے روز تو عید کے ہنگامہ خیزیاں زوروں پر ہوتی ہیں۔ بننا سنورنا سجنا سجانا ان سب چیزوں کا بھرپور اظہار ہوتا ہے علی الصبح اٹھ کر شیر خورما تیار کرنا اور ساتھ ہی شاہی ٹکڑوں کی ڈش تیار کرنا اس کے بغیر سب کو لگتا ہے کہ عید ہی نہیں ہوئی، میز پر برتنوں کی سجاوٹ، ٹرالی پر چائے کا اہتمام اور عید کی نماز جو ساڑھے سات بجے ہو جاتی ہے کے بعد دس بجے تک فیصل کے سب بھائی اور میری بہنوں کا آنا عید کی یعنی صبح سے شام تک کچن و ڈرائنگ روم کے درمیان دوڑ و خاطر داری میں ایسے مصروف کہ وقت کا پتا نہیں چلتا اس تگ و دو میں۔ شام چھ بجے بڑی باجی کے ہاں حاضری دینا، ورنہ ان کی دعاؤں وعیدی سے محروم ہو جاتے، اس کے بعد منجھلی و چھوٹی بہن سے عید ملنے کی روایت جس میں آج تک کوئی تبدیلی نہ آئی، ملنے ملانے کے بعد گھر واپسی پر کپڑے بدل، دوبارہ کچن کی طرف رخ کیونکہ عید کے دوسرے روز رات کو سسرال، ننھیال و ددھیال سب کی ہمارے گھر کھلی دعوت ہوتی ہے۔ اس لیے عید کے پہلے روز مٹن گوشت، چانپوں کا مسالا بنانا، غرض جو جو کام نبٹا سکتے ہیں۔ نبٹاتے ہیں۔

اور ان سارے کاموں کو نبٹاتے نبٹاتے ہمارے نازک کندھے دوہرے چوہرے ہو جاتے ہیں۔ کب عید شروع ہوئی۔ کب ختم ہوئی، ایک ایک لمحہ ہمارے اندر اپنوں سے ملنے کی خوشی عطا کر کے خوشبو کی مانند پھیل کر، تھکن کا سارا احساس مٹا دیتا ہے۔ یہ حال احوال 2019ء کی عید کا ہے پچھلے سال کی عید تو فاصلے کی عید تھی۔ عید تو نام ہی گلے ملنے کا ہے۔ ملنے ملانے کے گریز نے 2020ء میں نہ وہ رونقوں کے میلے لگنے دیے، نہ چاند رات کا فسوں، نہ خوش ذائقہ پکوان کی مہک بکھرنے دی۔

سوال نمبر 2۔ رویت ہلال کمیٹی کے مطابق ملک بھر میں چاند نظر نہیں آیا لہٰذا کل عید نہیں ہوگی۔ ٹی وی پر یہ اعلان سنتے ہی سکھ کا سانس لیا چلو ایک روزہ اور، کام کے لیے بھی ایک دن مل گیا، جو ادھورے کام ہیں وہ کل صبح نبٹا لیں گے یہی سوچتے ہوئے آرام سے نماز پڑھی، اور ابھی آنکھ لگے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بچوں کے شور نے اٹھا دیا۔

''کیا ہوا؟'' نیند کی ہڑبڑاہٹ میں پوچھا۔

''عید کا چاند نظر آ گیا ہے، کل عید ہوگی۔''

''کیا کہا، رات کے گیارہ بجے چاند نظر آ گیا۔'' سن کر نیند ایسی اڑی فوراً ہی گھبرا کے اٹھ بیٹھے اور سارا غصہ بچوں اور میاں پر نکال دیا۔

''اچھا بھلا باورچی خانہ میں اپنا پورا کام سمیٹ رہے تھے، ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا کہ جب کل عید نہیں تو کاہے کو جان

www.pklibrary.com

بلکان کررہی ہیں ایک دن اور مل گیا ہے کام کا اس ایک دن کی خوشی میں کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑیں گے، کیا کروں کیا نہ کروں، اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے منہ پر پانی کے الٹے سیدھے چھینٹے مارے، کہاں کی نیند، کیسا سونا، سارے کل پہ چھوڑے ہوئے ادھورے کام ایسے یاد آئے کہ فوراً ہی باورچی خانے کی طرف دوڑ لگادی کیونکہ عید کی نماز تو صبح ساڑھے سات بجے ہوجاتی ہے اور نماز کے بعد سب سیدھے ہمارے ہی گھر آتے ہیں۔

بس اسی خیال سے رات ہی کو سارے کام سمیٹنے تھے سب سے پہلے شیر خورمہ کے لیے رکھا ہوا دودھ چیک کیا کہ کہیں استعمال تو نہیں ہوگیا ورنہ صبح شیر خورمہ سے محروم رہ جاتے، ساتھ ہی ادھورے کچے پکے پکوان چولہے پر چڑھائے ایک ہاتھ سے حلیم میں پچ چلائی تو دوسرے سے سیخ کباب بنا کر فریز کیے، ابلے ہوئے چنوں کا مسالہ تیار کیا چکن کڑاہی کا پانی خشک کرکے اسے مکمل کیا بھگوئی ہوئی املی کو چٹنی میں بدلا، باورچی خانے سے نکل کر بچوں و بڑوں کے کپڑے ترتیب وار رکھے، تاکہ صبح کی نماز کے وقت بھگدڑ نہ مچے کہ میرا سوٹ استری نہیں، میری ٹوپی کدھر، تو میرا جوتا کدھر، یہاں تک پہنچنے کے بعد دم لیا کہ کچھ تو حساب کتاب سیدھا ہوا۔

اس سارے کام میں گھڑی دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ اب جو فارغ ہوکر گھڑی پہ نظر ڈالی تو رات کا ایک بج رہا تھا اس وقت ٹائم سے زیادہ کام مکمل کرنے کی فکر تھی کہ رات بے شک لگ جائے مگر عید کی صبح پرسکون ہو کیونکہ عید کی تیاری، مہمانداری کا بوجھ تو خاتون خانہ کے سر ہوتا ہے، اب جو سونے کی کوشش کی تو خیال آیا کہ کام والی کو صبح جلدی سے آنے سے منع کیا تھا فوراً فون ملایا، بچوں کو بھی اسے فون کرنے کو کہا۔ بار بار فون کرنے پہ بھی اس نے فون نہ اٹھایا، تو پارہ نوے ڈگری تجاوز کرگیا۔

''جتنا مرضی کرلو ان کا۔ مجال ہے جو وقت پر کام آئیں۔''

چار و ناچار اسے کوستے ہوئے برتن دھوئے، سمیٹے، میز پر نفاست سے سجائے کیونکہ یہی تو موقع ہوتا ہے اپنا آپ دکھانے کا اور تعریف سمیٹنے کا۔ کام مکمل ہونے کا احساس ہوا تو ساتھ ہی سوچا کہ آئندہ چاند نہ بھی نظر آئے تب بھی سارا کام پورا کرکے ہی آؤں گی۔

ٹائم دوبارہ دیکھا نہیں کہ مبادا ہمت ہی نہ ہار دیں شکر ہے صبح مٹھائی منگوالی تھی۔ ورنہ فیصل کو برفی فلاقند گلاب جامنوں کے لیے دوڑانا پڑتا اور بدمزگی و لڑائی الگ ہوتی۔

اس بھاگ دوڑ و تگ و دو میں عید کا دن نمودار ہوا اور سب کے آنے کی خوشی میں رات کی ساری تھکن بھول گئے اور میز پر رکھے ہوئے شیر خورمہ، شاہی ٹکڑوں اور حلیم پر کہ واہ واہ کیا حلیم بنائی ہے سن کر مسکرائے کہ رات کی ساری محنت وصول ہوگئی۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ ہم رات کن کن مرحلوں سے گزر کر، بلڈ پریشر کو نارمل کرتے ہوئے اس میز پر سج سنور کر بیٹھے ہوئے داد وصول کررہے ہیں۔

ربیعہ نسرین ماڈل ٹاؤن لاہور

1۔ عید کی تیاری ۲۷ رجب سے شروع ہوجاتی ہے جب روزہ رکھ بازار کا رخ کرتی ہوں اور ساری خریداری (کپڑوں کی) مکمل ہوجاتی ہے رمضان سے پہلے سلائی، دھلائی، استری کرکے (اور بلبل شوریدہ کے نالے) سمیت سب کام مکمل رمضان سے ایک دو دن پہلے جوتے وغیرہ بھی لے لیتے ہیں۔ سو چاند رات کو اگر بروقت چاند کی رونمائی ہوجائے تو اول وقت ورنہ اعلان ہوجانے پر چار نفل پڑھ لیتی ہوں اور خاندان کے بزرگوں اور اپنی چیدہ سہیلیوں کو فون پر عید کی مبارکباد دے دیتی ہوں اور اب سیل فون پر مبارک باد دینا بھی ایک کام ہے۔

2۔ سب سے پہلے یہ واقعہ 68-1967ء میں پیش آیا تھا اس سے پہلے عوام میں چاند دیکھنے کا رجحان تھا۔ لوگ بذات خود چھتوں پر چڑھ کر چاند دیکھتے تھے۔ اس مرتبہ ایوب خان صاحب اقتدار کے حاشیہ برداروں نے حاشیہ آرائی کی کہ جمعہ کی عید حکمران پر بھاری ہوتی ہے (حالانکہ نماز تو مولوی صاحب پڑھاتے ہیں) اس لیے بذریعہ پولیس مساجد میں جبری عید کا اعلان کروایا گیا اور لوگوں کے روزے زبردستی تڑوائے گئے۔ پولیس اہلکار کی نگرانی میں امام صاحب عیدگاہ میں نماز پڑھانے کے لیے لائے گئے جب پہلا سجدہ کچھ زیادہ ہی طویل ہوگیا۔ معلوم ہے کہ امام مقتدیوں کو سجدے میں چھوڑ کر بھاگ نکلا کہ سپاہی خود بھی نماز پڑھنے کھڑا ہوگیا تھا وہ دن اور آج کا

www.pklibrary.com

دن۔اس کے بعد رویت ہلال کمیٹی بنی اور اب چاند آدھی رات کے بعد جلوہ آرا ہوتا ہے۔

دوسری پر لطف یاد 1972ء کی ہے جب میرے تایا چارسدہ پیپر مل میں تھے۔عید کرنے ہم تربیلہ سے گئے۔ وہاں حسب معمول ایک دن پہلے عید ہوئی۔ہم سب کا روزہ رہا۔البتہ تایا روزے کے ساتھ عیدگاہ میں دوگانہ پڑھ آئے۔ اگلے دن یعنی اصل عید کے دن صبح وہ برآمدے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، پڑھ کر کہنے لگے۔

لیں اللہ میاں! عید کی اصلی نماز پڑھ دی ہے (ویسے اس دور میں کوئی تصور ہی نہیں کرسکتا تھا کہ عید تو بہت دور کی بات ہے کوئی مسلمان جمعہ کی نماز بھی قضا کرلے)

فرحانہ مہناز.....اسلام آباد

1۔شادی سے پہلے کی چاند رات اور اب کی چاند رات میں بہت فرق ہے۔پہلے رات کو اونچی آواز میں ٹی وی لگا لیتے کہ دیکھنا تو کسی نے نہیں بس سننا ہوتا اور اس کے ساتھ ہی سب کزنز نل کر مہندی لگاتیں۔زیادہ تر مجھ سے لگوائی جاتی۔ میں کوئی کام نہیں کرتی تھی۔ میرے کپڑے بھی امی استری کرتیں۔تو استری شدہ کپڑے بار بار دیکھنا باقی سب جیولری بھی سوٹ پر رکھ کر دیکھنا۔ابو جی سے شیر خورمہ کا سامان منگوا کر رکھنا۔

اب چاند رات میں سب سے پہلے بچوں کے کپڑے استری کرتی ہوں، سب چیزیں بچوں کے حوالے کر دیتی ہوں۔خود ہی سیٹ کرلو اور اپنی ڈرا میں رکھ لو۔ چاند رات کو بازار جانا نہ مجھے پسند ہے نہ فراز صاحب کو، سب کچھ ایک دن پہلے تیار ہوتا ہے۔اب کباب اور شیر خورما تیار کرنا تو چاند رات کو میٹریل تیار کرلیتی ہوں پھر عشاء کی نماز پڑھ کر ارحم، لیہا، اضحیٰ کے ہاتھوں پہ مہندی لگاتی ہوں۔نیوز سننا اور فراز کے ساتھ ڈسکس کرنا کافی لیٹ سوتے ہیں۔

عید کا دن بچوں کو تیار کرنا، سویاں بنانا، نماز عید پڑھ کر تیار ہونا اتنے میں فراز صاحب اور متین نماز پڑھ کر آجاتے ہیں۔ناشتہ پلس کھانا کھانا، پھر مہمان آنا شروع ۔لیکن ہم لوگ شام میں یا اگلے روز باہر جاتے ہیں۔

2۔جی ہاں ایسے تین بار ہو چکا ہے۔لیکن ہم لوگ سوتے نہیں پہلی بار جب میں اعتکاف میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رات بارہ بجے اعلان ہوا عید کا۔تب میں نے ایک اور قرآن شروع کرلیا تھا۔لو جی عید ہے سب کزنز اپنے کمروں سے پھولوں کی مالا لے کر نکلیں۔ابو جی اللہ جنت الفردوس میں اعلا مقام دے۔کبھی اتنے لیٹ نہیں سوئے تھے لیکن میرے لیے جاگتے رہے اور میری دوست رات کو ایک بجے میرے گھر آگئی، جی ہاں کچھ دوست اتنے مخلص ہوتے ہیں کہ دن تو کیا رات کو بھی حاضر۔اپنی دوست عائشہ کو رات ایک بجے میرے لیے گجرے، چوڑیاں، مٹھائی لاتے ہوئے دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔عید کی تیاری تو ہم پہلے ہی کرلیتے تھے۔اس کے بعد کچھ سالوں بعد پھر رات بارہ بجے عید کا اعلان ہوگیا تب ہم سونے لیٹ گئے بجے تو سو ہی گئے تھے۔جناب پھر بھابھی عابدہ کو لے کر بازار گئے ان کی چیزیں اور میرے متین کے سوٹ رہتے تھے ابھی۔رات دو بجے واپسی ہوئی۔

اور اب اسلام آباد آکر پچھلی عید بھی رات دس بجے پتا چلا۔خریداری تو پوری تھی۔بس میں نے سحری کے لیے ہانڈی بھی بنالی لیکن عید ہوگئی پھر کیا ہاتھوں کو جلدی جلدی چلا کر ایک بجے تک کام کیا اور عید کا دن ہنسی خوشی دونوں میاں بیوی بچوں کے ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔ایک عید اسلام آباد اور ایک گوجرہ، ایسے ہی عید (مطلب خوشی) کو محسوس کرتے ہیں۔

رضوانہ شکیل راؤ.....لودھراں

1۔عید کی روایتی چیزوں میں مجھے سب سے اچھی عید کی روایتی تیاری لگتی ہے بھاگم بھاگ کام کرنا اچھا لگتا ہے جو دوڑ چاند رات کو لگتی ہے اس میں تھک بھی جائیں تو تھکن نہیں ہوتی خوشی ہوتی ہے۔

تکیوں کے غلاف، بیڈ شیٹ، پردے چاند رات کو ہی بدل لیتی ہوں اگر کھیر بنانی ہو تو رات کو ہی بنالیتی ہوں کیونکہ لکڑی کے چولہے پر بنانی ہوتی ہے، سلنڈر پر سالن چائے وغیرہ بنتی ہے۔آگ جلانے میں کھیر پکنے تک شکیل میری بھرپور ہیلپ کرتے ہیں کیونکہ اس سال کپاس کی لکڑیاں نہیں ہیں۔تھاپیاں (گوبر کے اپلے) خرید کر جلا رہے ہیں۔

اسد اللہ اور شکیل کے کپڑے رات کو پریس ہوتے

www.pklibrary.com

ہیں۔ چاند دیکھے بغیر بھلا عید کی خوشیاں مکمل ہو سکتی ہیں۔ نہیں نا! تو جناب ہم بھی پورے جوش و خروش سے بمعہ خشوع و خضوع سے انتیسویں روزے ہی چاند کو دیکھنے۔ خواہ اک نظر ہی سہی کے لیے کوشش پیہم شروع کر دیتے ہیں جو کہ شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے۔

2۔

بڑے ناز و انداز سے سنورتی ہے
عید دلہن کی طرح لگتی ہے

اگر سوال بچپن کی عید کے متعلق ہوتا تو کچھ ایسا ہی جواب ہوتا۔ عام دنوں سے بالکل منفرد اور انوکھا دن۔ جیسے بادصبا حسین دوشیزاؤں سے آنچل اور گیسوؤں کو چھیڑ چھاڑ کر گزرتی ہے۔ جیسے گلدان میں نئے گل لگا دیے جاتے ہیں۔ خوشی کا عالم کیا خوب ہوتا تھا۔ کھنکتی چوڑیاں، مہندی سے بھری کلائیاں۔ گولڈن پرس اس میں موجود چھوٹی سی لپ اسٹک، نیل پالش، جیولری الغرض ہر طرف حسن ہی حسن بکھرا دکھائی دیتا تھا۔

بہت عرصہ ہوا۔ اب عید ایک ہی روٹین سے گزرتی ہے بہرحال عید مصروف ہی گزرتی ہے۔ قدرے بور بھی۔ وجہ؟ رمضان کے ختم ہونے کی اداسی بھی ہوتی ہے۔

عید کے دن کا آغاز نماز فجر کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ پھر گھر کی صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر کچھ اپنے بناؤ سنگھار پر توجہ دیتی ہوں کیونکہ ان کی فرمائش ہوتی ہے کہ جب نماز کے بعد گھر آئیں تو ہم تیار ہوں۔ نماز عید کے بعد آنے جانے والوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور دوسرے عزیز و اقارب بھی، محلے سے بھی بچے آتے ہیں۔

یہاں پر صرف میری سسرالی فیملی ہے۔ میکہ (یعنی سرگودھا) سے امی، ابو، بھابیوں، بھائیوں سے فون پر عید مبارک کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔ محلے سے جو چیزیں میٹھے میں آتی ہیں، ان کو ٹھکانے لگانے میں اسد اللہ میرا ساتھ دیتا ہے پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری چکن قورمہ ہی بناتی ہوں۔ اسد اللہ کی فرمائش پر روٹی کی جگہ نان منگوائے جاتے ہیں۔

صبا آصف..... کراچی

1۔ دن کے ساتھ ساتھ چاند رات بھی بہت مصروف گزرتی ہے اور اگر چاند انتیس کا ہو جائے تو جہاں عید کی خوشی ہوتی ہے وہاں مصروفیت اور بڑھ جاتی ہے، خیر خوش گوار مصروفیات خوشی خوشی نبٹ جاتی ہیں۔ میں اپنے کام دو تین دن پہلے سے کرنا شروع کر دیتی ہوں۔ چاند رات کو وہی کام رہ جاتے ہیں جو چاند رات کو ہی ہو سکتے ہیں۔ پھول سجانا، شیر خرما کے لیے پستے بادام بھگونا۔ چنے بھگونا۔ گرم دودھ میں چھوہارے بھگونا یہ ہماری خاص خاندانی ڈش ہے، اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ بہرحال ہم میاں بیوی بیٹا بیٹی نو ساڑھے نو تک چاند رات کی رونقیں دیکھنے نکل جاتے ہیں۔ ساتھ کچھ ضروری شاپنگ بھی۔ صاحبزادی چوڑیاں تو چاند رات کو ہی لیتی ہیں پھر مہندی لگواتی، صاحبزادے اس کی بھی کچھ نہ کچھ چیزیں جو رہ جاتی ہیں وہ لی جاتی ہیں واپسی پر کیک اور مٹھائی کے ساتھ ساتھ ہم پھول لینا نہیں بھولتے۔ کچھ پھول میں اپنے لان کے استعمال کرتی ہوں اور کچھ فلاور شاپ سے لے لیتی ہوں کیا اینٹرنس کیا لاؤنج گھر کا گوشہ گوشہ پھولوں سے سجاتی تھی (اکے بانا کا کورس کیا ہوا ہے) سارا گھر مہک رہا ہوتا تھا۔

اب تو میں چاندرات کو باہر ہی نہیں نکلتی جب سے میرے بھانجے فراز کا انتقال ہوا ہے۔ چاندرات بڑی خامشی سے گزرتی ہے سوؤں بھی نہ تو آنکھیں بند کر کے لیٹی رہتی ہوں۔ عید کا دن بھی بڑا خوشگوار گزرتا تھا۔ مہمان آنے والے بچوں کے لیے کھلونے غبارے ٹافیوں کے پیکٹ ربن بندھے ہوئے۔ سب ٹرالی میں سجا کر رکھ دیتی تھی۔ بچے آتے عیدی کے ساتھ یہ سب بھی دیتے بچوں کو تحفے۔ ہنزہ بیگم بڑی خوشی سے دیتی تھیں۔ بچے بھی خوش ہنزہ بھی خوش۔ بڑوں کے لیے بھی تواضع کا اہتمام ہوتا تھا۔ کباب دہی بڑے، چنے، شیر خرما، پھل، مٹھائی یہ سب کچھ میز پر سجا دیتی تھی۔ میز سے اٹھایا مہمان کے سامنے رکھ دیا۔

عید کے دن ہم میزبان بھی ہوتے تھے اور کہیں مہمان بھی۔ اگلے دن امی کے یہاں دعوت ہوتی تھی۔

عرصہ ہوا اب عید کی دعوتوں میں بھی نہیں جاتی۔ پچھلے سال بھائی کا فون آیا۔ سب آئے ہوئے ہیں تم بھی آجاؤ۔" میں انکار کر رہی تھی اور وہ اصرار۔

www.pklibrary.com

بھائی کی شکل ابو سے بہت ملتی ہے اور آواز بھی۔ اس کا اصرار کرنا لہجہ بالکل ابو جیسا تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے ابو اصرار کر رہے ہوں۔ رونا بھی آ رہا تھا اور اچھا بھی لگ رہا تھا کوئی ہے بلانے والا۔ یہ دکھ ہلکا پڑتا محسوس ہو رہا تھا کہ ابو کے بعد اس اصرار سے کون بلائے گا اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت دے آمین ثمہ آمین۔

عیدالفطر بے شک ہم مسلمانوں کے لیے روزے داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اسے خوشی خوشی منانا چاہیے۔ لیکن یہ بھی ہے کہ اس دن جانے والے بہت شدت سے یاد آتے ہیں سواب تو عید کے دن رو کر اور سو کر گزرتا ہے۔ (گولی کھا کر)

2۔ بہت مرتبہ ایسا ہوا کبھی گیارہ بجے اچانک اعلان ہو جاتا ہے کبھی بارہ بجے ہمارے بچپن میں بھی ایک بار ایسا ہوا۔ مایوس ہو کر نہ صرف یہ کہ سو گئے تھے بلکہ سحری کھا کر روزہ رکھنے کی تیاری میں تھے۔ ہمارے چچا (ابو کے چچا زاد بھائی) ہم ابو کی جاب کی وجہ سے نواب شاہ ایئرپورٹ پر ہوتے تھے۔ کراچی سے نواب شاہ پہنچ گئے سب ان کو اچانک دیکھ کر خوش بھی ہوئے اور حیران بھی۔ سحری کا وقت ختم پر تھا امی نے کہا ''اسلم جلدی سے سحری کھالو۔''

اسلم چچا ہنس کر بولے۔

''بھابھی کل تو عید ہے۔''

امی نے کہا ''نہیں چاند نظر نہیں آیا۔''

کہنے لگے ''بھابھی چاند کا اعلان ہو گیا تھا۔ میں اعلان سن کر ٹرین میں بیٹھا تھا۔ ہماری تو عید سے پہلے عید ہو گئی۔ کل روزہ نہیں رکھنا پڑے گا۔ دوسرے چچا ہم بچوں کے لیے بہت ساری چیزیں لائے تھے۔ کپڑے، کھلونے، ٹافیاں، مٹھائی، پھل بلکہ ہماری تو ڈبل عید ہو گئی تھی پاس پڑوس میں جلدی جلدی کہلوایا کہ روزہ نہ رکھیں۔

ایئرپورٹ پر گھر بھی دور دور ہوتے ہیں۔ موبائل کا تو سوال ہی نہیں تھا گھروں میں فون بھی کم ہی ہوتے تھے۔ امی کو ہماری مہندی کی فکر پڑ گئی مہندی تو انہوں نے گھول کر رکھی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے ہمارے مہندی لگائی امی نے ہمارے مہندی لگا کر اخبار کا کاغذ لپیٹ دیا اور ہمیں سونے کا کہا انہیں بہت سے کام کرنے تھے، سب کام امی نے کیسے کیے۔ ہم تو جب سو کر اٹھے ہمارے کپڑے تیار تھے۔ ابو اور چچا نماز پڑھنے گئے ہوئے تھے۔ ہم بھی تیار ہو گئے۔

ہماری مہندی سے لال ہاتھ دیکھ کر امی بہت خوش کہ ان کی محنت وصول ہو گئی۔ اچانک عید ہونے کی وجہ سے سہیلیوں میں سے کسی کے بھی مہندی نہ لگی ہوئی تھی سو ہم اترائے اترائے پھر رہے تھے۔

بس اس وقت نہ پوچھیں کیا حالت ہے یادوں کی بارات اتری ہوئی ہے آنکھوں میں بھی اور دل میں بھی۔

سلمیٰ مسرت.....راولپنڈی

1۔ اگر رمضان خوب صورت گزرا ہو تو چاند رات بڑی زبردست گزرتی ہے۔ شادی سے پہلے اپنی ساری فرینڈز کے گفٹ پیک کر کے تیار رکھتی تھی، شام تک پہنچا بھی دیتی تھی۔ یہ کام میری چھوٹی بہن یاسمین کرتی تھی پھر عید کے روز ان کی طرف سے سرپرائز گفٹ ملتے تھے۔ ایک ہفتے تک ہماری عید ملن پارٹیاں ہوتی تھیں لیکن شادی کے بعد چاند رات ہنگامہ خیز مصروفیت لاتی ہے، اپنی عبادت کو اللہ کے حضور مکمل کر کے پیش کرنا اختتامی دعاؤں کے بعد عید کی صبح کے پکوان تیار کرنا، بچوں کے اور اپنے کپڑے پریس کر کے رکھنا کیونکہ ہمارے علاقے میں صبح سویرے عید کا اہتمام کھلے پارک میں ہوتا ہے۔ قاری صاحب کا خطبہ نماز عید پھولوں کے درمیان ادا کر کے سب لوگوں سے عید ملنا، ان میں اکثریت ایسی ہوتی ہے جن سے ایک سال بعد ملاقات ہوتی ہے۔ نماز کی ادائیگی اور پھر قریبی قبرستان میں والدین اور دوسرے احباب جو ہم سے بچھڑ گئے، دعائے مغفرت پڑھ کر گھر واپس آ کر بہن اور بھانجے، میرے بچے ہم سب مل کر عید مناتے ہیں۔ تین دن کھاتے کھلاتے گزرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا بہترین تحفہ ہے یہ روز عید۔

2۔ ایسا کئی بار ہوا کیونکہ ہمارے ہاں انتیسویں روزے کے بعد جو عید ہوتی ہے اس کا اعلان اکثر دیر سے ہوتا ہے۔ دماغ میں جنگ چل رہی ہوتی ہے کہ اب سحری کا اہتمام کریں یا عید کے ناشتے کا تو، اب تو میں دونوں قسم کی تیاری کر لیتی ہوں لیکن ایک بار ایسا ہوا کہ میں سو گئی۔ امی کی طرف سے فون آیا کہ صبح تو عید کی نماز ہے۔ فجر تک پھر سب کے کپڑے وغیرہ تیار کیے۔

www.pklibrary.com

اب تو دو سال سے کرونا نے ساری خوشیاں خراب کردی ہیں۔ پوری دنیا سے اللہ تعالیٰ یہ عذاب ختم کردے، آمین۔

زرینہ خانم لغاری.....مظفر گڑھ

1۔ چاند نظر آیا تو ہر طرف مبارک بادیاں شروع ہوگئیں۔ محلے والے، رشتہ دار، ہمسائے ایک دوسرے کو مبارکاں دینے لگ جاتے ہیں۔ ایک خوشی کا سماں بندھ جاتا ہے۔ چاند نظر آیا۔ تراویح نماز کی چھٹی ہوگئی لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس رات عبادت کرو۔ روزوں کا انعام ملنے کی رات ہے، جیسے کہ مزدور کو کام ختم کرنے پر مزدوری ملتی ہے اس لیے حسب توفیق عبادت کرتی ہوں۔ عید کی تیاری بھی کرتی ہوں۔

عید کا دن ہم گھر پر ہی گزارتے ہیں۔ ہماری فیملی کے تین گھر ساتھ ساتھ ہیں، دیواریں جڑی ہوئی ہیں۔ درمیان میں دروازے رکھے ہوئے ہیں، بس وہیں ایک دوسرے کے گھر تھوڑی دیر کے لیے چلے جاتے ہیں، پھر وہ بھی آجاتے ہیں۔ سویاں، کیک، پھل فروٹ کھانے کھلانے میں دن گزر جاتا ہے۔ خوب صورت لباس بھی زیب تن کرتے ہیں۔

2۔ واہ یہ کیا خوب صورت عید آپ نے یاد دلادی۔ ایک دفعہ ایسا ہوا، دن بھر گھر کی صفائی کرلی۔ شام کو چاند کا اعلان نہ ہوا، آرام سے سو چکے تھے کہ اچانک گگو بجنے شروع ہوگئے کہ چاند صاحب نمودار ہوگئے ہیں، پہلے تو سوتے سے اٹھنا پڑا۔ دل بہت خراب ہوا لیکن عید کی تیاری تو بہرحال کرنی تھی، کمر کس کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

صبح چنا چاٹ بنانے کے لیے بڑے بنا کر فریج میں رکھے۔ بچوں نے جلدی سے مہندی لگانی شروع کردی۔ نئے کپڑے استری کا نخرا نہیں کیونکہ اکثر درزی کے ہاں سے استری شدہ آتے ہیں پھر بھی کپڑے نکالے۔ شلواروں میں کمر بند ڈالے۔ کتنے چھوٹے موٹے کام کیے یعنی افراتفری مچ گئی، آدھی رات تک کام سمیٹتے رہے۔ پہلے پہل کوفت بھی ہوئی لیکن پھر عید کی خوشی میں خوشی خوشی سارے کام کرلیے۔

اب جب بھی اس عید کی یاد آتی ہے، وہ وقت کو یاد کرکے خوب انجوائے کرتے ہیں کہ کیسے بھاگم بھاگ کام کررہے تھے۔ پیٹیاں کھول کر نئی بیڈ شیٹ اور تکیے نکالے اور بچھائے جارہے تھے۔ کسی کُرتے پر بٹن ٹانکے جارہے تھے، چپیاں تو مہندی لگا کر نواب بن کر بیٹھ گئیں۔ مائیں بے چاریاں کھپ رہی تھیں، بہرحال مزا بہت آیا صبح سب اپنے اپنے تجربے بتا کر قہقہے لگا رہے تھے، مسکراہٹیں بکھیر رہے تھے۔

اقصیٰ امان.....کوئلہ جام بھکر

1۔ چاند رات کو جاتی تو کہیں نہیں، بس اپنے اور گھر والوں کے کپڑے پریس کرتی ہوں۔ محلہ سے بچیاں مہندی لگوانے آجاتی ہیں تو ان کو مہندی لگاتے لگاتے ہی کافی ٹائم ہوجاتا ہے ویسے بھی یہ لیلۃ الجائزہ کی رات ہوتی تو نماز پڑھ کر نفل وغیرہ پڑھتی ہوں، پھر سو جاتی ہوں۔

عید کے روز صبح جلدی اٹھ جاتی ہوں، عید کا دن گہما گہمی کا دن ہوتا ہے، صبح صبح صفائی کرلیتی ہوں۔ چچی سویاں بناتی ہیں، وہ کھا کر مرد حضرات تیار ہوکر نماز عید پڑھنے جاتے ہیں اور ہم بھی تیار ہوجاتے ہیں۔ گھر میں عید ملتے ہیں پھر پڑوسیوں کے گھر، پھوپھو، ماموں وغیرہ کا گھر بھی پاس ہی ہے، ان کو عید ملنے جاتی ہوں۔ ماموں، چاچو، ابو اور اسد بھائی سے عیدی وصول کرتی ہوں۔ باجی سمیہ پلاؤ بناتی ہیں، وہ سب کھاتے ہیں (ویسے اس مرتبہ شائستہ نے بنانے کا ذمہ لیا ہے کیونکہ اللہ پاک نے سمیہ باجی کو کیوٹ سی گڑیا کی مما بنایا ہے تو میجر آپریشن کی وجہ سے وہ تو کام کرنے سے رہی۔ اس لیے اس بار شائستہ کا بنا بدمزا کھانا کھانا پڑے گا یا خود ہمت کرکے بنانا) اس دوران مہمانوں کی آمد و رفت بھی جاری رہتی ہے جو شام تک ہوتی ہے۔ عید کے دن باجی ثمینہ کے گھر جانے کا پلان ہمیشہ رہ جاتا ہے کیونکہ بھائی کو فرصت ہی نہیں ملتی، لو جی ہوگیا اختتام۔

2۔ جی بالکل، پچھلے سال ہوا ہے۔ فواد چوہدری اور مفتیوں کے رولے کے درمیان، ہم عید کے ہونے سے مایوس ہی ہوچکے تھے کہ اچانک چاند کا اعلان ہوگیا۔ بہت سرپرائزنگ سی کیفیت تھی، جلدی سے اٹھ کر کپڑے پریس کیے۔ فیصل (بھائی) کو مہندی لینے بھیجا، خود مہندی لگائی۔ شائستہ جو میری ہونے والی بھابھی اور سویٹ کزن بھی ہے، اسے مہندی لگائی۔ اسی چکر میں بارہ بج گئے پھر جو سوئیں تو صبح جاگیں۔

☆

www.pklibrary.com

1۔ اصلی نام؟
"زباب رانا، میرا یہ نام میرے والد کے قریبی دوست نے رکھا۔"
2۔ نام کے معنی؟
"شہد کی مکھی۔"
3۔ نام بگڑا؟
"نہیں......سب مجھے زباب ہی کہتے ہیں، یا زوبی کہہ دیتے ہیں۔"
4۔ تاریخ پیدائش/شہر؟
"لاہور میں پیدا ہوئی اور 3 جون 1988ء میرا جنم دن یعنی تاریخ اور سال ہے۔"
5۔ بہن بھائی، آپ کا نمبر؟
"ہم دو بہنیں اور ایک بھائی ہیں۔ میں گھر میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی ہوں۔"

تھیٹر، فلم اور ٹی وی کی فنکارہ

زباب رانا سے باتیں

شاہین رشید

6۔ ستارہ؟
"3 جون کے حساب سے جیمنائی (جوزا) ہے۔"
7۔ تعلیمی قابلیت؟
"بی اے آنرز کی طالبہ ہوں۔"
8۔ آپ کی نظر میں تعلیم کی اہمیت؟
"بہت زیادہ ہے، میرے خیال میں جب تک اچھی تعلیم نہیں ہوگی دنیا میں اعلا مقام نہیں ملے گا۔"
9۔ بچپن کی ایک بات جو یاد ہے؟
"ایک بات نہیں کئی باتیں۔ بلکہ بچپن تو ہوتا ہی ٹینشن فری ہے۔ نہ روک ٹوک، جب دل چاہا، سو گئے جب دل چاہا اٹھ گئے۔ مزے کا دور ہوتا ہے بچپن کا۔"
10۔ گھر میں کس سے متاثر ہو کر فیلڈ میں آئیں؟
"میرے علاوہ گھر میں کوئی بھی اس فیلڈ میں نہیں ہے۔"
11۔ شادی؟
"جب کوئی میرے مطلب کا لڑکا مجھے مل جائے گا شادی کرلوں گی۔"
12۔ ٹی وی میں آمد؟
"ماڈلنگ کے ذریعے ہوئی اور بس حادثاتی طور پر ہی اس فیلڈ میں آگئی۔ اداکاری کا جنون تھا۔"
13۔ پہلا ڈراما؟ وجہ شہرت؟
"پہلا ڈراما نصیبوں جلی تھا۔ اور وجہ شہرت بھی یہی ڈراما بنا۔ یہ سوپ تھا، جو ہم نیٹ ورک سے پیش کیا گیا تھا۔"
14۔ پہلی کمائی؟ کہاں خرچ کی؟
"پہلی کمائی دس ہزار تھی اور یہ سارے پیسے میں نے اپنے اوپر ہی خرچ کیے۔"

www.pklibrary.com

15۔ فضول خرچ ہیں؟

''اس وقت جب پیسوں کی ریل پیل ہو..... اور جب جیب میں کم پیسے ہوں تو پھر سوچ سمجھ کر خرچ کرتی ہوں۔''

16۔ پہلا چیک ملنے پر تاثرات؟

''ایسا لگا جیسے دس ہزار نہیں لاکھوں کا چیک مل گیا ہو۔''

17۔ فیلڈ سے وابستہ ہوئے کتنے سال ہوگئے؟

''صرف دو سال، بہت لکی ہوں کہ دو سال میں ہی اتنی شہرت مل گئی۔''

18۔ امید تھی کہ شہرت مل جائے گی؟

''امید کے ساتھ ہی کام کا آغاز کرتی ہوں، تب ہی اللہ امیدیں پوری بھی کر دیتا ہے۔''

19۔ آپ کے ڈراموں کی تعداد؟ دو سال میں کتنے ڈرامے کیے؟

''چار پانچ کر چکی ہوں۔ ''نصیبوں جلی''، ''میرے خدایا''، ''بندش''، ''رشتے بکتے ہیں'' اور ''محبوب آپ کے قدموں میں۔''

21۔ کیا آرٹسٹ پیدائشی ہوتا ہے؟

''بالکل جی..... اور کام کر کے وہ نکھر جاتا ہے۔ میں نے کسی اکیڈمی سے کوئی ٹریننگ حاصل نہیں کی۔''

22۔ ماضی کے وہ فن کار جن سے آپ متاثر ہیں؟

''بہت ہیں، بلکہ سب ہی ہیں۔ ندیم شبنم، وحید مراد، زیبا، محمد علی، دلیپ کمار وغیرہ وغیرہ۔''

23۔ ڈراموں کی کوئی قابل ذکر بات؟

''ایک سیریل چلا تھا ''بندش'' اب اس کا سیزن ٹو تیار ہو رہا ہے۔''

25۔ کبھی ایوارڈ کے لیے نامزد ہوئیں؟

''جی ..... جی بالکل..... ڈرامہ سیریل ''میرے خدایا'' میں بہترین پرفارمنس پر ''لکس ایوارڈ'' کے لیے نامزد ہوئی تھی۔''

26۔ اداکاری، ماڈلنگ، فیشن فوٹو گرافی کیا پسند ہیں؟

''اداکاری میرا جنون ہے، اسے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی، ماڈلنگ اور فیشن شوٹ کے لیے انکار نہیں کر سکتی۔''

27۔ شوبز میں سب کچھ آسانی سے ملا؟

''ہرگز نہیں..... شروع میں کافی مشکلات دیکھیں، ماحول نیا تھا اس لیے ایڈجسٹ ہونے میں مشکل پیش آئی.....''

28۔ فیلڈ میں آنے پر گھر والوں کا ردعمل؟

''کچھ بھی نہیں..... نہ خوش ہیں نہ ناراض، بس نارمل ہیں۔''

29۔ آپ کی فیوچر پلاننگ؟

''بہت دور کی نہیں سوچتی۔ جہاں قسمت لے جائے گی وہی منزل ہوگی۔ یہاں تو اگلے لمحے کا نہیں پتا کہ کیا ہو جائے؟

30۔ اداکاری میں آپ کا خواب؟

''بہت آگے تک اور بہت اچھی نامور فنکارہ بننا چاہتی ہوں۔''

30۔ آپ کے ڈراموں پر تنقید اور تعریف کون کرتا ہے گھر والے یا باہر والے؟

''گھر والے؟ وہ تو میرے ڈرامے دیکھتے ہی نہیں تو تعریف یا تنقید کیا کریں گے، تعریف اور تنقید باہر سے ہی ملتی ہے۔

31۔ اپنے ڈرامے دیکھ کر کیا سوچتی ہیں؟

''یہی کہ کہاں اچھا پرفارم کیا کہاں برا..... بہت تنقیدی نگاہ سے اپنے آپ کو دیکھتی ہوں۔''

32۔ ایک اچھی پرفارمر بننے کے لیے کیا ضروری ہے؟

''کہ اپنے آپ کو ہمیشہ تنقیدی نگاہ سے دیکھیں۔ دوسروں کی تنقید کو صبر کے ساتھ برداشت کریں۔ اور تنقید کا برا نہ مانیں۔ بشرطیکہ تنقید مثبت ہو۔''

33۔ سالگرہ اہتمام سے مناتی ہیں؟

www.pklibrary.com

''اہتمام سے؟ میں تو سالگرہ مناتی ہی نہیں اور نہ ہی کسی کو میری سالگرہ منانے کا شوق ہے۔''

34۔ چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہیں؟

''زیادہ تر گھر پر رہتی ہوں۔ اور فیملی کے ساتھ وقت گزارنا پسند کرتی ہوں۔''

35۔ ادب سے لگاؤ؟

''ادب بہت پسند ہے، ادبی کتابیں زیر مطالعہ رہتی ہیں میرے۔''

36۔ پسندیدہ شاعر ادیب؟

''شاعر اور ادیب مرزا غالب، اور جون ایلیا بہت پسند ہیں۔ ویسے مجھے تمام معروف شاعر و ادیب پسند ہیں۔''

37۔ ڈرامے کے سیٹ پر انجوائے کرتی ہیں؟

''نہیں..... میں کام کے لیے آتی ہوں، اس لیے میری ساری توجہ کام پر مرکوز رہتی ہے۔ انسان کو اپنے کام پر ہی فوکس رہنا چاہیے۔''

38۔ آپ کی ڈیلی روٹین؟

''جم جانا اور شوٹ پر جانا..... آج کل تو یہی ڈیلی روٹین ہے۔''

39۔ آپ کا سورج کب طلوع ہوتا ہے؟

''عموماً ''دوپہر'' کو۔''

40۔ فرصت کے اوقات میں کیا کرتی ہیں؟

''آج کل تو اتنی زیادہ مصروف ہوں کہ کچھ کرنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ فارغ اوقات میں دل چاہتا ہے سو جاؤں اور اپنی نیند پوری کرلوں۔''

41۔ لمبی چھٹیاں کہاں گزارنا پسند کرتی ہیں؟

''اول تو لمبی چھٹیاں ملتی نہیں ہیں۔ مل جائیں یعنی جب کبھی مل جائیں گی تو پھر 'دنیا'' گھوموں گی۔''

42۔ پڑھاکو تھیں بچپن میں؟

''ہرگز نہیں..... بالکل بھی شوق نہیں تھا بچپن میں پڑھنے کا۔''

43۔ اللہ سے کوئی شکوہ؟

''نہیں نہیں..... بالکل نہیں..... اللہ تعالیٰ نے مجھے میری خواہشات سے بڑھ کر دیا ہے۔

44۔ ایک خواہش جو حسرت بن گئی ہو؟

''ابھی تک تو ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔ فیوچر کا پتا نہیں کہ کیا ہو۔''

45۔ کس ملک میں مستقل قیام کی خواہش ہے؟

''کہیں نہیں..... مجھے اپنے وطن سے بہت پیار ہے۔ یہی ہماری پہچان ہے۔''

46۔ کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟

''پتا نہیں..... آج کل تو دو چار دن کسی کے ساتھ بیٹھ جاؤ ہنس کر بات کرلو، تو سمجھتے ہیں کہ محبت ہوگئی ہے۔''

47۔ کبھی بیرون ملک جانے کا اتفاق ہوا؟

''جی..... جی بالکل ہوا..... میں یو اے ای (امارات) امریکا اور یورپ کے کافی ممالک گھوم چکی ہوں۔''

48۔ میں ڈرتی نہیں ہوں؟

'سچی اور کھری بات کہنے سے۔''

49۔ پاکستانی فلمیں جو پسند آئیں؟

''اب تو سب ہی فلمیں بہت اچھی بن رہی ہیں اور میں بڑے شوق سے دیکھتی بھی ہوں۔'' جوانی پھر نہیں آنی۔'' اور ''باجی'' مجھے بہت پسند آئیں۔''

www.pklibrary.com

50۔کوکنگ سے کتنا لگاؤ ہے؟
"کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ ٹائم ہی نہیں ملتا، اور دلچسپی بھی نہیں ہے۔ ویسے انڈافرائی کرلیتی ہوں۔"
51۔غصہ آتا ہے؟
اس وقت جب لوگوں سے وابستہ میری توقعات پوری نہیں ہوتیں۔
52۔غصہ کس پر اترتا ہے؟
"اپنے آپ پر۔"
53۔غصے میں ردعمل؟
"روتی ہوں بہت..... بولنے کی عادت نہیں ہے، اس طرح جی ہلکا کرتی ہوں۔"
54۔صحیح مشورہ کون دیتا ہے؟ دل یا دماغ؟
"مشورہ تو دونوں ہی اچھا دیتے ہیں، مگر میں مانتی بھی اپنے دماغ کی ہوں، دل کی نہیں مانتی۔"
55۔کبھی کرائسس میں وقت گزارا؟
"بہت..... جب میری خواہش تھی کہ میں ٹی وی اور شوبز میں آؤں تو سب نے بہت مخالفت کی..... بڑا مشکل وقت تھا۔"
56۔مذہب سے لگاؤ؟
"بہت ہے، نماز روزے کی پابند ہوں اور کرائسس میں تو اللہ کے بہت نزدیک ہوجاتی ہوں۔"
57۔کوئی مسئلہ نہ سلجھ رہا ہو تو؟
"تو پھر تھک ہار کر سارے معاملات اللہ کے سپرد کر دیتی ہوں۔"
58۔فیشن سے لگاؤ؟
کافی لگاؤ ہے اور فیشن کے ساتھ ساتھ چلتی ہوں کہ یہ ضروری بھی ہے اور مجھے شوق بھی ہے۔
59۔ایک نصیحت جو اس فیلڈ کے لوگوں کے لیے؟
"جدوجہد جاری رکھیں ایک دن آئے گا جب آپ کامیاب ہوجائیں گے۔ کیونکہ جدوجہد کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔"
60۔ہالی وڈ، بالی وڈ، یالالی وڈ کہاں کام کرنے کی خواہش ہے؟
"ابھی بات اتنی آگے نہیں بڑھی ابھی تو ٹی وی انڈسٹری میں قدم رکھا ہے۔ قدم جم جائیں تو پھر آگے کا سوچوں گی۔"
61۔گھر میں زیادہ پیار کس سے ملا؟
"امی سے ..... اور میں بھی اپنی امی کے بہت قریب ہوں۔ ابا اپنی زمینوں میں مصروف رہتے ہیں..... اس لیے وہ ہمیں زیادہ وقت نہیں دے پاتے۔"
62۔پسندیدہ گلوکار/گلوکارہ؟
"سب ہی اچھے ہیں مگر پھر بھی نصرت فتح علی خان، راحت فتح علی خان، عاطف اسلم مجھے بے حد پسند ہیں۔"
63۔کس قسم کا میوزک پسند ہے؟
"مجھے سوفٹ میوزک بھی پسند ہے اور رومانٹک میوزک بھی بس سب کا انحصار موڈ پر ہے۔"
64۔فیلڈ میں آکر کیا تبدیلی آئی؟
"بہت تبدیلی آئی ہے، پہلے سے زیادہ میچور ہوگئی ہوں۔ اور قدم سنبھال کر چلتی ہوں۔"
65۔آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟
"ابھی ایسا کچھ نہیں سوچا..... ابھی عروج نہیں ملا، جب ملے گا تو سوچوں گی۔"

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ	قیمت
بساط دل	آمنہ ریاض	500/-
زرد موسم	راحت جبیں	600/-
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان	500/-
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان	200/-
شہر دل کے دروازے	شازیہ چودھری	400/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چودھری	250/-

www.pklibrary.com

پتا نہیں کیوں کچھ عرصے سے دل چاہ رہا ہے کہ اپنے سینئرز فنکاروں سے انٹرویو کروں تاکہ ہماری نئی نسل کو معلوم ہو کہ 80 اور 90 کے دور میں جب کوئی اکیڈمی نہیں تھی فنکاروں کے لیے، اس وقت بھی لوگ کتنا اچھا پرفارم کرتے تھے ..... اور انہیں کتنا احساس تھا کہ گلیمر کے ذریعے نہیں بلکہ اپنے ٹیلنٹ کے ذریعے ناظرین کو متاثر کرنا ہے۔

اب تو یہ حال ہے کہ اکیڈیمز ہونے کے باوجود ویسی پرفارمنس دکھائی نہیں دیتی جیسے پہلے ہوتی تھی۔ لالچ اور گلیمر ان کے دل و دماغ میں سرائیت کر چکا ہے۔ آج کسی نئے فنکار سے انٹرویو کی بات کرو تو پوچھا جاتا ہے، آپ ہمیں انٹرویو کے کتنے پیسے دیں گی۔

مَاضی کی اَداکارہ

نیلوفر علیم سے مُلاقات

شاہین رشید

خیر اس بار ہمارا انتخاب ''نیلوفر عباسی'' ہیں جنہیں پرانی نسل ''شہہ زوری'' اور نئی نسل ''لیجنڈ'' کے حوالے سے جانتی ہے۔ لیجنڈ نے کیا کیا کام کیے کوئی نہیں جانتا (نئی نسل کی بات کر رہی ہوں) تو سوچا کہ کچھ پرانی یادیں تازہ کریں اور نئی نسل کو بھی بتائیں کہ نیلوفر عباسی کتنی اچھی اور باصلاحیت فنکارہ تھیں۔

''کیسے مزاج ہیں؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''آج کل بلکہ آپ کا مستقل قیام کہاں ہے۔ اپنے ملک میں یا ملک سے باہر اور کیا مصروفیات ہیں؟''

''میں گزشتہ بیس سالوں سے امریکہ کے شہر (ٹیکساس) ڈیلس میں ہوتی ہوں..... میرے بچے نیویارک اور ڈیلس میں ہوتے ہیں اور میں ان کے درمیان..... آج کل کووڈ کی وجہ سے سفر نہیں کر پا رہی تو ڈیلس میں رہتی ہوں..... اور چونکہ آج کل کہیں آنا جانا نہیں ہوتا تو مصروفیات بھی محدود ہو کے رہ گئی ہیں۔ اس لیے لکھنے پڑھنے میں اور اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزر رہا ہے۔

بچے اپنی شرارتوں اور معصوم حرکتوں سے بور نہیں ہونے دیتے ..... اور کووڈ نے جہاں تباہی مچا رکھی ہے وہیں خواتین کو سگھڑ بھی بنا دیا ہے۔ باہر کے ہوٹلز اور ریسٹورنٹ بند ہیں لہٰذا کھانا گھر پر ہی پکتا ہے..... نت نئی تراکیب آزمائی جاتی ہیں..... اور وہ ''دال'' جو برسوں سے ایک ہی طریقے سے پکتی تھی اس پر نت نئی تراکیب آزمائی جاتی ہیں تو گھر میں دن رات الحمد للہ بہت اچھے گزر رہے ہیں۔''

www.pklibrary.com

''اپنے بچوں کے بارے میں بتایئے؟''

''ماشاء اللہ سے میرے تین بچے ہیں۔ دو بیٹیاں ثوبیہ اور ماریہ اور ایک بیٹا وجاہت۔ ثوبیہ کے شوہر ذکاالرحمن نیویارک اسٹیٹ میں سیٹلائیٹ انجینئر ہیں..... ماریہ کے شوہر انصب خان الیکٹریکل انجینئر ہیں اور نیویارک کی ایک کمپنی میں سینئر منیجر ہیں.....

ثوبیہ کے دو بچے ہیں بڑا بیٹا تیمور ہائی اسکول میں ہے اور بیٹی ''سرنیا'' مڈل اسکول میں ..... اور ''ماریہ'' کا بیٹا محمد فیض خان اب کلاس ون میں جائے گا۔

اور میرے بیٹے کا نام جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ وجاہت علی عباسی ہے اور کمپیوٹر انجینئر ہے وہ بھی نیویارک اسٹیٹ میں کام کرتا ..... اور اپنا بزنس بھی کرتا ہے..... میری بہو کا نام ارج ہے اور قمر علی عباسی صاحب کہا کرتے تھے کہ ارج ہماری تیسری بیٹی ہے اور ماشاء اللہ سے میرے دو پوتے اور ایک پوتی ہے۔ بڑا پوتا شان ماشاء اللہ مڈل اسکول میں ہے۔ دوسرا شاہ زین گریڈ 5th میں اور پوتی ''آمنہ'' ایلیمنٹری میں ہے۔ سب مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں بہت زیادہ خیال بھی رکھتے ہیں۔''

''قمر علی عباسی کے بعد زندگی کس طرح گزر رہی ہے اور کب ان کی بہت زیادہ یاد آتی ہے اور کمی محسوس ہوتی ہے؟''

''قمر علی عباسی کا نہ ہونا ایک بہت بڑا خلا ہے میری زندگی میں اور جب یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اب ہمارے درمیان نہیں ہیں تو ہر خوشی پھیکی پڑ جاتی ہے..... قمر علی عباسی دوستوں کی طرح تھے۔ ایس بی جان کا ایک گانا جو بہت مشہور ہوا تھا کہ

تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
یہ مانا کہ محفل جواں ہے حسین ہے

تو سمجھ لیں کہ کوئی محفل ہو، کوئی تقریب ہو، بس ایسا ہی لگتا ہے کہ تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''قمر علی عباسی کی رفاقت میں کتنے سال گزرے؟ کیسے تھے مزاج کے عادت کے؟''

''ہماری شادی شدہ زندگی 39 سال پر محیط رہی۔ بہت خوش مزاج تھے اور رہ وقت نت نئے شگوفے چھوڑتا ان کی عادت تھی۔ بقول ان کے دوست رضوان صدیقی کے کہ ''قمر تم تو ہر وقت'' جملہ بکف رہتے ہو'' بس ان کے بعد تو ہر خوشی، ادھوری محسوس ہوتی ہے۔ ان کی موجودگی میں ہر موسم موسم بہار تھا۔ بذلہ سنج ایسے کہ ایسی حسن مزاح قدرت نے بہت کم لوگوں کو عطا کی تھی..... جس محفل میں ہوتے چھا جاتے تھے۔ لوگوں سے محبت کرتے تھے ان سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ طرح طرح کے کھانے ٹرائی کرنے کے شوقین تھے ..... کھاتے بھی تھے اور کھلاتے بھی تھے۔

ان کا ریڈیو پاکستان ایم اے جناح روڈ پر تھا اور اس کی بیک پر بزنس روڈ جہاں طرح طرح کے کھانے ملتے تھے..... ان کے ساتھ لنچ پر سات آٹھ افراد تو ضرور ہی ہوتے تھے نیویارک آ کر بھی یہی حال تھا..... اور کام کے وقت بے حد سنجیدہ ہوتے تھے۔

حیرت انگیز طور پر ایک وقت میں دس مختلف نوعیت کے کام انجام دیتے تھے اور کسی میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے مکمل اور غلطیوں سے پاک ان کا کام ہوتا تھا..... تو جب ایسے باغ و بہار اور مکمل انسان کا ساتھ چھوٹ جائے تو زندگی کتنی بے معنی ہو جاتی ہے..... مگر الحمدللہ میرے بچوں نے مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ دیا..... میرے اردگرد بھی بہت اچھے لوگ ہیں..... اور پھر سچ پوچھیں کہ آپ کا سوال کہ ''زندگی گزر رہی ہے یا زندگی گزار رہی ہیں'' کے جواب میں بے اختیار استاد ذوق کا یہ شعر یاد آ گیا کہ

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بقیہ صفحہ نمبر 250

www.pklibrary.com

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ھیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ بہت سے علاقے لاک ڈاؤن کی زد میں ہیں جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔ ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو مارچ یا جون کا پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/70 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ھے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بنک اکائنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 03172266944 میں رقم بھیج کر سکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ 840 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام ''عمران ڈائجسٹ، اکاونٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030'' کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہوا گر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہوا تو 500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک 500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ 18,000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا 20,500 روپے،

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس اپ نمبر 03172266944 پر رابطہ کریں

www.pklibrary.com

عفت سحر طاہر

رنگ دے تیرے

ہائی وے پر ٹرالر اور کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ٹرالر کا ڈرائیور بھاگ جاتا ہے، کار بری طرح پچک جاتی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد اور اگلی نشست پر ہی بیٹھی عورت خون میں لت پت ہیں۔ ریسکیو عملے کا انتظار ہے کہ وہ آئے تو گاڑی کی باڈی کاٹ کر لاشیں نکالی جائیں اسی وقت گاڑی سے ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔

ہاسپٹل میں چار لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہیں نرس باہر آ کر کہتی ہے آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

سرخ پھولوں سے سجی گاڑی پوش ایریا کے ایک بنگلے کے آگے رکتی ہے تو۔ دولہا کی ماں ملازمہ سے کہتی ہے کہ دلہن کو لے کر اندر آؤ۔ ملازمہ دلہن کو بیڈ روم میں بٹھا کر جانے لگتی ہے تو دلہن اس سے سر درد کی گولی مانگتی ہے۔ ملازمہ کہتی ہے کہ چائے بھی لے آؤں۔

دولہا کمرے میں آتا ہے۔ تو وہ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بچی کو لے کر آتا ہے کہ اس کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔

نرمین کو ہواؤں میں اڑنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے حریم اس کی چھوٹی بہن اسے سمجھاتی ہے۔

نرمین کی سہیلی سجل کہتی ہے کہ تمہیں عباد وسیم پوچھ رہا تھا۔

نرمین اپنی دوست صوما کی سالگرہ میں جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اس کی اماں کو اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان لڑکی آدھی رات کو سالگرہ میں سے واپس آئے گی تو محلے والے کیا کہیں گے۔ اس کے اصرار پر ابا سے جانے کی اجازت

www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

دے دیتے ہیں لیکن اس کی اماں ناراض ہی رہتی ہیں۔

زمین صوما کی سالگرہ کی تقریب میں (جو کہ شمیم پرتھی) گھر سے تیار ہو کے نہیں جاتی بلکہ بجل کے گھر سے تیار ہو کر جاتی ہے۔ راستے میں بجل رانا سعید سے عباد وسیم کے متعلق بات کرتی ہے کہ رانا سعید عباد کا دوست ہے وہ عباد سے زمین کی دوستی کرادے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی دوست کو بربادی کے راستے پر مت ڈالو۔ پارٹی میں زمین کی عباد سے ملاقات ہوتی ہے لیکن وہ یمنیٰ الطاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگلی ملاقات میں بجل بتاتی ہے کہ عباد وسیم، رانا سعید سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔ زمین بے یقین ہوتی ہے۔

وہ اپنے حواس میں نہیں تھی فیملی ڈاکٹر فریحہ کی ولیمے کی صبح اس کا چیک کرنے آیا تو اس نے کہا کہ شاکڈ اور ڈپریسڈ ہیں۔ میڈیسن دیں آرام کرائیں شام تک بہتر ہو جائیں گی۔

بجل زمین کو آفس کے بعد لے کر کلب آجاتی ہے زمین کا موڈ آف ہے۔ وہاں ان کی ملاقات عباد وسیم سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان رکھائی سے بات چیت ہوتی ہے۔ عباد وسیم ان کے جوس کا بل ادا کر دیتا ہے۔ زمین کو برا لگتا ہے۔

نصرت زلفی کو کہتی ہیں کہ اٹھ کر دکان پر چلا جا لیکن وہ نہیں سنتا۔ وہ زمین کی ہم راہی کا خواب دیکھتا ہے نصرت کہتی ہیں کہ وہ پڑھی لکھی لڑکی تجھ سے شادی سے انکار کر دے گی۔ زلفی کہتا ہے کہ وہ میرے بچپن کی منگ ہے۔

زمین کے پاس چھٹی والے دن عباد کا فون آتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دن گزارنا چاہتا ہے۔ زمین، بجل کے گھر کا بہانہ کر کے اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کرتی ہے۔

عباد وسیم کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر زمین خوشی خوشی گھر لوٹ آتی ہے۔ زمین کو اس کی کھوجتی چمکتی آنکھوں کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔

زمین کی غیر موجودگی میں اماں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ حریم ابا کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے زمین کو فون کرتی ہے، فون بند ہونے کی صورت میں وہ تھک ہار کر بجل کے نمبر پہ کال کرتی ہے، اسے مبارک باد دیتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہے کہ کس چیز کی مبارک باد اور اپنے گھر میں صبح سے کپڑے دھونے کی مظلومیت کا رونا روتی ہے۔ حریم پریشان ہو جاتی ہے۔ ابا آجاتے ہیں وہ اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔

زمین کے آنے پر حریم اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں تھی، زمین سچ اسے بتا دیتی ہے۔

عباد وسیم، رانا سے ملتا ہے تو زمین کی بات ہوتی ہے، رانا کہتا ہے کہ وہ شریف گھرانے کی ہے اس کو بخش دے۔ عباد ہنسنے لگتا ہے۔

مائرہ صبح صبح پھپھو کے گھر پہنچتی ہے جہاں عباد وسیم اور نزہت ناشتہ کر رہے ہیں۔ مائرہ اور نزہت کی معنی خیز باتوں سے انجان بنتا عباد وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

حریم بے ساختہ میرب کو پیار کرتی ہے، وہ گھبرا جاتی ہے۔

نزہت گھر واپسی پر حریم کو کہتی ہیں کہ وہ میرب کے سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کریں گی۔

حریم عباد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کے شوروم تک آجاتی ہے عباد اسے دھمکاتا ہے وہ اس سے کہتی ہے کہ تم خراب کیریکٹر کے ہو۔ میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔ زمین پتا چلنے پر ناراض ہوتی ہے اور عباد سے معذرت کرتی ہے وہ معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مارک ڈینیل کو بتاتا ہے کہ اس کی مسلمان لڑکے سے دوستی ہے۔ نصرت پھپھو تاریخ طے کرنے کے لیے مٹھائی اور شادی شدہ بیٹی کو لے کر آتی ہیں۔ زمین گھر میں نہیں ہوتی۔

حریم کو وہ اس کے گھر لے کر آتا ہے اماں اور طوبیٰ بہت خوش ہوتی ہیں لیکن ابا کے آنے سے پہلے اسے جانے کا کہتی ہیں۔

عباد کی برتھ ڈے کے موقع پر عباد زمین کو اپنے فلیٹ پر تنہا بلاتا ہے، وہاں جانے کے بعد زمین کو باپ کی بات یاد آتی ہے کہ دو نامحرموں کے بیچ تیسرا ہمیشہ شیطان ہوتا ہے۔

عباد زمین کو اپنے فلیٹ پر بلاتا ہے۔ اس کے قریب آنے پر وہ وہاں سے واپس آجاتی ہے۔ عبد کی پرکھ کہ وہ پورا اترتی ہے۔ ادھر نصرت پھپھو تاریخ لینے آجاتی ہیں۔ اماں اور حریم کے پوچھنے پر زمین شادی کی ہامی بھر لیتی

www.pklibrary.com

ہے۔ نصرت پھپھو اور زلفی خوش ہو جاتے ہیں۔ سجل فون کر کے نرمین کو لاتی ہے۔ وہاں عباد وسیم موجود ہوتا ہے اور اسے پرپوز کرتا ہے۔ نرمین خوشی خوشی گھر آتی ہے۔

رات میں حریم نریم سے کہتی ہے کہ شادی کا کارڈ پسند کرلو۔ وہ کہتی ہے پہلے لڑکا تو پسند کرلیں۔ پھر اسے بتاتی ہے کہ عباد وسیم نے اسے پرپوز کیا ہے۔ دروازے میں کھڑی اماں یہ سن کر بے سدھ ہو کر گر پڑتی ہیں۔

سجل کے سمجھانے پر حریم کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے، اس نے اپنی زندگی کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ حالات کو انتہا پر آتے دیکھ کر حریم شوہر سے کہتی ہے کہ وہ میرب سے دور نہیں رہ سکتی۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اسے آخری چانس دے رہا ہے، اس کے بعد اسے یہاں سے جانا پڑے گا۔

وہ میرب کے لیے شاپنگ کا کہتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آؤٹ لیٹ پر آجاتا۔ زیاد واپس پہنچتا ہے تو کیتھی کی ساتھی ویٹرس اسے بتاتی ہے کہ اس کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔

زیاد کیتھی کو بتاتا ہے کہ اس کے بھائی نے پسند کی شادی کرلی ہے اور ماں باپ نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اور بھائی کی منگیتر اس کے سر منڈھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں۔

پال کیتھی سے کہتا ہے کہ اسے اب مارک کے مستقبل کی پلاننگ کرنی چاہیے۔ وہ اکتا کر وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔

مارک اس سے راستے میں معافی مانگتا ہے، کیتھی کے انکار پر ثبوت ملنے کا کہتا ہے۔

کیتھی زیاد سے کہتی ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ عباد ماں باپ سے معافی مانگ کر گھر واپس آنے کا کہتا ہے۔

مائرہ، حریم کو آؤٹ لیٹ پر دیکھ کر برہم ہو جاتی ہے۔ نزہت بھی اس پر ناراض ہوتی ہے۔ حریم میرب کو لے کر اپنے والدین کے گھر آتی ہے۔

پندرہویں قسط

راستوں کی مرضی ہے
بے زمین لوگوں کو
بدنصیب قدموں کو
جس طرف بھی لے جائیں
راستوں کی مرضی ہے

''یہ میرے شوہر کی بیٹی ہے۔''

حریم نے پرسکون انداز میں مسکرا کر بتایا تو اماں ساکت سی اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔ کچھ ایسا ہی حال میرب کو چٹا چٹ پیار کرتی طوبیٰ کا بھی تھا۔ بچی کا پیارا ہونا اپنی جگہ لیکن یہ جان کر کہ وہ اس کے شوہر کی بیٹی ہے، طوبیٰ نے بے اختیار اسے گود سے نیچے اتارا۔

''یہ سوکن کی بیٹی ہے تمہاری..... شادی شدہ ہے تمہارا شوہر؟'' اماں بدکیں۔

''سب ہی کے شوہر شادی شدہ ہوتے ہیں اماں!'' حریم نے ہنس کر بشاشت سے کہتے ہوئے میرب کو گود میں لیا اور اماں کے پاس چارپائی پہ بیٹھ گئی۔

''سوکن بھی ہے تمہاری..... مطلب..... اس کی ماں؟'' اماں دم بخود تھیں۔ رشتہ مانگتے وقت نزہت نے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا تھا۔

www.pklibrary.com

''نہیں اماں! ماں نہیں ہے اس کی۔'' حریم نے قدرے توقف سے جواب دیا۔ اس کا دل کسی نے مٹھی میں بھینچا۔ اس کا دل چاہا کہ اماں سے لپٹ کر نرمین کو خوب روئے۔ انہیں بتائے کہ میرب کوئی غیر نہیں ان کی سب سے پیاری بیٹی کے دل کا ٹکڑا ہے۔

''چلو..... یہ بھی اچھا ہوا۔ زندہ ہوتی تو تمہارے لیے ہی مشکل بنتی۔'' اماں کے اگلے جملے نے حریم کو شاکڈ کر دیا۔ نادانستگی میں وہ اپنی ہی بیٹی کی موت کا شکر منا رہی تھیں۔

''ایسے مت کہیں اماں!'' وہ تکلیف کے حصار میں گھری بے اختیار انہیں ٹوک گئی۔

''ہائے..... تو کیا سوکن برداشت تھی تمہیں؟'' اماں نے اسے گھورا۔

''وہ زندہ ہوتی تو یہ شادی ہی نہ ہوتی اماں!'' حریم نے آنسو پیتے ہوئے پھیکی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائی۔

''اچھا..... تو بچی کے لیے شادی کی ہے اس نے۔'' اماں نے بغور اسے دیکھا۔

''جی اماں!''

''تو وہ پسند کی شادی کا قصہ؟'' اماں جتانے لگی تھیں جب گھبرا کر حریم نے انہیں ٹوک دیا۔

''اس وقت یہ سب باتیں مت کریں اماں! زندگی جس ڈگر پہ چل نکلی ہے، اسے لڑکھڑاتے ہوئے سنبھلنے دیں اب۔'' وہ ملتجیانہ بولی پھر رک کر توقف سے کہا۔ ''میں بھی یہی کر رہی ہوں اماں! زندگی کے بگڑے زاویوں کو سیدھا کرنے کی کوشش۔''

''خوش ہو؟'' اماں نے کئی لمحوں کی گہری چپ کے بعد پوچھا تو حریم کو اس سوال کے جواب کے لیے اپنا آپ اندر سے ٹٹولنا پڑا۔

''ابھی تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا اماں! پہلے غصہ تھا حالات پہ..... اپنے لیے خود ترسی تھی۔ اب وہ نہیں ہیں، نہ غصہ نہ خود ترسی۔ ہاں لیکن خوشی نہیں ملی دل کو ابھی تک۔'' حریم بے ساختہ بول گئی پھر خفیف سا ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

''مجھے تمہارے حالات کا تو نہیں پتا، لیکن میں نے تمہارے ابا سے یہ ضرور کہا ہے کہ حریم اور نرمین کے حالات میں بہت فرق تھا۔'' اماں نے مدھم لہجے میں کہا تو حریم نے بے چینی سے پوچھا۔

''پھر..... ابا نے کیا کہا؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے گہری سانس بھری حریم مایوس ہوئی تو انہوں نے قصداً مسکرا کر کہا۔

''لیکن ان کا کچھ نہ کہنا ہی اس بات کی نشانی ہے کہ ان کی ناراضی میں تمہارے لیے وہ شدت نہیں جو مینو کے لیے ہے۔''

''مینو کو بھی معاف کر دیں اماں!'' حریم کی آنکھیں بھر آئیں۔

''اپنی زندگی سے اسے نکال دیا۔ جا کر اس کا گریبان نہیں پکڑا..... اسے مار نہیں ڈالا..... معاف کرنا اور کسے کہتے ہیں؟'' اماں کی آنکھیں لال ہونے لگیں جیسے آنسو ضبط کر رہی ہوں۔

''ایسے نہیں اماں! اس کے کیے کو معاف کر دیں۔ اللہ سے اس کے لیے دعا کیا کریں دل سے۔''

''دل چھوڑا ہی کہاں ہے اس نے۔'' وہ پھیکے لہجے میں کہہ کر طوبیٰ کی گود میں کھلکھلا کر ہنستی ہوئی میرب کو دیکھنے لگیں، جو اس وقت انہیں نرمین کی یاد دلا رہی تھی۔ اماں حسرت زدہ سی میرب کو دیکھ رہی تھیں اور حریم ان کے بدلتے تاثرات کو۔

☆☆☆

''آج جلدی آف لے لینا آفس سے۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ جاؤ ہی مت۔'' فوزیہ نے مائرہ کو آفس کے

www.pklibrary.com

لیے تیار ہو کر آتے دیکھا تو مسکرائیں۔

''کیوں بھئی؟ آج کیا ہے؟'' مائرہ نے حیرت سے ماں کی مسکراہٹ دیکھی۔

''ایک چکر پارلر کا لگالو، اسکن اتنی رف ہو رہی ہے تمہاری اور بالوں کا اسٹائل پچھلے کئی ماہ سے یہی ہے تمہارا۔ نیو لک دو اسے۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اس کے بالوں کی ایک لٹ تھام کر ذرا سی ناک چڑھا کر بولیں۔ اتنی دیر میں مائرہ جلدی جلدی ذہن میں سب کی سالگرہ کی تاریخیں دہرا چکی تھی لیکن آج ایسا کوئی بھی ایونٹ نہیں تھا جس کے لیے اتنا تلاش پش ہوا جاتا یا آفس سے آف ہی لے لیا جاتا۔

''جیسا ہے، سب اچھا ہے اور مجھے ایسے ہی پسند ہے فی الحال۔ ٹائم نہیں ہے ان چونچلوں کے لیے میرے پاس۔'' مائرہ نے عام سے لہجے میں کہا تو انہوں نے اس کے شانوں پہ ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر اسے صوفے پر بٹھا دیا۔

''آج تم سے ملنے کچھ خاص مہمان آرہے ہیں گھر پہ۔ اس لیے کہہ رہی ہوں کچھ حلیہ درست کرلو اپنا۔'' وہ پیار سے بولیں تو مائرہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

''خدا کے لیے مما!'' وہ جھنجھلا کر کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''یہ ڈرامے مت شروع کریں گھر میں۔''

''ارے واہ۔ ڈرامہ کیسا؟ ہر لڑکی کی زندگی میں ایسا موقع آتا ہے کبھی نہ کبھی۔''

''میں بہر حال ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں مما! پلیز..... مجھے میری زندگی اپنے مطابق جینے دیں۔ ان بکھیڑوں میں مت ڈالیں مجھے۔''

''تو کیا تمہاری ''ممی'' بنا کر گھر میں سجالوں؟ حد ہوتی ہے ضد کی بھی۔ بیٹیاں گھروں میں رکھنے والی چیز نہیں ہوتیں میری جان!'' وہ جھنجھلا کر کبھی غصے اور کبھی پیار سے سمجھا رہی تھیں۔

''مما! آپ ہر بات جانتی ہیں پھر بھی۔'' اس نے پیر پٹخے تو وہ سختی سے بولیں۔

''ہاں۔ میں ہر بات جانتی ہوں اسی لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ تمہاری پھپھو نے تمہیں جس خوش فہمی میں ڈال رکھا ہے نا، وہ ٹرک کی بتی کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' فوزیہ کو بھی غصہ آیا تھا۔

''یہ میرا اپنا فیصلہ ہے، پھپھو کا نہیں۔'' مائرہ کڑھی۔

''تمہاری پھپھو کی اس کے گھر میں سنی جاتی تو آج تم اس گھر میں ہوتیں۔ لیکن اب بہت ہو گیا مائرہ! ہم تمہاری زندگی ایک سراب کے پیچھے تباہ نہیں ہونے دیں گے۔''

''زندگی تو جتنی تباہ ہونی تھی ہو چکی مما! اب تو اسے سنوارنے کا وقت ہے۔'' اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ انہوں نے سر جھٹکا۔

''فضول باتیں مت کرو، اور شام سے پہلے آجانا۔ یونہی فارمل سی ملاقات ہے بس۔'' انہوں نے اسے جھڑکا۔

''مجھے کوئی ضرورت نہیں فالتو لوگوں سے ملاقاتوں کی۔'' مائرہ نے بیزاری سے کہا۔

''اپنی پھپھو کی دنیا سے نکلو گی تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ دنیا میں پھپھو کے بیٹے سے اچھے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔'' انہوں نے طنز کیا تو مائرہ غصے سے پیر پٹختی بنا انہیں خدا حافظ کہے باہر نکل گئی۔

''دماغ خراب ہو چکا ہے تمہارا بس، اور کچھ نہیں۔ شام کو جلدی آجانا بی ٹائم تک۔'' فوزیہ نے پیچھے سے باآواز بلند تجزیہ پیش کیا تھا۔ جو لاؤنج سے باہر نکلتی مائرہ نے بخوبی سنا تو اس کا دل سلگ اٹھا۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ میرب کو کہاں بھیجا ہے تم نے؟''

www.pklibrary.com

نزہت آج ذرا دیر سے سو کر اٹھیں تو گھر میں چھائی خاموشی دیکھ کر ناشتے کی تیاری کے دوران ثریا سے میرب کے بارے میں استفسار پر پتا چلا کہ وہ حریم کے ساتھ اس کے میکے گئی ہے۔ اسی بات پہ ان کا پارہ ہائی ہو گیا۔ آج صبح سویرے وسیم صاحب کے ناشتہ کرنے کے دوران وہ ایک کپ چائے پی کر ان کے آفس جانے کے بعد اپنی دوا لے کر آرام کرنے لگیں۔ اب ناشتا بیٹے کے ساتھ کرنے کا ارادہ تھا وہ بھی لیٹ ہی جاگا اور ابھی آ کر اپنی کرسی پہ بیٹھا ہی تھا کہ نزہت ضبط کے بندھن توڑ بیٹھیں۔

''ریلیکس مما! کیا ہو گیا ہے؟'' وہ قصداً ذرا سا مسکرایا۔

''میں تو کہتی ہوں، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ مرواؤ گے اسے تم۔'' نزہت اس کے ''کول'' انداز پہ سلگیں۔

''اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔'' وہ انہیں بے اختیار ٹوک گیا۔

''جانتے ہو نا، میرب کی ماں کیسے ''رخصت'' ہو کر آئی تھی اس گھر میں۔ اب کیا وہ بدلہ اس بچی سے نہ نکالیں گے؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ ان شاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ حریم ساتھ ہے اس کے۔''

''اس کل کی آئی لڑکی پہ اتنا اعتبار کب سے ہو گیا ہے تمہیں؟ بھول گئے ہو کیا کیا کرتی رہی ہے وہ میرب کے ساتھ۔'' نزہت اپنے بال نوچنے کو ہو گئیں۔

''وہ سب تو اب ماضی ہوا۔ اسے ایک آخری موقع دیا ہے میں نے۔ وہ میرب سے بہت پیار کرتی ہے مما! ہو سکتا ہے اس کی مصروفیت اور لاپروائی کی وجہ سے وہ حادثات ہوئے ہوں۔ اس نے وعدہ کیا ہے اب وہ میرو کا بہت خیال رکھے گی۔ آخر اس کی بھی بہن کی بیٹی ہے۔''

وہ توس پہ جیم لگاتے ہوئے نرمی اور سادگی سے کہتا یقیناً ان کے تحفظات دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نزہت تو گویا پھٹی آنکھوں سے بازی کو پھر سے پلٹ کر حریم کے پلڑے میں جاتا دیکھ رہی تھیں۔

''تم..... تم نے جان بوجھ کر میرے سونے کے دوران بھیجا ہے اسے۔ تمہیں پتا تھا کہ میں اسے ہرگز حریم کے ساتھ جانے نہیں دوں گی، لیکن یہ مت بھولو کہ میری پوتی ہے وہ..... میرا پورا حق اور تحفظات ہیں میرب پر۔''

''بالکل ہے، بلکہ مجھ سے زیادہ حق ہے آپ کا مما!'' اس نے ادھ کھایا توس پلیٹ میں رکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تو پھر تم نے میرب کو کیوں اس قدر غیر ذمہ داری سے اس کے حوالے کر دیا۔ وہ لڑکی دو بار پہلے بھی میرب کو مارنے کی کوشش کر چکی ہے۔'' نزہت کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گئیں۔

''ایسا کچھ نہیں ہے مما!'' وہ ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بے چارگی سے بولا تو وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولیں۔

''یاد رکھنا میری بات..... اب اگر میرب کو ذرا سی خراش بھی آئی تو میں ایک منٹ بھی اس لڑکی کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔''

''اللہ سے اچھے کی امید رکھیں مما! وہ اس گھر میں محض میرب کے لیے ہی آئی ہے۔ کیونکہ وہی ہے جو اسے ایک ماں کی طرح پال سکتی ہے۔''

''ہاں۔ وہ تو دیکھ ہی رہی ہوں۔ تمہیں بھی اور باقی سب کو بھی۔'' نزہت نے تلخی سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔ ''ایسے ہی پالنا تھا تو مائرہ کیا بری تھی اس رشتے کے لیے۔''

''گزری باتوں کو بھلا دیں مما! زندگی آگے بڑھتے جانے کا نام ہے۔ آپ کو پتا ہے حریم کے لیے بھی یہ

www.pklibrary.com

سب ایک ''حادثہ'' ہی تھا۔ آپ جانتی ہیں وہ کیسے اس گھر میں آئی ہے، اسے بھی سنبھلنے کے لیے وقت چاہیے تھا۔ اب تو کافی بہتری آئی ہے اس کے رویے میں۔''

وہ انہیں سمجھا رہا تھا۔ نزہت بنا جواب دیے بے زاری سے سر جھٹک کر کپ میں چائے انڈیلنے لگیں یہ اشارہ تھا کہ مزید بحث کی گنجائش نہیں۔ وہ بھی گہری سانس بھرتا اپنا ناشتہ مکمل کرنے لگا۔ اسی وقت مائرہ آ گئی اور اس نے آتے ہی جلدی جلدی کا شور مچا دیا تو نزہت مسکرانے لگیں۔ یہی رونق اور شور ہنگامہ تو وہ چاہتی تھیں اس گھر میں۔ جو مائرہ کے ہی دم سے ممکن تھا۔

''آج آپ کی بہورانی سر پہ چڑھ کر نہیں کھڑی ہوئی خیریت؟'' اس کے بیڈروم سے اپنا لیپ ٹاپ اور کی چین لانے کے دوران مائرہ نے نزہت سے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔

''میکے گئی ہوئی ہے اپنے..... اور اس بے وقوف کی عقل دیکھو ساتھ میرب کو نتھی کر کے بھیج دیا۔'' نزہت نے کڑھتے ہوئے اسے اپنا رونا سنایا۔

''چلو، اچھا ہوا۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ میرب کو اس کے ننھیال بھجوا دیں۔ یہاں بھی تو خالہ ہی پال رہی ہے آ کر۔'' مائرہ نے ہاتھ جھاڑے تو نزہت پریشان سی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ اب وہ اسے کیا بتاتیں کہ میرب ہی تو ایک ذریعہ تھی اس گھر میں داخلے کا۔ اور اسی میں مائرہ کو دلچسپی نہ تھی۔ لیکن پھر بھی انہیں اپنی بھتیجی کے دل کی خوشی بہت عزیز تھی۔ حریم انہیں زیادہ دیر اس گھر میں ٹکتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

☆☆☆

''آپی! یہ میرب تو اتنی اچھی بچی ہے۔ ذرا جو پرایا پن دکھایا ہو۔ کوئی اجنبیت نہیں۔ اتنے آرام سے میرے پاس چلی آئی اور خوب کھیلی۔'' طوبیٰ خوش تھی، حریم مسکرا دی۔

''اب بتاؤ پیاری آپی! آج کیا پکاؤں آپ کے لیے؟'' طوبیٰ نے لاڈ سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''بھئی میں تو ہر چیز کھا لیتی ہوں، تمہیں پتا ہی ہے۔ سو جو چاہے بنا لو۔ ہاں روٹی اماں کے ہاتھ کی کھاؤں گی۔'' حریم نے فرمائش کی۔

(ہنہ ہاہ..... یہ ماؤں کی پسند پہ چلنے والی بیٹیاں۔ کب سوچ اور پسند بدل لیتی ہیں پتا ہی نہیں چلتا)

''پھپھو کی سنائیں اماں! آتی ہیں ابھی بھی؟'' حریم پہلے سے کچھ زیادہ پراعتماد دکھائی دی تھی انہیں۔

''نہیں۔ تمہاری شادی کے وقت جو تماشا لگا کر گئی تو دوبارہ کبھی نہیں پلٹی۔'' اماں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ حریم کو وہ تماشا یاد کر کے جھرجھری سی آ گئی۔

''اچھا ہی ہوا۔ ان کا کیا بھروسا تھا اب کی بار طوبیٰ کے لیے رشتہ ڈال جاتیں زلفی کا۔'' حریم نے سلگتے لہجے میں کہا تو اماں ساکت رہ گئیں۔

''طوبیٰ! میں نے کچن میں چکن نوڈلز کا پیکٹ رکھا ہے، نرم سی نوڈلز بوائل کر دینا میرب کے لیے۔'' وہ لاپروائی کا تاثر دیتی وہیں سے کچن میں کام کرتی طوبیٰ سے بولی۔

''اچھا آپی! پہلے وہی بناتی ہوں۔ بھوک لگ رہی ہے پرنسس میرب کو۔'' طوبیٰ اونچی آواز میں بولی۔ وہ بے حد خوش تھی، بڑے عرصے بعد گھر میں کسی بچے والی رونق لگی تھی۔

''تم بھی مینو کی طرح ہمیں ظالم سمجھتی ہو گی؟'' اماں نے پھیکے لہجے میں کہا تو حریم مسکرائی۔

''آپ لوگوں نے شاید اپنی طرف سے بہتر فیصلہ کیا ہو۔ لیکن ہوا وہی جو اللہ کی رضا تھی۔ اب ان باتوں کو کیا دہرانا اماں! آپ بس دعا کیا کریں اپنی بیٹیوں کے لیے اور مینو کو معاف کر دیں..... دل سے۔ ابا کو کون سا پتا

www.pklibrary.com

چلے گا کہ آپ نے اسے معاف کر دیا ہے۔'' ان کے ہاتھ تھام کر وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔

''ماؤں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں اماں! ان کی معافی بیٹیوں کی بہت سی مشکلات آسان کر دیتی ہے۔''

''ماؤں کے دل تو نرم ہی ہوتے ہیں، یہ تو اولاد کی کرنیاں ہوتی ہیں جو دلوں کو سخت کر دیتی ہیں۔'' اماں نے اسے جتایا۔

اور وہ کہہ نہ پائی کہ اولاد کی زندگیوں کے غلط فیصلے کر کے ان سے اظہار رائے تک کا اختیار چھین لینا اولاد کے دل کو بھی سخت کر دیتا ہے۔

اسی وقت میرب دوڑ کر اس کی گود میں آ گئی، اس نے جھک کر میرب کو چوم لیا۔

''میرو کو بہت اچھا لگ رہا ہے یہاں آ کر؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا تو میرب نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ شدت سے اثبات میں سر ہلایا۔

''ویری گڈ۔ اب تو ہم بار بار آئیں گے یہاں۔ چلو اب کھانا کھاتے ہیں۔ میرو کو بھوک لگی ہوگی۔'' حریم نے مسکرا کر کہا تو وہ کچن کی طرف بھاگی۔

''بچے تو بس پیار کے ہوتے ہیں، جہاں پیار ملا اسی کے ہو گئے۔ ایسا لگتا ہے تمہاری ہی بیٹی ہے۔'' اماں بے ساختہ کہہ گئیں۔

''یہ آپ کی بیٹی کی ہی بیٹی ہے اماں! اسی لیے تو آپ کو بھی اتنی پیاری لگی ہے۔'' حریم اٹھتے ہوئے مسکرا کر بولی تو اماں نے منہ بنا لیا۔ ان کا اتنی جلدی ماننے کا کوئی ارادہ نہ تھا شاید..... حریم مسکراتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆

میں وہی ہوں
نظر بھر کے دیکھو ذرا
سارے خوش حال موسم بھی جس نے فقط!
پچھلے زخموں کی بے کل اداسی میں کاٹے
جس کی آنکھوں نے بس ایک چہرے کے عکس منور کو دیکھا
سنبھالے رکھا
جس کے ہاتھوں نے اک لمس آخر کو صدیوں بچانے کی خاطر
کسی کو چھوا تک نہیں
میں وہی ہوں
نظر بھر کے دیکھو ذرا!!

''کیا بات ہے، آج بہت خاموش ہو۔ کوئی پریشانی ہے کیا؟'' لنچ کے دوران اس نے مائرہ کی خاموشی کو نوٹس کر ہی لیا تھا بالآخر۔ وہ مسکرا کر طنز سے بولی۔

''اچھا۔ تمہیں بھی میری خوشی اور پریشانی دکھائی دیتی ہے؟''

''کم آن مائرہ! اب بڑی ہو جاؤ۔'' وہ ہنسا۔

''ایسے ہی..... ممانے تنگ کر رکھا ہے۔ جانے کیسے کیسے لوگوں کو گھر بلا رہی ہیں۔'' وہ تنکی۔

''مطلب؟'' وہ ٹھٹکا۔

''ہوں گے کوئی۔ سو کالڈ رشتے والے۔'' منہ بنایا۔

www.pklibrary.com

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بروقت اچھا فیصلہ انسان کو بہت سی پریشانیوں سے بچالیتا ہے۔''

''مجھے زندگی بس تمہارے ساتھ چاہیے۔'' وہ ایک دم سے بولی۔

مگر وہ جان بوجھ کر کوئی تاثر دیے بنا کھانے میں مگن رہا جیسے مائرہ نے یونہی کوئی عام سی بات کہہ دی ہو۔

''سن رہے ہو تم؟'' مائرہ نے کھانے والا کانٹا اٹھا کر اس کے بازو میں چبھویا۔

''ہش.....'' وہ اسے گھورنے لگا۔ ''کھانا کھانے کے لیے دیا ہے یہ فورک ہوٹل والوں نے۔ دہشت گردی کے استعمال کے لیے نہیں۔''

''اس طرح مجھے اگنور کر کے تم خود اپنی جان کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔'' مائرہ نے جواباً اسے گھورتے ہوئے دھمکی دی۔

''مجھے اپنی جان بہت عزیز ہے۔ تمہیں اگنور کر کے جان سے نہیں جانا۔'' وہ مصنوعی بے چارگی سے بولا تو مائرہ کو تسلی ہوئی۔

''پھپھو بتا رہی تھیں کہ آج میرب کو تم نے اس کے ننھیال بھیجا ہے؟'' مائرہ کی دلچسپی کھانے میں برائے نام ہی تھی۔

''ہم۔'' اس نے نوالہ نگلتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''یہی فیصلہ تم پہلے کر لیتے تو زندگی کتنی آسان ہو جاتی نا۔'' مائرہ نے جیسے حسرت سے کہا۔

''زندگی اب بھی بہت آسان ہے، اگر اسے اچھے طریقے سے سمجھ لیا جائے۔''

''کیسے لوگوں میں پھنس گئے ہو تم۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا..... نہ تو زمین ہمارے خاندانی معیار کی تھی اور نہ اب یہ اس کی بہن۔ میرا نہیں خیال تھا کہ تم کبھی اپنے لیول سے اتنا نیچے آ کر فیصلہ کرو گے۔ محض جذباتی ہو کر۔'' وہ زمین کے متعلق بھی ایسے ہی ہتک آمیز انداز میں بات کیا کرتی تھی جیسے اب حریم کے بارے میں کر رہی تھی۔

''ہم سب انسان اور مسلمان ہیں۔ یہ لیولز کیا ہوتے ہیں؟'' وہ تحمل سے پوچھنے لگا پھر خود ہی بولا۔ ''لیول سے تمہاری مراد اگر روپیہ پیسہ ہے تو میں بھی کون سا لکھ پتی خود بنا ہوں۔ سب کچھ ڈیڈ کی کمائی کا ہے۔ ہم تو بس اس پہ عیش کر رہے ہیں۔ ہم کیا اور ہمارا لیول کیا۔''

''اُف.....'' مائرہ نے چمچہ رکھ کر سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

''پھر تم کہتے ہو کہ تمہاری سوچ نہیں بدلی۔ اس لڑکی کے ساتھ رہ کر تمہاری بھی غریبوں والی سوچ ہوتی جا رہی ہے، سوری ٹو سے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے نا۔ غرور کرنا بھی کس بات کا۔'' وہ مزے سے بولا۔

''تم نے جن حالات میں اس سے شادی کی ہے وہ مجھے بتائے ہیں پھپھو نے۔ زبردستی کے رشتے کو وہ دل سے قبول نہیں کر رہی، اسی لیے میرب کو مار کر بدلہ لے رہی ہے۔'' مائرہ نے کہا۔

''ڈونٹ وری مائرہ! یہ اس کا لاسٹ چانس ہے۔ اگر اب اس نے میرو کے متعلق کوئی لاپروائی دکھائی تو میں اسے معاف نہیں کروں گا۔''

''یہی تم نے لاسٹ ٹائم بھی کہا تھا۔'' مائرہ نے طنز کیا۔

''رشتے جتنی مشکل سے جڑتے ہیں، توڑتے ہوئے بھی اتنا ہی وقت لگانا چاہیے ورنہ غلطی کا احتمال رہ جاتا ہے۔ اور پچھتاوے۔'' اس کا اپنا ہی فلسفہ تھا، مائرہ کڑھی۔

''مجھے تو سمجھ میں نہیں آتا زبردستی کے اس رشتے میں اتنی محبت کیسے آ گئی جو تمہیں کوئی فیصلہ نہیں کرنے دے رہی۔''

www.pklibrary.com

''زندگی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پہ چلتی ہے مائرہ! وہ بس میرو کی ماں بن کے دکھا دے، مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ میں تو بس سمجھو ایک وعدے کے گھیرے میں ہوں۔'' وہ اداسی سے مدھم سا مسکرایا۔

''اور یہی تمہاری بے وقوفی تھی۔'' مائرہ بڑبڑائی۔

اس کے نرم خو انداز اور حریم کے متعلق فیصلے میں شش و پنج نے مائرہ کو نیا حوصلہ دیا تھا۔ وہ سارا دن مسرور سی نئے نئے ارادے باندھتی رہی۔ آگے کی زندگی کچھ بہتری کی طرف مائل ہوتی نظر آرہی تھی۔ حریم کے انداز سیٹھی ہاؤس میں بسنے والے تھے ہی نہیں۔ وہ آج قدرے خوش تھی۔ حریم صرف ایک ''مجبوری'' کا سودا تھی۔ محض ایک ''وعدے کی پاس داری'' تھی..... تو مجبوری ختم ہوتے یا وعدے توڑتے کون سی دیر لگتی تھی۔ وہ سرِشام ہی آفس سے اٹھ گیا۔

''اتنی جلدی؟ میں نے تو باہر ڈنر اور واپسی پہ لانگ ڈرائیو کا پروگرام بنایا تھا۔'' مائرہ نے اسے اپنے کیبن میں دیکھ کر منہ بسورا۔

''پروگرام تو بہت اچھا تھا، لیکن آج مجھے جلدی نکلنا ہے۔ ہری اپ۔'' وہ جلدی جلدی کا شور مچا کر اسے بھی اٹھا لایا۔ پارکنگ تک وہ اپنے شولڈر بیگ میں اپنا موبائل اور پین وغیرہ ڈالتی آئی تھی۔ بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے اسے گھورا۔

''ایسا کون سا طوفان آنے والا ہے اس کے بعد؟''

''حریم اور میرب کو پک کرنا ہے مجھے۔ آؤٹ آف دا وے جا کر۔ اس لیے تمہیں جلدی چھوڑ رہا ہوں۔'' وہ سن گلاسز ماتھے پہ چڑھاتے ہوئے بتا رہا تھا۔ مائرہ کے قدم رکے۔

''آؤ نا..... لیٹ ہو رہا ہوں میں۔ میرب ویٹ کر رہی ہوگی۔'' وہ اس کی طرف کا دروازہ کھولے گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔ مائرہ دھاڑ سے دروازہ بند کرتی سیٹ پہ بیٹھی۔

''اتنی ہی جلدی تھی محبوب بیوی کو پک کرنے کی تو مجھے کیب ہائر کروا دیتے۔ زحمت کر رہے ہو آؤٹ آف دا وے جانے کی۔'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''افوہ..... تمہیں تھوڑی کہہ رہا ہوں۔ ان دونوں کو آؤٹ آف دا وے جا کر لانا ہے۔ تمہارا تو روز کا ساتھ ہے۔'' وہ سنبھل کر کہتے ہوئے مسکرایا لیکن مائرہ کا دل بری طرح سے ٹوٹا تھا۔

وہ اس کی دسترس سے باہر جا چکا تھا۔ آدھا ادھورا ہی سہی مگر کسی کا ہو چکا تھا یا ہونے والا تھا۔

جہاں پھولوں کو کھلنا تھا، وہیں کھلتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا، تم ہی ملتے تو اچھا تھا

مائرہ نے شدید دکھتے سر کو سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

☆☆☆

''ابا کے آنے تک رکیں گی نہیں آپی؟'' اسے سرِشام ہی واپسی کے لیے تیار ہوتے دیکھ کر اماں نے نظر چرائی لیکن طوبیٰ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''ابا سے ملنے کا بہت دل کرتا ہے، لیکن مجھے پتا ہے میں ان کی بے اعتنائی سہہ نہیں پاؤں گی۔ بس ذرا سا دل موم ہو جائے ان کا، پھر ضرور ملوں گی ان سے۔ ابھی تو ان کا موڈ بھی خراب ہوگا اور میرے اگلے کئی دن بھی دکھی گزریں گے۔'' طوبیٰ کے گال کو نرمی سے چھوتے ہوئے حریم کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

''اگر آپ یونہی آتی رہیں گی تو جیسے اماں کا دل موم ہو گیا ہے، ویسے ہی ابا کی ناراضی بھی دور ہو جائے گی۔'' طوبیٰ اس سے لپٹ گئی۔

www.pklibrary.com

اسے اپنی یہ آپی وپسے ہی بڑی پیاری تھی۔ نرمین کی بے چین اور خود غرض طبیعت کے برعکس حریم کی فطرت میں ایک ٹھہراؤ اور بے غرضی تھی۔ سب کے لیے اچھا اچھا سوچنا۔ اپنی خوشی پہ دوسرے کی خوشی کو مقدم جاننا۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی تو حریم کا دل دھڑکا۔

ابا تو آتے ہی موٹر سائیکل کا ہارن بجاتے تھے۔ یہ یقیناً یا تو حریم کے لیے ڈرائیور آیا تھا یا وہ خود.....

طوبیٰ نے دروازہ کھولا۔ وہ اماں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھی رہی۔ ذرا دیر بعد وہ اپنے اونچے لمبے شان دار وجود کے ساتھ ان کے سامنے تھا۔ شائستگی سے اماں کو سلام کر کے ان کے آگے جھکا۔ اماں نے جھجکتے ہوئے اس کے شانے پہ ہاتھ پھیر دیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ سامنے صوفے پہ بیٹھا اماں سے پوچھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ حریم کو بہت اچھا لگا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔''

''حریم بہت یاد کرتی ہے آپ سب کو۔ کبھی چکر لگائیں نا آپ بھی۔ چھوٹی کو بھی لے کر آئیں۔''

وہ طوبیٰ کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک کا گلاس تھامتے ہوئے اماں کو دعوت دے رہا تھا۔ وہ خاموشی سے اثبات میں سر ہلاتی رہیں۔ یہاں وہ مخصوص ساس داماد والا خوش دل سا رشتہ کہاں تھا جو وہ خوش مزاجی سے اس کی ماں بہن کا احوال پوچھتیں۔ وہ کولڈ ڈرنک ختم کرتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب چلتے ہیں، مما انتظار کر رہی ہوں گی میرب کا۔ کہاں ہے وہ؟'' بات ختم کرتے ہی اسے یاد آیا تو وہ بے تحاشا چونکا۔ حریم مسکرا دی۔

''کھیل کھیل کے تھک گئی تھی تو سو رہی ہے اندر کمرے میں۔ جا کر اٹھانا پڑے گا۔''

وہ پرسکون سا ہو کر اس کی معیت میں اس کمرے میں آ گیا۔ جہاں میرب معصوم چہرہ لیے گہری نیند میں تھی۔ اس نے جھک کر احتیاط سے میرب کو بازوؤں میں اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ حریم، اماں اور طوبیٰ سے ملنے لگی۔

''ابا سے کہیے گا' مجھے اور مینو کو بھی معاف کر دیں۔ شاید ایسے ہی ہمیں اللہ آسانی عطا کر دے۔'' وہ اماں کو پیغام دے کر نم آنکھوں سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

مائرہ گھر میں داخل ہوئی تو تباہ کن ذہنی کیفیت میں تھی۔ اس وقت ابلتے دماغ اور دکھتے سر کے ساتھ سیدھا اپنے کمرے میں جا کر تکیے میں منہ دے کر بہت سا رونے اور چیخنے کی خواہش ہو رہی تھی۔ لاؤنج میں داخل ہوئی تو باتوں کے ساتھ خوش گوار سی ہنسی اور اجنبی آوازوں نے اسے باور کرایا کہ جن مہمانوں کے لیے صبح وہ ماں کو منع کر کے گئی تھی وہ شاید آئے بیٹھے تھے۔ مائرہ سرسری سا سلام کر کے اپنے کمرے میں جانے لگی اس نے کسی بھی مہمان کی شکل تک نہ دیکھی تھی۔

''مائرہ! ادھر آؤ۔ مہمان آئے ہیں بیٹا! کب سے تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔'' فوزیہ کی مسکراتی ہوئی پیار بھری آواز میں موجود تنبیہہ اسے صاف محسوس ہوئی۔

''سوری مما! میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ آپ کمپنی دیجیے اپنے مہمانوں کو۔'' بدلحاظی سے کہتی وہ سب کو حیران کر گئی۔

''مائرہ! بی ہیو یور سیلف۔'' فوزیہ فوراً اٹھ کر اس کی طرف آئیں۔ اسے کلائی سے تھام کر تنبیہی سرزنش کی۔

''فار گاڈ سیک مما! میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ ہجوم مت اکٹھا کیجیے گا میرے لیے۔ میں کوئی عجوبہ یا ڈیکوریشن پیس نہیں ہوں جسے یہ لوگ دیکھنے اور پسند کرنے آئے ہیں۔'' وہ چیخی۔ اس کی آواز کم تھی لیکن لاؤنج کی

www.pklibrary.com

خاموشی میں ہر ذی روح نے بخوبی سنی۔

''ہر لڑکی اس دور سے گزرتی ہے بیٹا!'' فوزیہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

''میں ہر لڑکی جیسی نہیں ہوں مما! مجھے اپنی زندگی اپنی طرز اپنی سوچ پہ گزارنی ہے۔ آپ کا سنڈلی ان سب کو اچھا سا کھانا کھلائیے، گپیں لڑائیے لیکن پلیز..... فار گاڈ سیک! مجھے معاف رکھیے شادی نامی اس عذاب سے۔''

جو منہ میں آیا وا ہی تباہی بک کر آخر میں ان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے وہ تخی سے بولی اور ہیل کی ٹک ٹک بجاتی اپنے کمرے میں جا کر دھڑ سے دروازہ بند کر لیا۔ فوزیہ اپنے مہمانوں کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہی تھیں۔ دونوں مہمان خواتین اور ایک مرد اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آپ پلیز..... اس بے وقوف کی باتوں کو اگنور کر دیجیے گا۔ کسی ٹینشن میں ہے۔ ابھی پوچھتی ہوں میں جا کر۔ آپ بیٹھیے پلیز۔'' وہ روہانسی ہونے لگیں۔ جانتی تھیں، اب سرکل میں مائرہ کے متعلق کیسی کیسی باتیں مشہور ہوں گی۔

''فوزیہ! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ کی بچی اپنی مرضی کی شادی کرنا چاہتی ہے ورنہ میں گھر سے آتی ہی نہیں۔ عزیر کو کون سی لڑکیوں کی کمی ہے۔ یہ تو آپ نے نیم رضامندی ظاہر کی اس رشتے پر تب میں بھی تیار ہو گئی لڑکی دیکھنے پر..... لیکن اب افسوس ہو رہا ہے اپنے اس فیصلے پر، گھر بلا کر انسلٹ کی ہے آپ نے ہماری۔'' وہ ساس، بہو اور بڑا بیٹا آئے تھے مائرہ کو دیکھنے۔ بہو کے چہرے پر بھی غصے کے تاثرات تھے لیکن وہ خاموش ہی رہی۔ ساس ہی نے تخی سے بات ختم کی۔

''مسز رحیم! پلیز آپ مائنڈ مت کیجیے۔ بچیوں کو عادت ہوتی ہے چھوٹی چھوٹی باتیں سر پہ سوار کر کے ڈیپریشن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ورنہ مائرہ کی بیچر تو بہت سویٹ ہے۔'' فوزیہ نے اڑی رنگت کے ساتھ بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

''ہاں۔ وہ تو دیکھ ہی لی ہے ہم نے۔''

ان کی بہو نے بظاہر بڑے تحمل سے کہتے ہوئے طنز کیا تھا اور وہ تینوں یونہی کچھ کھائے پیے بنا چلے گئے۔

فوزیہ غصے سے بھری مائرہ کے کمرے کی طرف بڑھیں، دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں تو وہ آنکھوں پہ بازو رکھے بیڈ پہ نیم دراز تھی۔ ماں کی آمد کو محسوس کر کے بازو ہٹا کر انہیں دیکھا۔ وہ شدید غصے کی کیفیت میں تھیں۔

''آج اس قدر ذلیل کروایا ہے تم نے مجھے کہ حد نہیں مائرہ! یہ تربیت کی تھی میں نے تمہاری کہ گھر آئے مہمانوں کی انسلٹ کر دو۔ جو منہ میں آئے ان کے سامنے بک دو۔''

''میں نے آپ سے کہا تھا اس گھر میں یہ ڈراما مت لگائیے گا۔ اب بھگتیں پھر۔'' وہ سرکشی سے بولی۔

''بکواس مت کرو مائرہ! زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' انہوں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔ ''ایک شادی شدہ بندے کے پیچھے خواہ مخواہ زندگی برباد کر رہی ہو اپنی۔ وہ تو اپنی لائف بنا چکا ہے، تم پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھر رہی ہو۔'' انہوں نے بھی ساری شائستگی ایک طرف رکھتے ہوئے اسے خوب سخت سنائیں۔

''ہاں۔ پڑی رہوں گی پیچھے..... کیونکہ وہ میرے نصیب کا شخص ہے۔ غلطی سے کسی اور کو مل گیا تو کیا میں چپ کر کے بیٹھ جاؤں۔ آپ دیکھیے گا ایک دن وہ میرا ہی ہوگا۔'' وہ آرام سے بولی تو انہیں طرارہ آیا۔

''شٹ اپ۔ شرم نہیں آتی یوں فقیروں کی طرح توجہ کی بھیک مانگتے ہوئے۔ یہ سارا قصور تمہاری گھٹی پھپھی کا ہے۔ خود کا گھر بسا کے میرا گھر میری بیٹی کو برباد کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اس نے۔ شادی شدہ بیٹے کے پیچھے لگا رکھا ہے تمہیں۔''

''اُف مما!'' وہ پہلے ہی پھرا ہوا دماغ لے کر گھر آئی تھی۔ ماں کی کھری کھری باتوں نے اسے مزید پاگل

www.pklibrary.com

کر دیا۔

''ایک تو پہلے ہی میری زندگی برباد ہو چکی ہے۔ ایک بار نہیں دو دو بار ریجیکٹ ہوئی ہوں میں۔ اوپر سے آپ نے نیا تماشا شروع کر دیا ہے۔ لوگوں کو گھر بلا کر میری نمائش لگا دی ہے۔ اتنی ہی فالتو ہوں میں بوجھ ہوں آپ پر۔'' وہ بات کرتے کرتے ہذیانی انداز میں چیخنے لگی۔ فوزیہ گھبرا سی گئیں۔

''مائرہ! ہوش کرو۔'' انہوں نے اسے جھنجھوڑا تو وہ روتے ہوئے ان کی بانہوں میں بے دم سی ہو کر جھول گئی۔ انہوں نے گھبرا کر اپنی کام والیوں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

☆☆☆

اجالا سسکیاں لیتا رہا گھر میں
دیا دہلیز پہ جلتا رہا
جس کو
کسی جاں بخش ساعت میں
مقدس آگ سے روشن کیا اس نے
وہ انسان دیوتا تھا یا مسیحا تھا؟
وہ بھولا تو نہیں ہوگا؟
نہ جانے بے وفا دنیا کے کتنے کام تھے
اس کو
نہ جانے کتنے دھندے تھے
کہ وہ اب تک پلٹا نہیں
دیا تو صبح ہونے تک سدا ہی جلتا رہتا ہے
کوئی اتنا بتا دیتا!!
کہ وہ جن راستوں میں ہے
وہاں اس کو
اندھیرا تو نہیں ملتا؟
(ادا جعفری)

ڈاکٹر نے مائرہ کو اعصابی سکون کا انجکشن لگایا اور کچھ میڈیسن دے گئی۔ کئی گھنٹے اس نے پرسکون نیند میں گزارے تھے۔ صبح تک فوزیہ اس کے سرہانے سے ہلی نہ تھیں۔

فوزیہ نے ملامت کا شکار ہوتے ہوئے جھک کر اس کی زرد پڑتی پیشانی چوم لی۔ مائرہ نے آنکھیں کھول کر اپنے ماں باپ کو دیکھا۔ لمحہ بھر کے بعد اس کی آنکھ کے کونے سے پانی ٹپکنے لگا۔

''آئم سوری مما!''

''نہ میرا بچہ! معافی تو مجھے مانگنی ہے۔ تمہاری ذہنی حالت کا بھی احساس نہیں کیا میں نے۔''

''اچھا۔ اب یہ سارے قصے پیچھے چھوڑ دو اور زندگی کا نیا باب شروع کرو۔'' پاپا نے نرمی سے دونوں کو صلاح دی تھی مائرہ نے جلتی آنکھیں موند لیں۔

مگر اسی دوپہر جب فوزیہ نے ملازمہ کے ہاتھ مائرہ کے لیے سوپ بھیجا اور خود ظہر پڑھنے کے لیے وضو کر رہی تھیں تب ملازمہ کی ہذیانی چیخیں سن کر ان کا دل ڈوب گیا وہ برافروختہ سی واش روم سے نکل کر بھاگیں۔

www.pklibrary.com

مائرہ کے کمرے تک پہنچنے تک وہ بے دم ہو چکی تھیں۔ مائرہ کو بستر پہ خون میں لت پت بے سدھ پڑے دیکھ کر وہ بے دم سی ہو کر زمین پہ گر گئیں۔

☆☆☆

اس نے فجر کا آخری سلام پھیرا تو اس کی روح تک تھرا گئی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا اس نے اپنے ہاتھوں سے دروازہ اچھی طرح لاک کر کے پھر نماز پڑھنا شروع کی تھی لیکن نماز ختم کرنے تک نا صرف دروازے کا لاک کھل چکا تھا بلکہ پال کو خاموشی سے ایک طرف کھڑے دیکھ کر کیتھی کی روح جسم سے گویا پرواز کر گئی۔

"ڈیڈ۔" اس کے لب کپکپائے۔ پال نے آگے بڑھ کر زوردار تھپڑ کیتھی کے منہ پر دے مارا۔ اس نے اپنے منہ میں خون کا ذائقہ گھلتے ہوئے محسوس کیا شاید اس کی زبان دانتوں تلے آ کر کٹ گئی تھی..... یا گال کا گوشت اندر سے پھٹ گیا تھا۔ کیتھی کے منہ سے بے اختیار چیخ برآمد ہوئی۔ مگر اس پہ زندگی میں پہلی بار ہاتھ اٹھانے والا پال رکا نہیں تھا ویسے ہی دو تھپڑ کیتھی کو اور رسید کرنے کے بعد وہ اسے بازو سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے گیا۔ شور کی آواز سن کر ڈورتھ اور چھٹی پہ آیا ڈینیل بھی گھبرا کر کمروں سے نکل آئے تھے۔

"ڈیڈ۔" "دم بخود سا ڈینی، کیتھی کو باپ کے شکنجے میں پھڑپھڑاتے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا کہ اسے چھڑا سکے۔

"دور رہو اس سے..... ناپاک ہے یہ۔ مسلمانوں کی عبادت کر رہی تھی چھپ کر۔" پال غرایا تو ڈینی وہیں تھم گیا۔ اس نے پہلی بار غور کیا کہ کیتھی پورے بازوؤں والے مکمل لباس اور سر کے بالوں کو اسکارف سے لپیٹے ہوئے تھی۔ بالکل اپنی مسلم دوستوں کی طرح۔ ڈینیل کا دل ڈوب سا گیا۔ پال نے کیتھی کو گھسیٹ کر زمین پر پھینکا تھا۔

"مجھے مارک نے بتایا تو یقین نہیں کیا میں نے اس کی بات پر۔" پال اونچی آواز میں کہتے ہوئے رو پڑا۔ کیتھی اس کی بہت پیاری بیٹی تھی۔ وہ بیٹی جسے کبھی وہ خواہ مخواہ ڈانٹتا تک نہیں تھا اور آج اسے تھپڑوں سے مارنا پڑا۔ وہ بیٹی جو کمیونٹی میں ان کی ذلت کا باعث بننے والی تھی۔

"اسے یونہی شوق ہے اپنے مسلمان دوستوں کے مذہب کو جاننے اور اس کی پریکٹس کرنے کا۔ جیسے ہم دوسرے کئی مذاہب کو جسٹ فار فن پریکٹس کرتے ہیں کبھی کبھار۔" ڈینیل کو بہن کے الفاظ پر پورا یقین تھا۔ یہی تو کہا تھا کیتھی نے اس سے جب ڈینی کو اس کے کمرے سے قرآن کا نسخہ ملا تھا۔

"تم بتاؤ۔ کیتھی! تم ہمارے مذہب پر ہوتا؟ تم نے ہمارے منہ پہ ذلت کا نشان تو نہیں ڈال دیا؟" ڈورتھ اڑی رنگت کے ساتھ بے ربط انداز میں پوچھتی زمین پہ ساکت پڑی کیتھی کی طرف بڑھی تو اس نے تمام تر خوف کو پس پشت ڈال کر سر بلند کیا اور صاف آواز میں بولی۔

"کیتھی نہیں..... آمنہ..... ! یہ میرا مسلمان ہونے کے بعد کا نام ہے مام!"

اس چھوٹے سے فلیٹ کی چھت گویا ان تینوں نفوس کے سروں پہ آن گری تھی۔

☆☆☆

وہ مسلسل تین روز سے کیفے جا رہا تھا لیکن کیتھی کہیں بھی دکھائی نہیں دی تھی۔

"ملو گے تو ایک سرپرائز دوں گی۔" وہ دوستوں کے ساتھ ایک ہفتہ کے لیے تفریحی ٹور پر گیا ہوا تھا جب اسے کال کر کے کیتھی نے مسکراتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"یہ سچ سرپرائز ہے۔ گم ہی ہو گئی ہو بلکہ چھپ ہی گئی ہو۔" زیاد نے بڑبڑاتے ہوئے کافی کے پیسے بل کے ساتھ رکھتے ہوئے سیاہ فام ویٹرس کو اشارے سے بلایا اور اس سے کیتھی کے بارے استفسار کیا۔

www.pklibrary.com

''آئی ڈونٹ نو۔ وہ بنا بتائے غائب ہے چار دن ہو گئے۔'' ویٹرس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو زیاد پریشانی کے عالم میں وہاں سے اٹھ کر سیدھا کیتھی کے فلیٹ پہ گیا۔ لفٹ رکتے ہی وہ باہر نکلا اور کیتھی کے فلیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ سوچتے ہوئے ڈور بیل پہ ہاتھ رکھ دیا۔

دو بار بیل بجانے کے بعد وہ انتظار میں تھا جب کھٹاک سے دروازے کا لاک کھلا اور کسی اجنبی عورت نے دروازے کا چین لاک کھولے بنا ادھ کھلے دروازے سے ہی جھانکا۔

''کس سے ملنا ہے؟''

''کیتھ ...... کیتھی سے۔'' زیاد کنفیوز ہوا۔ یہ عورت کیتھی کی ماں یعنی ڈورتھ تو ہرگز نہ تھی۔

''یہاں کوئی کیتھی نہیں رہتی۔ ہم پرسوں شفٹ ہوئے ہیں یہاں۔'' اس عورت نے بتایا تو وہ سن رہ گیا۔

''یہ فلیٹ کس نے بیچا ہے آپ کو؟''

''ہم نے تو ایجنسی کے ذریعے خریدا ہے۔ براہ راست مکان مالک سے نہیں۔''

زیاد کے پوچھنے پر اس عورت نے بتایا۔

''کائنڈلی آپ مجھے اس ایجنسی کا ایڈریس یا فون نمبر دے سکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے انہیں علم ہو کہ ڈینیئل کی فیملی کہاں شفٹ ہوئی ہے فلیٹ بیچ کر۔'' زیاد نے التجائیہ انداز اپنایا تو اس عورت کو شاید اس کی شکل پر ترس آ گیا اس نے اندر سے ایک وزیٹنگ کارڈ لا کر زیاد کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''یہ لو...... اور ہاں۔ یاد رکھو اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔'' یہ آئندہ نہ آنے اور ڈسٹرب نہ کرنے کا اشارہ تھا۔ زیاد سر ہلا کر کارڈ تھامے اس کا شکریہ ادا کرتا واپس ہو لیا۔

☆☆☆

''میرا اعتماد قائم رکھنے کے لیے تھینکس۔'' میرب کو بستر پر لٹاتے ہوئے وہ حریم کی طرف پلٹا۔ حریم نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

''سچ بتاؤں تو سب کو تسلی دیتے ہوئے۔ تمہاری طرف سے مطمئن کرتے ہوئے میں خود اندر سے کہیں نہ کہیں بے اطمینانی کی کیفیت میں تھا۔ دل کو ایک دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں میرو کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی، چوٹ تو بچوں کو ویسے بھی لگ جاتی ہے نا کبھی کبھار۔'' وہ مدھم لہجے میں سچائی سے کہہ رہا تھا۔ حریم کو دکھ سا ہوا۔ لیکن جو کچھ میرب کے ساتھ ہو چکا تھا اسے یاد کرتی تو وہ حق پہ لگنے لگتا تھا۔

''میرو نے بہت انجوائے کیا ہے وہاں۔ طوبیٰ کے ساتھ تو اتنا کھیلی ہے کہ بس پھر تھک کر ہی سوئی۔''

''ان لوگوں کو بتایا ہے تم نے میرب کے متعلق۔''

''ابھی تو صرف یہی بتایا ہے کہ یہ میرے شوہر کی بیٹی ہے۔'' حریم اطمینان سے بولی تو وہ دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''اچھا...... پھر......؟''

''پھر یہ کہ اماں کو دکھ ہوا کہ میرا شوہر شادی شدہ ہے۔'' حریم نے مسکراہٹ دبائی اور مزید بولی۔ ''مگر میں نے انہیں یاد دلایا کہ تمام ہی شوہر شادی شدہ ہوتے ہیں اماں۔'' حریم کے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا اور اس روز پہلی بار حریم کو احساس ہوا کہ اس کا شوہر ایک ہینڈسم آدمی ہے اور ہنستے ہوئے بہت اچھا لگتا ہے۔

''میں چینج کر لوں، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' وہ نظریں چراتے ہوئے وارڈروب کی طرف بڑھی مگر اپنا ہاتھ اس کی گرفت میں پا کر وہیں ساکت رہ گئی۔ بے اختیار پلٹ کر اسے دیکھا۔

جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں

www.pklibrary.com

وہ سائے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم اقرار کرو
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں

وہ گمبھیر لہجے میں کہتا اسے سنسناہٹوں میں دھکیل گیا۔ بچی تو نہ تھی کہ اس حد درجہ التفات کا مطلب نہ سمجھتی۔

''مم..... میں کپڑے چینج کرلوں۔'' حریم منمنائی۔

''ان میں بھی اچھی لگ رہی ہو۔'' وہ اسے ہلکے سے کھینچ کر اپنے سامنے کھڑا کرتے ہوئے نرمی سے بولا۔

''میرے خیال میں ہمارا رشتہ جتنا مضبوط ہوگا، میرب اتنی ہی زیادہ محفوظ ہوگی۔'' حریم نے اس کی بات کو گہرائی سے سمجھتے ہوئے قدرے خفگی سے جواب دیا۔

''میرب ہمارے محض کاغذی رشتے کے دوران بھی بالکل محفوظ ہاتھوں میں ہی ہے۔''

''آہاں۔ بڑی سمجھ دار ہے ہماری مسز۔ پوری بات سمجھ گئیں فوراً۔'' وہ چمکتی آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ محظوظ کن انداز میں کہتا حریم کو کنفیوز کر گیا۔ اس کی ہتھیلیاں پسیجنے لگیں حریم کا ایک ہاتھ ابھی تک اس کے مضبوط ہاتھ کی حال دل بیان کرتی ہتھیلی میں مقید تھا۔ اسی وقت کسی نے زوردار آواز میں ان کے کمرے کا دروازہ بانو دھڑ دھڑا ہی دیا۔ وہ دونوں ہی چونک اٹھے۔ اس نے تیزی سے بڑھ کر دروازہ ان لاک کیا تو نزہت کو سامنے بکھری ہوئی حالت میں پا کر گنگ رہ گیا۔

''بھابی کا فون تھا۔ مائرہ کی طبیعت سخت خراب ہے۔''

''کچھ دیر پہلے ہی تو ڈراپ کیا تھا میں نے اسے۔ آپ حوصلہ کریں۔ ہوا کیا ہے اسے یہ بتائیں؟'' وہ ان کے شانے پہ بازو پھیلاتے ہوئے ان کے ساتھ ہی چلا گیا۔ حریم ابھی تک وہیں کھڑی صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

وہ منزلیں بھی کھو گئی ہیں
وہ راستے بھی کھو گئے
جو آشنا سے لوگ تھے
وہ اجنبی سے ہو گئے
نہ چاند تھا نہ چاندنی
عجیب تھی وہ زندگی
چراغ تھے کہ بجھ گئے
نصیب تھے کہ سو گئے
یہ پوچھتے ہیں راستے
کہ رکے ہو کس کے واسطے؟
چلو..... تم بھی چلو کہ!!
وہ مہربان..... کھو گئے

ایجنسی سے بھی اسے کیتھی کی فیملی کے بارے میں کوئی خاطر خواہ معلومات نہ مل سکی تھیں۔ وہ فوری طور پہ اس کی دوست عائشہ سے ملا مگر اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ زیادہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔ یہ کوئی چھوٹی سی بات نہ تھی کہ وہ نظر انداز کر دیتا۔ کیتھی کا بنا بتائے فیملی سمیت روپوش ہو جانا کم از کم اس کا سرپرائز نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اسلام قبول

www.pklibrary.com

کرنے والی تھی۔

کیا خبر اس کے گھر والوں کو علم ہو گیا ہو۔ ڈینیئل نے بھی تو اس کے پاس قرآن پاک کا ترجمہ دیکھ لیا تھا۔ تب تو بات دب گئی تھی، اب شاید وہ سب کی نظروں میں آ گئی ہو؟

''اوہ کیتھ! میں تمہیں کہاں ڈھونڈوں۔'' وہ جیسے ایک دم سے تنہا رہ گیا تھا۔ کسی اندھیری گپھا میں، جہاں صرف وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ہی مار سکتا تھا۔ پولیس کی مدد بھی اسی صورت میں لے سکتا تھا جب اکیلی کیتھی غائب ہوتی ہوتی۔ یہاں وہ لوگ باقاعدہ فلیٹ کو اپنی مرضی سے اونے پونے بیچ کر روپوش ہوئے تھے تو وہ کس پہ شک ظاہر کرتا؟

زیادہ بے بس تھا۔

☆☆☆

''شدید ٹینشن اور ڈپریشن کا شکار تھی وہ۔ ابھی ڈاکٹر انجیکشن لگا کر گئی ہے۔ اب سو رہی ہے۔'' اس نے نزہت کے بارہا کہنے پر مائرہ کا حال پوچھنے کے لیے کال کی تو فوزیہ نے اس کے ساتھ بھی سرد مہری سے بات کی۔

''یہ سب تمہارا قصور ہے۔ رل گئی میری بھتیجی۔'' نزہت فون بند ہوتے ہی رونے لگیں تو وہ زچ ہوا۔

''میں تو اسے بالکل صحیح سلامت چھوڑ کے آیا تھا۔''

''ہنستے چہروں کو کوئی دکھ نہیں ہوتا کیا؟ اس کا پروپوزل آیا ہوا تھا گھر پہ۔ اسی وجہ سے اسٹریس لیا ہے مائرہ نے۔ وہ تمہارے علاوہ کہیں اور شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ چیخیں تو سیڑھیوں کے پاس کھڑی حریم کا رنگ اڑ گیا۔

''اسے تو اب پھر بے وقوفی ہی کہا جا سکتا ہے۔ اگر زندگی آگے بڑھنے کا موقع دے رہی ہے تو اسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے نا کہ بستر پہ پڑ جانا چاہیے۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''جس تن لاگے وہی تن جانے بیٹا! اتنا ہی آسان ہوتا آگے بڑھ جانا تو وہ بھی بڑھ جاتی۔ کس چیز کی کمی ہے اس میں..... لیکن تمہاری بے وفائی لے ڈوبی ہے اسے۔'' نزہت کا اپنا ہی رونا تھا حریم دو قدم پیچھے ہٹی۔

''فار گاڈ سیک مما!'' وہ چڑ گیا۔ ''آپ تیروں کا رخ خواہ مخواہ ہی میری طرف کر رہی ہیں۔'' نزہت خاموشی سے ٹشو پیپر کے ساتھ آنکھیں صاف کرتی رہیں تو اس نے چند لمحے خود پر قابو پانے میں صرف کرنے کے بعد آگے بڑھ کر ماں کو بازو کے گھیرے میں لیا۔

''چلیں اب بس کریں۔ اپنی بھی طبیعت خراب کر لیں گی آپ۔ صبح ہونے دیں میں خود بات کرتا ہوں مائرہ سے۔''

انہیں کافی دیر تسلی دینے کے بعد وہ کمرے میں آیا تو حریم، میرب کے بالکل پاس کمفرٹر اوڑھے شاید سو رہی تھی۔ وہ گہری سانس بھرتا پراگندہ ذہن لیے چینج کرنے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد حریم نے آنکھوں پر سے بازو ہٹاتے ہوئے سینے سے گہری سانس آزاد کی تھی۔ زندگی ابھی نجانے کتنے روپ بدلنے اور رنگ دکھانے والی تھی۔ وہ اداس سی تھی۔

اور صبح اس کے مائرہ کو فون کرنے سے پہلے ہی خبر آ گئی کہ مائرہ نے خودکشی کر لی ہے۔ وہ دنگ ساغم سے نڈھال ہوتی نزہت کو سنبھالنے لگا۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

www.pklibrary.com

راشدہ رفعت

عید کا جوڑا

عید کی شاپنگ ایک بڑا مرحلہ، لیکن اس سے بھی بڑا مرحلہ اس خریداری کو اماں جی کو دکھانا ہوتا تھا۔ ساس کے تیوروں سے تو امبر عام دنوں میں بھی خائف رہتی تھی لیکن جب ان تیکھے تیوروں کے ساتھ طنز، تنقید اور طعنے بھی شامل ہوجاتے تو امبر کے اوسان بالکل ہی خطا ہوجاتے۔ اب بھی وہ اویس کے ہمراہ شاپنگ کر کے لوٹی تو سب سے پہلے سسرالی قائدے، قانون کے مطابق یہ شاپنگ اماں کے تخت پر ان کے سامنے ڈھیر کرنا پڑی تھی۔

وہ چیزیں دیکھتی جاتی تھیں، ساتھ ساتھ قیمتیں بھی دریافت کرتی تھیں۔ اویس کے کپڑے، جوتے تو بنا تبصرے کے دیکھ لیے۔ لاڈلی پوتی ڈھائی سالہ ایشال کی خریداری پر بھی کوئی خاص تبصرہ نہ کیا اور جب امبر نے ڈرتے ڈرتے اپنا عید کا جوڑا ان کے سامنے رکھا تو حسب توقع سب سے پہلے اس کی قیمت پوچھی گئی۔

"باون سو کا ملا ہے اماں جی۔" امبر نے تھوک نگلتے ہوئے دھیرے سے بتایا۔

"اوئی میرے اللہ، اتنا مہنگا جوڑا۔ ایسی کیا خاص بات ہے بی بی اس میں۔ ذرا سی کڑھائی ہی ہوئی ہے۔ نہ باون سو کا لان کا جوڑا، توبہ، توبہ، حد ہے فضول خرچی کی۔ کبھی ان ہزار میں گھر بھر کے جوڑے بن جاتے تھے اب صرف ایک جوڑے کی قیمت ہے پانچ ہزار دو سو روپے حد ہے بھئی۔" وہ بگڑے تیوروں سے بہو سے مخاطب تھیں۔ قریب بیٹھا اویس ہی بیوی کی مدد کو آیا۔

"فضول خرچی کا نام مت دیں اماں! ہاں مہنگائی کو ضرور دوش دے سکتی ہیں۔ کسی زمانے میں واقعی پانچ ہزار میں گھر بھر کے کپڑے بن جاتے تھے بلکہ شاید جوتے بھی ان ہی پیسوں میں آجاتے ہوں لیکن اب چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ جس برانڈ کا یہ جوڑا ہے، اس قیمت میں مل گیا غنیمت ورنہ آپ دوسرے کپڑوں کی قیمتیں سنتیں تو حیران رہ جاتیں۔" اویس نے مسکرا کر ماں کو مخاطب کیا۔

"ہاں تو بھیا! کہاں لکھا ہے کہ عید پر یہ موا برانڈز کا جوڑا ہی پہننا ہے۔ برا تو ماننا نہیں بیٹا! لیکن یہ فضول خرچی مجھے ہرگز پسند نہیں۔ پیسے درختوں پر نہیں اگتے کہ یوں بے محابا لٹائے جائیں۔ حد ہے بھئی باون سو کا لان کا جوڑا۔" ان کی تان پھر وہیں ٹوٹی تھی۔

"سلا، سلایا ہے اماں! ہزار بارہ سو درزی کی سلائی بھی تو لگی ہے نا۔"

امبر آنکھوں ہی آنکھوں میں شوہر کو منع کیے گئی لیکن راحت بیگم اس کی ماں تھیں۔ ساس تھوڑی جو وہ ان کے سامنے بات کرتے ہوئے جھجکتا سو ایک مثبت پہلو گنوایا۔

"یہ بھی صحیح کہی بھئی ہزاروں روپے تو موئے درزیوں کو ہی دے دیے جاتے ہیں۔ خود سلائی کر کے پہنا بہو بیگم کو گوارا ہی نہیں۔"

امبر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اویس سے ایک بار پھر التجا کی کہ وہ آگے سے کچھ نہ بولے۔ صد شکر کہ اس بار بات اس کی عقل میں سما گئی۔ اسی وقت

www.pklibrary.com

ایشال نے بھی ”فیڈل (فیڈر) پینا ہے ماما!“ کا نعرہ بلند کیا تو امبر اس مداخلت کو غنیمت جانتی جلدی سے منظر نامے سے غائب ہوئی۔ لیکن باون سو کے جوڑے پر اماں کی بڑبڑاہٹیں کافی دیر تک جاری رہی تھیں۔

”میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہی تھی، اتنا مہنگا جوڑا مت دلوائیں۔ اماں بہت ناراض ہوں گی۔ آپ نے میری ایک نہ سنی۔“ رات کو جب اپنے بیڈ روم میں شوہر کے ساتھ تنہائی میسر آئی تو وہ کہے بنا نہ رہ پائی۔

”عید کا موقع ہے یار! میں افورڈ بھی کرسکتا ہوں اور پھر کتنا پیارا سوٹ ہے۔ کہیں سے مہنگا نہیں

www.pklibrary.com

کوالٹی کی بھی قیمت ہوتی ہے زوجہ محترمہ! ورنہ تمہیں پتا ہے کہ نہ تم برانڈ کو کونشس ہو نا میں۔ ایک چیز آنکھوں کو بھلی لگی ہے، تب ہی خریدی ہے نا۔'' اویس رسانیت بھرے انداز میں اسے سمجھا رہا تھا۔

''اماں سمجھتی ہیں، میں بہت فضول خرچ ہوں۔'' ساس کی باتیں یاد کر کے امبر کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''اپنی جگہ اماں بھی غلط نہیں۔ چند برس پہلے تک تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ سوتی کپڑے اتنے بھی مہنگے ہو سکتے ہیں لیکن تم یہ بھی تو دیکھو کہ اچھی کوالٹی کا ایک جوڑا بنا کر تم اتنی بار پہنتی ہو کہ قیمت وصول ہو جاتی ہے۔ کہیں آنے جانے ملنے ملانے کے لیے وارڈ روب میں ایک دو اچھے سوٹ ہونا ہی چاہئیں یار اس میں کوئی حرج نہیں۔''

اویس اس کی دل جوئی کر رہا تھا۔ اس کی باتیں صداقت پر مبنی تھیں۔ امبر کا شمار دکھاوے کی شوقین خواتین میں ہرگز نہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن عید، تہوار اور دوسری خاندانی گیدرنگز میں دوسری خوش لباس خواتین کے سامنے کمتر رہنا بھی گوارا نہ تھا۔ چاہے عید پر جوڑا ایک ہی بناتی لیکن پسند اور ذوق کے مطابق ہی خریداری کرتی۔ آگے پیچھے کفایت شعاری کر کے وہ ٹھیک ٹھاک بچت بھی کر لیتی تھی۔ لیکن اماں نے آج تک اس کی کفایت شعاری پر تو اسے نہ سراہا تھا، اس کی فضول خرچی پر اسے ضرور آڑے ہاتھوں لیتی تھیں۔

وہ غیر جانب داری سے تجزیہ کرتی تو اماں کا مؤقف بھی اتنا غلط نہ لگتا لیکن کبھی دل کرتا کہ غیر جانب داری کا یہ مظاہرہ کرتے ہوئے اماں بھی تو اس کا موقف سمجھیں۔ اویس کی دل جوئی کی وجہ سے بہت دیر تک اماں کی باتوں کا غم دل میں نہ رہتا۔ اگر شوہر اویس جیسا ہو تو سسرال والوں کی تلخ و شیریں باتیں برداشت کرنا اتنا بھی مشکل نہ تھا۔ وہ ہر گھڑی اویس کی ہمراہی پر فخر کے ساتھ ساتھ شکر بھی کرتی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن اس کی دیورانی صبوحی اپنے شوہر کے ساتھ شاپنگ مشن پر نکلی تھی۔ صبوحی اور ارسلان کی شادی کو چند ماہ ہی ہوئے تھے یہ اس کی پہلی عید شاپنگ تھی۔ صبوحی اور امبر میں دیورانی جیٹھانی والی روایتی چپقلش نہ تھی بلکہ دونوں کے درمیان اچھے خاصے دوستانہ تعلقات تھے۔

صبوحی شاپنگ کر کے لوٹی تو امبر بھی شوق سے اس کی خریداری دیکھنے آئی۔ اس کی شاپنگ کا ڈھیر بھی ساس کے تخت پر پھیلا ہوا تھا۔ صبوحی نے عید کے دو جوڑے خریدے تھے۔ دونوں جوڑے بہت دیدہ زیب تھے۔ کلر کامبی نیشن بھی امبر کا پسندیدہ۔ اس نے بے ساختہ دیورانی کے سوٹوں کی تعریف کی تھی۔

''جوڑے واقعی اچھے ہیں لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ قیمت بھی نہایت مناسب۔ جتنی قیمت میں تم کل ایک جوڑا لے کر آئی تھیں، اس سے کم میں چھوٹی بہو دو سوٹ لے آئی۔''

اماں نے امبر کو جتایا تھا، اس نے بے یقینی سے صبوحی کو دیکھا، وہ آنکھوں سے مبہم سا اشارہ کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''چلو بھئی سمیٹو یہ پھیلاوا۔ میں وضو کر کے آرہی ہوں پھر میں نے اپنے وظائف پڑھنے ہیں۔'' راحت بیگم اٹھی تھیں۔

ان کے جانے کے بعد صبوحی مسکرا کر جیٹھانی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کل جو آپ کے ساتھ بیتی، میں نے تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اماں کو قیمت بتاتے ہوئے ڈنڈی ماروں گی۔ دیکھ لیجیے۔ کارگر رہا ناں میرا نسخہ آئندہ آپ بھی یہ ہی نسخہ آزمائیے گا۔ پھر دیکھیے گا نتیجہ۔''

صبوحی سرگوشی کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔ امبر بھی فقط مسکرا کر رہ گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ اس کی استانی ماں نے بچپن سے ہی سچ بولنے کی جو گھٹی اسے

www.pklibrary.com

پلائی تھی، اس کا اثر جاتا ہی نہ تھا۔ جھوٹ بولتے ہوئے زبان ایسے لڑکھڑا جاتی تھی کہ سامنے والے کو جھوٹ پکڑنے میں ذرا سی بھی دشواری نہ ہوتی۔ امی نے ہمیشہ یہ ہی سمجھایا تھا کہ سانچ کو آنچ نہیں اور جھوٹ کے پاؤں نہیں۔ جھوٹ تھوڑی دیر چل بھی جائے تو دھڑام سے گر پڑتا ہے۔ لیکن صبوحی کے نزدیک اس کا جھوٹ، جھوٹ نہیں بلکہ نظریۂ ضرورت کے زمرے میں آتا تھا۔

"ذرا سا جھوٹ بول کر سسرال والے راضی ہوجائیں تو یہ جھوٹ نظریہ ضرورت کہلاتا ہے امبر بھابھی۔"

شاید اس کے چہرے کے تاثرات کچھ ایسے تھے کہ صبوحی کو رسانیت بھرے انداز میں اسے سمجھانا پڑا تھا۔

نظریہ ضرورت کی اصطلاح سن کر امبر کو ماں کے بجائے باپ یاد آیا تھا۔ بچپن سے اب تک ابو جی کو اس نظریہ ضرورت کو کوستے ہی سنا تھا۔ ملک کے حالات تباہی کے جس دہانے پر پہنچ چکے تھے۔ ابو کے نزدیک وہ اس "نظریہ ضرورت" کی ہی کارستانی تھی۔ بہرکیف وہ اپنی تربیت اور اپنے والدین کے نظریات دیورانی پر مسلط نہ کرسکتی تھی سو مسکرانے پر اکتفا کیا۔

☆☆☆

اگلے روز صبوحی پھر شوہر کے ہمراہ بازار جارہی تھی۔ سوٹ کے ساتھ کا میچنگ جوتا جو وہ کل خرید کرلائی تھی۔ اب اسے اتنا آرام دہ محسوس نہ ہورہا تھا۔ اسے یہ جوتا تبدیل کروانا تھا۔

وہ ساس سے بازار جانے کی رسمی اجازت لینے آئی تو انہوں نے خوش دلی سے اجازت دے دی پھر جیسے انہیں کچھ یاد آیا۔

"بازار تو جارہی ہو بہو۔ یوں کرنا اپنے جیسے دو جوڑے اور خرید لانا۔ حنا کی عیدی بھی تو بھجوانی ہے۔ ہر سال تو بڑی بہو خرید کر لاتی تھیں لیکن انہیں تو خریداری کا ڈھنگ ہی نہیں۔ دکان داروں کو ان کی منہ مانگی رقم تھما کر آجاتی ہوں گی۔ کل تم کتنے بڑھیا جوڑے لائی ہو اور قیمت بھی بہت مناسب۔ میں نے کل ہی سوچ لیا تھا حنا کی عید کی خریداری تم سے ہی کرواؤں گی۔"

اماں نے اپنی بیاہی بیٹی کا تذکرہ کرتے ہوئے بٹوے میں سے پیسے نکالے تھے۔ ساس کی بات سن کر صبوحی کا چہرہ فق ہوگیا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر مدد طلب نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔ ارسلان نے "میں کیا کرسکتا ہوں۔" والے اسٹائل میں کندھے اُچکا دیے۔ صبوحی نے مرے مرے انداز میں ساس کے ہاتھ سے پیسے تھام لیے لامحالہ اسے اپنے پلے سے پیسے ڈال کر یہ خریداری کرنی تھی۔

قدرے فاصلے پر بیٹھی سبزی بناتی امبر دل ہی دل میں یہ سوچے بنا نہ رہ پائی کہ اسے اپنے عید کے جوڑے کی خاطر اماں کی چار باتیں تو سننی پڑی تھیں لیکن صبوحی کی نسبت اسے یہ جوڑا پھر بھی سستا ہی پڑا تھا۔

اپنے والدین کے جن نظریات پر کل سے اس کا یقین کچھ ڈانواڈول ہوا تھا، اب وہ پہلے کی طرح مستحکم ہوگیا۔ شانت انداز میں مسکراتی وہ پھر سے سبزی بنانے لگی تھی۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

www.pklibrary.com

نعیمہ ناز

ڈھیلے

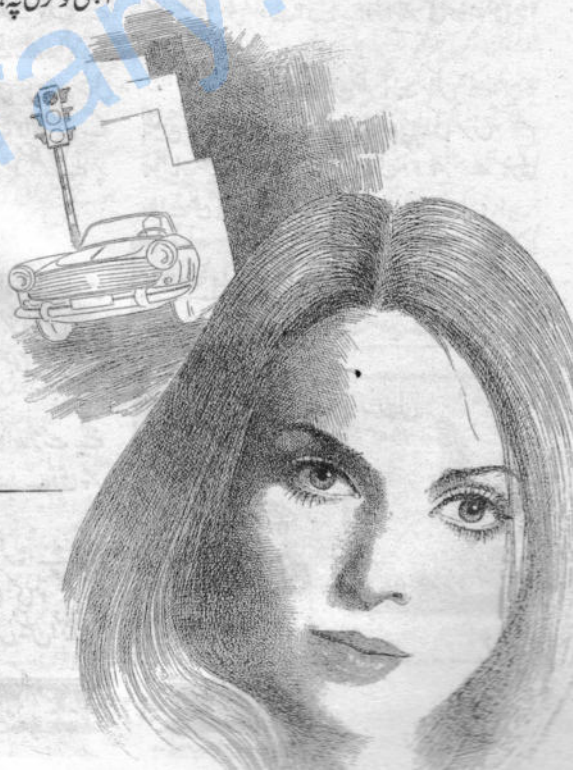

کھونٹی پہ ٹنگے کپڑے سارے ایک ایک کر کے نیچے پھینک رہا تھا۔ بنیانیں، شرٹس، ٹراؤزرز، قمیصیں، شلواریں، جینز...... سارے کپڑے نیچے پھینک کر اب اس ڈھیر کو غصے سے دیکھ رہا تھا تب ہی کھلے دروازے سے فائزہ نے جھانکا تھا۔

"تمہارے گھورنے یا غصہ کرنے سے یہ میلے کپڑے صاف نہیں ہو جائیں گے۔" بولتی ہوئی وہ اندر آ گئی۔

"ہفتے میں دو بار مشین لگتی ہے اس گھر میں، میرے کپڑے دھونے کی توفیق نہیں ہوتی کسی کو۔" ضامن چیخ چیخ گیا۔

"کسی کو سے کیا مراد ہے؟ گھر میں ایک ہی خاتون ہیں مہ ناز بھابھی۔ ان کا اپنا ٹبر بہت ہے۔ چھ بیٹے پھر یونس بھائی، اکیلی کام کرنے والی ہیں۔ کتنا کام کریں گی؟ کس کس کی ذمے داری لیں؟" فائزہ نے مہ ناز بھابھی کی حمایت کی۔

"آپا سے کہا تھا وہ بھی میرے کام بھول جاتی ہیں۔" دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر وہ پلنگ پہ بیٹھ گیا جس کی چادر اور تکیے کا غلاف میلا ہو رہا تھا۔ پلنگ پہ بچھی پتلی سی دری کھسک کر آدھی نیچے لٹک رہی تھی۔ جس نے پلنگ کے نیچے جمع گرد اور کچرے کو چھپا لیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ۔" ضامن نے سر کے بالوں میں انگلیاں پھنسائیں۔

"دنیا اتنی خود غرض کیوں ہے؟ میں آج اگر کسی اچھی نوکری پہ ہوتا، نوٹ کما رہا ہوتا اور اپنی کمائی اپنے

مکمل ناول

pklibrary.com

www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

بہن بھائیوں پہ خرچ کر رہا ہوتا تو یہ سب میرے آگے پیچھے گھوم رہے ہوتے، جو آج مجھے منہ بھی نہیں لگاتے۔"

"ضامن! پہلی بات تو یہ کہ ساری دنیا خودغرض نہیں ہے، بس تمہارے آس پاس چند رشتے ایسے ہیں مگر ایمان داری سے اپنا احتساب کرو تو شاید وہ بھی تمہیں غلط نہ لگیں۔ تم مستقل مزاجی سے کہیں نوکری نہیں کرتے، ہر جگہ کسی نہ کسی بات پہ جھگڑا کر کے یا ناراض ہو کے کام چھوڑ دیتے ہو اور تمہارے کاموں کی ذمے داری نہ تمہاری بھابھی پر ہے نہ آپا پہ۔ وہ لوگ اپنے ہی بکھیڑوں میں الجھی ہوئی ہیں۔ اب تمہاری طرف سے کچھ رقم کا آسرا ہوتا تو اس خدمت گزاری پہ کوئی نہ کوئی تیار ہو ہی جاتا۔ ویسے میں بغیر پیسوں کے تمہارے کاموں کی ذمے داری اٹھا سکتی ہوں۔ بشرطیکہ تم خود کو اس کا اہل ثابت کرو۔" فائزہ کی آواز میں ذرا سی شوخی اور شرارت لہرائی۔

"تمہارے ابو کا معیار اتنا ہائی فائی ہے کہ میں کبھی بھی اس پہ پورا نہیں اتر سکتا یا پھر وہ اس معیار پہ مجھے پورا اترنے ہی نہیں دیں گے۔" ضامن کی آواز میں مایوسی اور تھکن تھی۔

"وہ میرے ابو، تمہارے پھوپھا بھی ہیں اور ان کا کوئی ہائی فائی اسٹینڈرڈ نہیں ہے۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم ٹک کے نوکری کرو اور گھر کی حالت درست کرلو۔"

فائزہ نے اس کی رات کو اوڑھنے والی چادر اٹھائی، جس کا حال بچھانے والی چادر سے مختلف نہیں تھا۔ اس چادر کو بچھا کر وہ میلے کپڑوں کی گٹھڑی باندھنے لگی۔

"گھر کی کیا حالت درست کروں؟ سب تمہارے سامنے ہے، پچاس سال پرانا بنا ہوا گھر ہے۔ کتنی ہی مرمت اور لیپا پوتی کرلو، ہر جگہ سے حالت خستہ ہے۔ میں اکیلے اسے نئے سرے سے نہیں بنوا سکتا اور صابر بھائی، اکرام بھائی کی ساری دلچسپی یہ ہے کہ اسے بیچ کر ان کے حصے کی رقم دے دی جائے۔ کل بھی یونس بھائی سے منہ ماری ہوئی تھی۔ دونوں کی، آپا جان بھی ان کی حمایتی تھیں، گھر بکے گا تو انہیں بھی حصہ چاہیے۔"

"اچھا تم ٹک کر کہیں جاب تو کرو۔ یہ سب معاملات بعد میں بھی سیٹل ہو سکتے ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ تمہاری جاب ہے۔"

"میں کام چور یا نکما نہیں ہوں، بس مجھ سے ناانصافی برداشت نہیں ہوتی اور میں کسی کرپشن کا حصہ نہیں بن سکتا۔" ضامن نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ پاکستان ہے ضامن! تیسری دنیا کا ایک ترقی پذیر ملک، یہاں قدم قدم پہ ناانصافی بھی ملے گی اور کرپشن بھی۔ تم کس خوش فہم دنیا میں رہتے ہو؟"

"تو کیا غلط کو غلط نہ کہوں، خود بھی اس غلاظت کا حصہ بن جاؤں؟" ضامن کا مزاج کچھ تو شروع سے ہی ایسا تھا اور کچھ حالات نے تلخیاں اس کے اندر بھری دی تھیں۔

"اچھا بس، ہر جگہ اگر غلاظت ہے تو کوئی نہ کوئی کونا صاف ستھرا بھی ہے، اسے بھی دیکھ لیا کرو اتنے تلخ اور مایوس نہ ہو، ماموں اگر حیات ہوتے تو بچپن کی طرح تمہارا کان پکڑ کر کہتے سدھر جا ارے انسان کا بچہ بن۔"

فائزہ نے گزرے وقت اور لوگوں کو یاد کیا۔ وہ مسکرائی اور ضامن کے لبوں پہ بھی ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"اگر ابو زندہ ہوتے تو شاید سب کچھ اور سب لوگ اتنے برے نہیں ہوتے جتنے کہ اب ہیں۔"

☆☆☆

پلیٹ میں موجود دال کی حالت زار بتا رہی تھی کہ دو لقموں کی دال کو پانی ڈال کر بارہ پندرہ لقموں کے لائق بنایا گیا ہے۔ ضامن نے کڑھتے ہوئے اس رقیق آمیزے میں وہ ڈیڑھ روٹی توڑ توڑ کے ڈالی اور ملا کر کھانے لگا۔

"ہاں بھئی چھوٹے، کیا ہوا نوکری کا؟ سنا ہے انٹرویو دے کر آیا ہے؟" یونس بھائی نے کان میں

www.pklibrary.com

تیلی گھماتے ہوئے ضامن کو مخاطب کیا۔

''ایک دو دن میں پتا چل جائے گا۔'' ضامن نے روٹی کے آخری لقمے بھی زہر مار کیے اور پانی کا گلاس اٹھایا۔

''کام کرنا ضروری ہے یار، تو خود دیکھ مہنگائی کیسے آسمان سے بھی اوپر چلی گئی ہے۔ ہم غریبوں کا تو جینا حرام ہو گیا ہے۔'' بولتے بولتے انہوں نے تیلی کان سے نکال کر کان کے اوپر اٹکائی۔

''سب دیکھ رہا ہوں، اسی دنیا میں رہتا ہوں۔'' ضامن نے پانی کا گلاس رکھا اور ٹرے اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

''اچھا بھلا پولیس میں نوکری دلوا رہا تھا شبیر۔ ایک ہی بار دو لاکھ دینے تھے، کچھ عرصے میں ہی واپس آ جاتے۔''

''کیسے واپس آتے، رشوت لے لے کر؟'' ایک تیکھی نظر بڑے بھائی پہ ڈال کر وہ پلٹ گیا۔

''ابے تو ساری دنیا حرام کھا رہی ہے، تو لے لیتا تو کیا قیامت آ جاتی؟''

''ہاں ساری قیامت تو میرے نوٹ نہ کمانے سے آ رہی ہے۔'' برتن کچن میں رکھتے ہوئے ضامن نے تنک کر جواب دیا۔

''ابے تو ڈھوئے کا ڈھوئے ہو گیا لم ڈھینگ کہیں کا۔ کمائے گا نہیں تو کیا ساری عمر مفت کی روٹیاں توڑتا رہے گا؟'' یونس بھائی بھی گرم ہو گئے۔

''کیا روٹیاں توڑ رہا ہوں؟ سوکھی ہوئی، جلی ہوئی کبھی ایک کبھی ڈیڑھ روٹی اس کے ساتھ سالن ہو یا دال سبزی، ایک گلاس پانی ڈال کر دے دیا جاتا ہے۔ ناشتے پہ چائے کے ساتھ دو پاپے دے کر بڑا احسان کیا جاتا ہے۔ اپنے کمرے کی صفائی میں خود کرتا ہوں، جھاڑو خود لگاتا ہوں، میلے کپڑے خود دھوتا ہوں۔'' ضامن بڑے بھائی کے سامنے پھٹ پڑا۔

''اس مہنگائی میں ہم کیا مرغ مسلم اڑا رہے ہیں؟ شکر کر جو روکھی سوکھی مل رہی ہے اور رہی بات تیرے کاموں کی تو چار پیسے کما، تاکہ تیرا بیاہ کریں۔ یہ سب کام تیری بیوی ہی کر سکتی ہے اور کون کرے گا؟'' یونس بھائی آج ضامن کی طبیعت صاف کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

''ابھی نوٹ کما رہا ہوتا تو سارے کام ہو جاتے۔''

''ہاں، سارے کام ہوتے، کیوں نہیں ہوتے۔ دنیا پیسے کی ہے پیارے، اگر کوئی ملازمہ رکھے گا تو وہ بھی تنخواہ کے عوض کام کرے گی۔ گھر والی اور گھر والے بھی تب کام کریں گے جب انہیں خرچا پانی دے گا۔ نکموں، نٹھلوں کو آج کل سگے والدین نہیں پال رہے، لات مار کر نکال دیتے ہیں، کوئی اور کیا پالے گا؟ حالات دیکھ رہا ہے، مہنگائی کا کیا عالم ہے، ساری اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا ہے۔ احساس، مروت، ایثار، محبت، سگے رشتوں کے درمیان سب ختم ہوتا جا رہا ہے۔'' یونس بھائی نے اسے آئینہ دکھایا۔

''آپ کو تو بس تقریر کرنے کا موقع چاہیے۔'' ضامن چڑ کر باہر نکل گیا۔

باہر وہی دکانیں، مکانات، لوگ، روشنیاں، گاڑیاں اور گہما گہمی تھی، لوگ آ رہے تھے، جا رہے تھے، کھا پی رہے تھے، ہنس بول رہے تھے۔

اور شاید اس ہجوم میں کوئی ایسا بھی ہوگا۔ میری طرح مایوس ناکام، ناامید اور نامراد ہو؟ اس نے آتے جاتے چہروں کو غور سے دیکھ کر ان کا اندرون کھوجنے کی کوشش کی، مگر فقط چہروں سے کسی کے دل کا حال پتا لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، چہرے تو دھوکا بھی دیتے ہیں۔ ضامن بنا رکے، مسلسل چل رہا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف مختلف مہنگے ساز و سامان سے بھری دکانیں، خریداروں کے ہجوم سے بھی بھری ہوئی تھیں۔ سڑک پر قیمتی اور چھوٹی بڑی گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔

کتنی دولت ہے لوگوں کے پاس اور ان ہی کے بیچ ہم جیسے غریب بھی ہیں۔ بلکہ چاروں طرف ہم غریبوں کے درمیان یہ دولت مند ہیں۔ تھوڑے سے

www.pklibrary.com

مٹھی بھر امیر، ہم غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنی دولت میں اضافہ کرتے ہیں ہم وہیں کھڑے رہ جاتے ہیں یا پہلے سے بھی بدتر حالت میں چلے جاتے ہیں۔ ضامن نے اپنے اٹھتے ہوئے قدموں کو دیکھا، لنڈے سے لیے ہوئے جوتے اب داغِ مفارقت دینے کو تھے۔

جب کوئی ساتھ نہیں تو تم بھی کب تک ساتھ نبھاؤ گے؟ ضامن نے پھٹے جوتے کے سوراخ سے جھانکتے انگوٹھے کو مخاطب کیا۔ وہ اس وقت مایوسی اور قنوطیت کی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا تھا نہیں، نہ اتنا قنوطی نہ اتنا چڑچڑا اور نہ ہی اتنا ناکارہ اور غیر ذمے دار، نہ اتنا نکما نکھٹو اور بے روزگار، جتنا سب نے سمجھ لیا تھا، مشہور کر دیا تھا۔

دو سال پہلے تک جب وہ آنرز کر رہا تھا اور امی حیات تھیں تب حالات اتنے تلخ نہ تھے۔ لوگ بلکہ گھر والے اتنے سنگ دل نہ تھے۔ وہ خود کو ایسا لاچار، بے سہارا اور تنہا خیال نہ کرتا تھا جیسا کہ اب سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی۔ بی ایس کے بعد ماسٹرز کا سال مکمل نہ ہو سکا۔ امی کی بیماری اور پھر انتقال نے اسے شدید یاسیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اخراجات کا بھی بہت مسئلہ ہو گیا تھا۔ سمسٹر کی فیس اس کی استطاعت سے باہر ہو گئی تھی۔ پونس بھائی نے فیس کے حوالے سے بالکل ہی ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ رشتے دار بھی نہ اتنے خوش حال تھے نہ دیالو کہ اس کی مدد کرتے، ویسے بھی جب سگے بہن بھائیوں نے منہ موڑ لیا تھا تو کوئی اور کیا منہ لگاتا۔

بس یونہی وقت گزر رہا تھا۔ نوکری کبھی کرتا، کبھی چھوڑ دیتا وہ سوال جو گھر والے پوچھتے تھے اس کا جواب خود ضامن کو بھی نہیں معلوم تھا کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟

ماضی، حال اور مستقبل کو سوچتا یونہی الجھا الجھا آج وہ اتنا پیدل چلا کہ جب واپس گھر پہنچ کر بستر پہ لیٹا تو پیروں کے تلوے بری طرح دکھ رہے تھے۔ دل تو چاہا کہ نیم گرم پانی میں نمک ملا کر، پیر اس میں ڈال کر بیٹھ جائے مگر پھر ایک تلخ یاد نے دامن پکڑا وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ ایک بار کھانے میں معمول کے مطابق شوربا زیادہ اور نمک کم تھا وہ نمک ڈالنے لگا تو بھابھی نے فوراً جتلایا۔

''احتیاط سے ڈالنا، پندرہ روپے کی ہو گئی ہے نمک کی تھیلی، سب سے سستی یہی ہے۔ ورنہ میں، چالیس روپے کی بھی ہیں۔ ویسے بھی زیادہ نمک کھانا صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔''

ضامن نے وہ چٹکی بھر نمک بے بسی سے دیکھا جسے چھڑک کر وہ نقصان عظیم کا محمل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

علی الصبح اٹھ کر وہ پہلے نیچے سے بالٹی بھر کے پانی لایا، غسل خانہ تو اوپر تھا مگر فٹنگ میں یا پائپ میں کوئی مسئلہ ہو گیا تھا۔ اوپر کے نلکے میں پانی ہی نہیں آتا تھا۔ اب مسئلے کا حل اگر چاہیے تو رقم خرچ کر کے ٹھیک کروالو، نلکا بھی اور پائپ بھی، وگرنہ نیچے سے بھر بھر کے لاتے رہو اور فی الحال تو ضامن کے پاس یہی آپشن تھا جسے وہ استعمال کرنے پر مجبور تھا۔ پانی بھر کے لایا، فٹافٹ نہایا، ایک کپ چائے اور دو پاپے کھا کر تر نت گھر سے نکل گیا۔

آج نوکری کا پہلا دن تھا اور فرسٹ امپریشن از دی لاسٹ امپریشن کا مقولہ کہیں اور صادق آئے نہ آئے کم از کم نوکری کے پہلے دن کے لیے تو سچ ہی تھا۔ مگر ضامن کا جلدی جلدی گھر سے نکلنا بھی کام نہ آیا۔ راستے میں ٹریفک جام تھا۔ سارے جتن بے کار گئے ہر کوشش ناکام رہی، جس ویگن میں وہ بیٹھا تھا، کوئی آدھ پون گھنٹہ وہ ٹریفک جام میں پھنسی رہی بالآخر خدا خدا کر کے ڈیوٹی پہ پہنچا تو دس منٹ لیٹ تھا۔ جاب کے پہلے ہی دن، پہلے ہی گھنٹے، انچارج کے سامنے اس کی پیشی تھی۔

''پہلے دن ہی دس منٹ لیٹ؟ یہاں ایک منٹ کی دیر بھی اہمیت رکھتی ہے پیسے کٹ جاتے ہیں۔'' جلال سر نے جتایا۔

www.pklibrary.com

"سر ٹریفک میں پھنسا ہوا تھا۔" ضامن کے چہرے پہ خجالت اور شرمندگی تھی۔

"ایک گھنٹہ پہلے نکلو یا چار گھنٹے پہلے، جاب پہ ٹائم پر آؤ گے تو جاب رہے گی اور آپ بھی رہو گے۔"

واضح الفاظ میں وارننگ دے کر پہلے دن تو چھوڑ دیا گیا۔ ضامن نے جان اور نوکری بچنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔

اگلے روز وقت سے بہت پہلے ہی نکل گیا تو ڈیوٹی ٹائم پر پہنچ ہی گیا اور آنے والے دنوں میں جیسے تیسے کبھی جلدی، کبھی دیر سے اور کبھی بالکل عین وقت پہ وہ ڈیوٹی پہ حاضر ہو جاتا اور ہر روز دل ہی دل میں اپنے آپ سے عہد کرتا کہ پہلی سیلری ملتے ہی کسی سے ادھار پکڑ کر ایک نئی موٹر سائیکل خریدے گا یا پھر سیکنڈ ہینڈ جو اچھی کنڈیشن میں ہو۔ امی کے زمانے کی ایک بائیک تھی جو ضامن سمیت دوسرے بھائیوں کے استعمال میں بھی رہتی تھی۔ اب وہ اسکریپ بن چکی تھی۔

ان ہی خوابوں، خیالوں کے ساتھ وہ مہینہ پورا ہونے اور تنخواہ ملنے کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆

اتوار کا دن، دیر تک سونے اور آرام کرنے کے علاوہ بہت سارے کاموں کا بھی دن تھا۔ لہٰذا دوپہر تک بستر پہ اینڈنے کے بجائے وہ دس بجے ہی اٹھ بیٹھا، واشنگ مشین میں کپڑے، صابن اور سرف ڈال کر اسے چلا دیا۔ ہاتھ منہ دھو کر نیچے آیا تو فضا میں انڈے پراٹھے تلنے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ یونس بھائی اور روفی ناشتہ کر رہے تھے، بھابھی کچن میں تھیں۔

"آؤ بھئی لاٹ صاحب۔ ناشتہ کرو۔" یونس بھائی نے آواز لگائی۔ ضامن ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ایک نظر کچن میں آملیٹ تلتی بھابھی پہ ڈالی، جن کی تیوری کے بل خلاف توقع کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے۔ اور مہنگائی آٹے، گھی اور انڈے کی ہوش ربا قیمتوں پہ تبصرہ کرنے کے بجائے انہوں نے خاموشی سے پراٹھا بنایا آملیٹ تلا اور لا کر دسترخوان پہ رکھ دیا۔

کئی ہفتوں، بلکہ مہینوں بعد آج ضامن کو گھر میں انڈا پراٹھا نصیب ہوا تھا۔ گرم گرم خوشبودار سنہری آملیٹ اور کئی پرتوں والا نرم گرم پراٹھا، ایک بات تھی۔ بھابھی کا رویہ اور زبان جیسے بھی تھے۔ ان کے ہاتھ میں بہر حال ذائقہ تھا۔ جب ذرا دل اور محنت سے کچھ بناتیں تو خوش ذائقہ چیز بناتی تھیں۔

"کیسی چل رہی ہے نوکری؟ سیٹ ہو گیا؟" یونس بھائی نے سوال کیا۔

"کچھ ہو گیا، کچھ ہو جاؤں گا۔" ضامن اپنے پہلے لقمے میں خستہ پراٹھے اور نرم گرم ہری مرچ پیاز والے آملیٹ کا لطف اٹھایا۔

واہ رے پیسے تیری کرامات، آنے سے پہلے ہی اپنا اثر دکھا دیا۔ کھاتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔

"سیلری کب تک مل جائے گی؟" یونس بھائی کا اگلا سوال اسے خیالوں کی دنیا سے واپس کھینچ لایا۔

"دو تین روز میں مل جائے گی۔"

"بجلی کا بل رکھا ہوا ہے وہ بھروانا ہے۔" یونس بھائی نے بم چھوڑا۔

"بجلی کا؟ میں بھروں؟" ضامن کا سارا ناشتہ زہر ہو گیا۔

"ابے تو کیا تیرے فرشتے بھریں گے؟ ظاہر ہے کہ تو ہی بھرے گا۔ میں کون سا پوری سیلری مانگ رہا ہوں، گھر میں رہ رہا ہے، ساری ضرورتیں، کھانا پینا پورا کر رہے ہیں تیرا۔ بجلی، پانی، گیس، ساری سہولتیں استعمال کر رہا ہے۔ جب تک کام نہیں کر رہا تھا، مجبوری تھی، اب تو خیر سے کماؤ پوت ہو گیا ہے، کچھ تو سہارا بن، ہمارا ہاتھ بٹا۔"

یونس بھائی نے پراٹھے کے آخری نوالے کے ساتھ اپنی تقریر ختم کی۔

"کتنے کا بل ہے؟ ضامن کی تو بھوک اشتہا اور لطف سب ہی ختم ہو گیا۔" انڈا ـ پراٹھا یکا یک ہی کرکرا ہو گیا۔

"سو روپے کم چھ ہزار۔"

www.pklibrary.com

''چھ ہزار؟ تو سیلری میں سے بچے گا کیا؟'' وہ بلبلا اٹھا۔

''اتنی احتیاط کرتے ہیں پھر بھی یہ بل ہے، اگر بار بار بچوں پہ روک ٹوک نہ کروں تو اس سے ڈبل ہی آتا بل۔'' بھابھی نے لب کشائی کی اور شوہر کی مورل سپورٹ کے لیے آگے آئیں۔

''سیلری تو ملنے دیں پھر دیکھتا ہوں۔''

''دیکھنا نہیں، بھرنا ہے۔'' یونس بھائی نے اپنی بات پہ زور دیتے ہوئے گرم گرم چائے کا کپ منہ سے لگایا۔

''اب آ گئی بائیک۔'' ضامن ہاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے بائیک لینی ہے۔ روزانہ ویگنوں میں لٹک لٹک کر جاتا ہوں، کپڑوں کا حشر جو ہوتا ہے سو ہوتا ہے۔ اکثر لیٹ ہو جاتا ہوں۔ پہلا مہینہ ہے اور شروع میں ہی ساری ریپوٹیشن خراب ہو گئی ہے۔''

اب ضامن کی باری تھی اس نے جلے دل کے سارے پھپھولے پھوڑ کر پرامید نظروں سے بھیا، بھابھی کو دیکھا، شاید انہیں اس کی حالت زار پہ کچھ رحم آ جائے۔

''اگلے مہینے کر لینا بائیک کا بندوبست، اس ماہ تو بل بھرنا ضروری ہے۔'' بھائی نے ناک سے مکھی اڑادی۔

ضامن نے مزید کچھ کہنا فضول سمجھا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ واشنگ مشین کا بزر بج بج کر کب کا خاموش ہو چکا تھا۔ یہ شکر ہے کہ پائپ کی خرابی ٹھیک کروالی تھی بھائی نے۔ پانی اب اوپر کے ٹل میں بھی دستیاب تھا۔ غصے اور کوفت سے ناک تک بھرا ہوا وہ کپڑے نچوڑ نچوڑ کر مشین سے نکال رہا تھا۔ بھی برابر والے گھر کی چھوٹی سی دیوار سے فائزہ کا سر ابھرا۔

''کیا ہو رہا ہے سگھڑ خاتون؟'' فائزہ ہمیشہ کی طرح خوش باش ہشاش بشاش تھی۔

''کوئی فالتو بات نہ کرنا مجھ سے، میرا موڈ بہت خراب ہے۔'' ضامن نے اس سانولی سلونی پر کشش لڑکی کو نظر اٹھا کر دیکھا اور متنبہ کیا۔

''تمہارا موڈ اچھا ہوتا کب ہے؟ ہر وقت یا تو بارہ بجے ہوتے ہیں شکل پہ یا پھر ریڈ لائٹ جلتی رہتی ہے، خبردار آگے خطرہ ہے۔'' فائزہ کی ہنسی اگرچہ اس کے چہرے کی طرح پرکشش نہیں تھی مگر اس وقت تو یہ ہنسی ضامن کو انتہائی بری لگ رہی تھی۔

''چپ ہو کے بیٹھو، زہر لگ رہا ہے تمہارا ہنسنا۔''

''اگر میں نے بھی ہنسنا چھوڑ دیا تو تمہیں ساری دنیا ویران نظر آئے گی۔'' فائزہ نے پھر اپنی بتیسی کی نمائش کی۔

''کہاں سے سیکھ سیکھ کے آتی ہو ایسے ڈائیلاگ؟ یہ نہیں ہوتا کہ ذرا کام ہی کروالو، بندریا کی طرح دیوار پہ چڑھ کے تماشہ دیکھتی رہتی ہو۔''

''ہوا کیا ہے؟'' فائزہ نے اپنی ہنسی دبا کر سنجیدگی سے سوال کیا۔

اس کے سوال کے جواب میں ضامن نے ناشتے پہ ہونے والی ساری کتھا سنا دی۔

''اب بتاؤ، میں بائیک خریدوں یا بل بھروں۔ سیلری کوئی اتنی تھوڑی ہے، اپنے ایک دوست سے ادھار پکڑتا، پھر کہیں جا کر سیکنڈ ہینڈ بائیک آتی۔'' اس نے کپڑے یوں نچوڑے جیسے وہ کپڑے نہ ہوں اس کے مسائل ہوں۔

''ایک دو مہینے میں بائیک لے لینا پیسے جمع کر کے، بل بھرنا بھی تو ضروری ہے۔'' فائزہ کے مشورے پہ ضامن نے اسے گھور کے دیکھا۔

''تم ہمیشہ دوسروں کی ہی سائیڈ کیوں لیتی ہو، میں تمہارا کچھ نہیں لگتا؟ وہی سگے ہیں سب سے زیادہ؟''

''میں وہی بات کہتی ہوں جو مجھے ٹھیک لگتی ہے، گھر کی ذمے داریاں اور اخراجات پہلے ہیں، پھر دوسری چیزوں کا نمبر آتا ہے۔ یوٹیلیٹی بلز، گروسری بچوں کی پڑھائی، بیماری، خوشی غمی میں آنا جانا، تمہیں

www.pklibrary.com

کچھ اندازہ نہیں ہے گھر کا سربراہ اور ذمے دار، ان گن مسائل سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ کبھی کوئی چیز خراب ہوجائے، کبھی کچھ ہوجائے تو ایسے ایسے ناگہانی خرچے آجاتے ہیں، تم بس اکیلے اپنے آپ میں گم اور مگن ہو ان سب باتوں کا بالکل بھی آئیڈیا نہیں ہے تمہیں۔''

''تم تو بہت بڑی خاتون خانہ ہو، گھرداری کا کئی سالہ تجربہ رکھتی ہو جو مجھے لیکچر دینے بیٹھ گئیں۔'' ضامن بری طرح تپ گیا۔

''گھر میں ابو، امی کو دیکھتی ہوں ہر ماہ چادر کے اندر پاؤں کرتے کرتے ادھ موئے ہوئے جاتے ہیں مگر پھر بھی بات نہیں بنتی۔ ہم چھ بہن بھائیوں کی پرورش، گھر کے سینکڑوں خرچے، تم نہیں سمجھ سکتے، اس مہنگائی کے طوفان میں لوگ گھر چلانے اور دو وقت کی روٹی کے لیے کیسے جتن کر رہے ہیں۔'' فائزہ سچ مچ سنجیدہ ہوگئی۔

''ہاں ایک میں ہی خود غرض اور اندھا ہوں اور تم سمیت باقی سب بہت سمجھ دار، بے غرض اور کفایت شعار ہیں۔'' ضامن نے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ بالٹی پٹخی اور منہ بنا کر کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''اپنا ساتھ دینے والے لوگوں کو سمجھنے کی، ان کے مسائل جاننے کی کوشش کیا کرو تم، ہر کسی کے ساتھ کوئی نہ کوئی پریشانی لگی ہوئی ہے۔''

''اور میں؟ میں پریشان نہیں ہوں کیا؟ میرے بھی کچھ خواب ہیں خواہشات ہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ میں بھی بس ایک کیڑے مکوڑے کی طرح ایسی ہی زندگی بسر کروں گا جیسی میرے آس پاس لوگ بسر کر رہے ہیں۔ بتاؤ کیا میرے خواب کبھی پورے نہیں ہو سکتے!'' ضامن جذباتی ہوکر بول رہا تھا اس کے چہرے کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی سرخی چھلکنے لگی تھی۔

''کون سے خواب؟ وہ جو تم نے ایک دن بتائے تھے، بنگلہ، گاڑی، آرام اور آسائشیں؟ یہ صرف تمہارے نہیں، شاید ہر انسان کا خواب ہوتے ہیں جس کے پاس یہ سب نہیں ہے مگر خواب دیکھنے کے ساتھ ساتھ حقیقت کی دنیا میں بھی رہنا ضروری ہے ہوسکتا ہے تمہارے خواب پورے ہوجائیں اور ہوسکتا ہے نہ ہوں، تمہیں کوشش اور محنت کرنی چاہیے۔ مگر دونوں باتوں کے لیے تیار بھی رہنا چاہیے۔''

فائزہ کی عمر اور تجربہ اتنا نہیں تھا مگر زندگی اور حالات نے گھر بیٹھے بیٹھے بھی اسے آگہی اور شعور بخشا تھا۔

''کیا کوشش اور کیا محنت؟'' ضامن کے لبوں پہ ایک تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ادھوری تعلیم کے ساتھ کتنی ہی محنت کرلوں جائز اور حلال کمائی سے وہ سب حاصل نہیں کرسکتا جس کے خواب دیکھتا ہوں۔''

''کتنی مایوسی اور ناامیدی کی باتیں کرنے لگے ہو، پہلے تو ایسے نہیں تھے کتنا ہنستے تھے۔ کتنا بولتے تھے مذاق کرتے تھے۔'' فائزہ بھی آج شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''بندۂ مزدور کے اوقات اور بندہ مزدور کی اوقات، اتنی تلخ ہوگئی ہے کہ ہنسی اور مسکراہٹ کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں بچی۔''

''لوگ ان ہی حالات میں جی بھی رہے ہیں مسکرا بھی رہے ہیں تم کچھ زیادہ ہی قنوطی اور جذباتی ہو رہے ہو۔''

فائزہ نے فتویٰ صادر کیا اور ساتھ ہی جانے کا عندیہ دیا۔ دھوپ بھی تیز ہو رہی تھی۔ مزید دو چار تسلیاں اور آنے والے اچھے وقتوں کے سہانے خواب دکھا کر وہ چل دی۔

☆☆☆

فائزہ سیڑھیاں اتر کر نیچے صحن میں آئی جہاں امی اچار کا سامان لیے بیٹھی تھیں۔

''کہاں ہو تم، اوپر کیا کر رہی تھیں، یہ لو ذرا انہیں دھوپ لگانے کو رکھ آؤ۔''

امی نے دھلے ہوئے مسالے اسے دیے، کلونجی، میتھی دانہ، رائی، سونف، دھنیا، وہ دوبارہ

www.pklibrary.com

سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی اوپر آئی اور مسئلوں کو مناسب جگہوں پر رکھا۔

ضامن دھلے ہوئے کپڑے الگنی پہ پھیلا رہا تھا۔

''بیسٹ آف لک۔'' ضامن کی طرف فقرہ اچھالتی ہوئی وہ واپس پلٹ گئی، جہاں امی اس کے لیے مزید کاموں کی لسٹ لیے بیٹھی تھیں۔

''کپڑوں کا گٹھر بندھا رکھا ہے۔ کب تہہ ہوں گے، کب ٹھکانوں پہ پہنچیں گے؟'' امی نے دھلے ہوئے کپڑوں کی بابت سوال کیا۔

''شام میں کردوں گی۔'' فائزہ نے سستی دکھائی۔

''شام میں نہیں، ابھی کروفٹافٹ اور پہلے فریزر سے چکن نکال کر بھگودو۔'' امی اب اپنا بٹوہ ہاتھ میں لیے اسے کھولے کچھ حساب کتاب لگانے میں مگن تھیں۔

''سدرہ کا فون آیا تھا، ایک آدھ گھنٹے میں آجائے گی۔'' امی نے ساتھ ہی ساتھ بڑی بیٹی کی آمد کا مژدہ سنایا۔

''آپا آرہی ہیں؟ کتنی دیر میں آئیں گی؟'' مارے خوشی کے فائزہ کی باچھیں کھل گئیں۔ اپنی دونوں ننھی منی بھانجیوں میں تو اس کی جان تھی۔

''آجائے گی، تم کام نمٹالو۔'' امی پھر سے بٹوے میں موجود نوٹ گننے میں منہمک ہوگئیں، جیسے بار بار گننے یا حساب لگانے سے وہ زیادہ ہوجائیں گے۔

فائزہ نے فٹافٹ چکن نکال کر بھگوئی، کپڑے تہہ کرکے الماریوں میں رکھے۔ پھر دوبارہ امی کے پاس آگئی۔ کیا حکم ہے میرے آقا؟''

''لہسن ادرک چھیل لو، پسا ہوا تو اب ذرا سا رہ گیا ہے اور پیاز بھی چھیل لینا، وہ بھی تھوڑی سی رہ گئی ہوگی، سبزی والا آئے تو دھیان رکھنا، پیاز اور ہرا مسالہ لینا ہے۔'' امی نے بٹوہ بند کرکے تکیے کے نیچے رکھ دیا تھا۔ اب فائزہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔

ذرا دیر میں سدرہ مع اپنے مجازی خدا اور دو ننھی منی پریوں کے ہمراہ آن پہنچی، ان کے پیچھے پیچھے ردا اور نمرہ بھی کالج سے آگئیں۔ پورے گھر میں یکا یک ہی شور شرابا، ہنگامہ، باتیں اور قہقہے گونجنے لگے، فائزہ سارا کام چھوڑ چھاڑ بھانجیوں کے لاڈ پیار اور دلار میں لگ گئی یہی حال ردا اور نمرہ کا تھا، بمشکل یونیفارم تبدیل کرکے ہاتھ منہ دھوئے اور فائزہ کے ساتھ کار خیر میں شریک ہوگئیں۔

''شربت بنالو پہلے، پھر کھیل لینا بچوں کے ساتھ۔'' امی نے نرمی اور آہستگی سے فائزہ کو ٹوکا۔

''اوہ سوری امی، یہ تو بھول ہی گئی۔'' فائزہ کچن میں گئی اور اسکواش بنالائی۔ اسکواش کی بوتل بھی قریب الختم تھی اور چینی بھی اختتام پذیر، بہرحال چار گلاس تو بن ہی گئے۔ وہ جگ میں ڈال کر لے آئی اسامہ بھائی (بہنوئی) اور سدرہ کو دیا۔

''بچوں کو نہ دینا فائزہ! بڑی مشکل سے ان کی کھانسی اور نزلہ ٹھیک ہوئے ہیں۔'' سدرہ نے فائزہ کو منع کیا۔

''اچھا!'' فائزہ نے جگ گلاس وہیں چھوڑے، اور کچن میں آگئی۔ پیچھے پیچھے امی بھی آگئیں۔

''بریانی بنالوں؟''

''چکن کم پڑے گی۔ بریانی کے لیے تو زیادہ گوشت چاہیے، مہینے کا آخر ہے، کچھ منگوانا بھی مشکل ہے۔ تم ایسا کرو مٹر پلاؤ اور چکن کڑاہی بنالو۔ ردا، سلاد اور رائتہ بنالے گی، روٹیاں تو تھوڑی سی بنیں گی۔''

امی اسے ہدایات دے کر چلی گئیں فائزہ پہلے مٹر پلاؤ بنانے لگی ساتھ ساتھ گزرے وقت کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔ سدرہ کی شادی کو چھٹا سال تھا۔ پہلے بیٹی داماد کی آؤ بھگت میں امی ابو کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ ہمیشہ اچھے اچھے عمدہ قسم کے پکوان ہی بنتے تھے۔ میٹھا لازمی ہوتا تھا۔ کھانے کے بعد سدرہ کو باندھ کر بھی دیا جاتا، اب دو ڈھائی برس سے مہنگائی اتنی زیادہ ہوگئی تھی خصوصاً کھانے پینے

www.pklibrary.com

کے بنیادی لوازمات غریبوں کے لیے تو ان کا حصول مشکل تھا ہی مگر متوسط طبقے کے لیے بھی اپنی رہی سہی وضع داری قائم رکھنا بہت مشکل بہت کٹھن ہو گیا تھا۔

فائزہ کا گھرانہ بھی انہی گھرانوں میں سے ایک تھا۔ آمدنی اور اخراجات میں توازن قائم رکھنے کی کوشش میں دونوں میاں بیوی بری طرح چکرا جاتے۔

گھر داری پہاڑ کاٹنے کے مترادف اور مہمان داری جوئے شیر نکالنے کے برابر ہو رہی تھی۔ بیٹی داماد اگر ہر چھٹی کے دن آجاتے تو ان کا سارا بجٹ تلپٹ ہو جاتا، اب پہلے کی طرح ہر بار بریانی نہیں پکتی تھی، میٹھے کا بھی کبھی ناغہ ہو جاتا بس کسی نہ کسی طرح سفید پوشی کا بھرم رکھا ہوا تھا۔

☆☆☆

سورج ہر روز نکلتا ہے، ہر روز صبح ہوتی ہے مگر دنیا کے ہر فرد کے لیے یہ اجالا، یہ سویرا الگ الگ معنی اور اہمیت رکھتا ہے آج کا سورج طلوع ہوا تو اس کی چمکتی دمکتی سنہری کرنوں میں ضامن کے لیے خوشی کا پیغام تھا۔

بہت سویرے اٹھ کر وہ دل لگا کر تیار ہوا تھا اور مقررہ وقت سے بھی بہت پہلے ڈیوٹی کے لیے نکل گیا تھا۔ آج سیلری ملنی تھی۔ پورے ماہ کی محنت کا صلہ ویگنوں میں دھکے کھانے اور ٹریفک میں خوار ہونے کا صلہ۔

آج اسے ایک مہینے کی ساری کلفتوں کا معاوضہ ملنے والا تھا اور دنیا کے ہر فرد کے لیے کوئی نہ کوئی تاریخ اہمیت رکھتی ہے مگر ساری دنیا کے تنخواہ دار طبقے کے لیے سب سے اہم وہ تاریخ ہوتی ہے جس دن تنخواہ ملتی ہے۔ ضامن کا دل نہ جانے کون کون سے منصوبے بنا رہا تھا ایک طویل لسٹ تھی، ضروریات اور خواہشات کی مگر وہ خود کو صبر اور انتظار کی تلقین بھی کر رہا تھا۔

رات گئے گھر واپس آیا تو گھر میں نیچے محفل جمی تھی، آپا آئی ہوئی تھیں۔ گھر کا بڑا کمرہ جو بیک وقت ڈرائنگ روم ٹی وی لاؤنج، لونگ روم اور ڈائننگ روم کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔ اس وقت وہاں دسترخوان سمیٹنے کا آغاز ہو رہا تھا۔ سب لوگ کھانا کھا چکے تھے۔

''بڑی دیر کر دی آج۔ کیا سیلری ملنے کا جشن منا رہا تھا باہر؟'' یونس بھائی نے اسے دیکھتے ہی فقرہ اچھالا۔

''کب سے انتظار کر رہے تھے تمہارا، اتنی دیر میں کھانا کھایا ہے۔'' آپا نے بھی فوراً شکوہ کیا۔

''اوور ٹائم کر رہا تھا اسی لیے دیر ہو گئی۔'' ضامن جوتے موزے اتار کر پہلے ہاتھ منہ دھونے چلا گیا۔ واپس آیا تو دسترخوان اس کے لیے دوبارہ بچھ گیا تھا۔ پائے تھے اور تندور کی روٹیاں۔

''پہلی تنخواہ ملی ہے، بغیر مٹھائی کے ہی آ گیا؟''

''اور میری مٹھائی کا ڈبا تو الگ لے کر آنا، میرے گھر پر۔'' آپا نے جھٹ سے فرمائش کی۔

''کل سب کو مٹھائی کھلا دوں گا آپا، ابھی تو میں کہیں رکا ہی نہیں راستے میں، سیدھا گھر آ گیا۔'' لقمہ توڑتے ہوئے ضامن نے رسان سے جواب دیا۔

کھانے کے بعد کچھ دیر نیچے بیٹھا پھر اوپر آ گیا آج خلاف توقع اس کا کمرہ کافی صاف لگ رہا تھا۔ کمرے میں جھاڑو لگی ہوئی تھی۔ بکھرے ہوئے کپڑے کھونٹی پہ لٹکے تھے۔ کمرے کی دیواروں اور کونوں کھدروں سے مکڑی کے جالے اور دھول مٹی سب غائب تھے۔ پلنگ کی چادر اور تکیے کا غلاف بھی صاف ستھرے تھے۔

کپڑے بدل کے سونے کے لیے لیٹا تو بہت عرصے بعد اس کے اندر سکون اور خوشی کا سماں تھا باوجود اس کے کہ ابھی وہ بجلی کے بل کی رقم یونس بھائی کو دے کر آیا تھا۔ آپا، بھابھی اور بچوں کے ہاتھ پہ بھی کچھ پیسے رکھے، بائیک خریدنے کے لیے تھوڑا انتظار کرنا تھا اسے، پھر بھی اس کی مایوسی ناامیدی اور افسردگی بہت حد تک کم ہو گئی تھیں۔

انسان کی جیب خالی ہو تو دل اندیشوں، وسوسوں اور پریشانیوں سے بھرا ہوتا ہے جیب بھری

www.pklibrary.com

ہوئی ہو تو سارے اندیشے، وسوسے، پریشانیاں بھاپ بن کر اڑ جاتے ہیں۔ اپنے بڑے بڑے خوابوں کو ایک طرف کر کے وہ چھوٹی سی خوشی میں ہی بہل گیا تھا۔

☆☆☆

اگلا دن چھٹی کا تھا اور آج بہت سارے کام تھے۔ سب سے پہلے مٹھائی کا ڈبا آپا کے گھر پہنچایا۔ پھر پڑوس میں پھپھو کے گھر بھی مٹھائی لے گیا ورنہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فائزہ ہی طعنے دے دے کر اس کا جینا حرام کر دیتی۔ وہاں سدرہ اپنے شوہر کے ہمراہ آئی ہوئی تھی۔ سب کزنز نے گرم جوشی سے اور پھوپھا نے حسب عادت سنجیدگی سے مبارک باد دی۔ پھوپھو نے خوشی کا اظہار کیا۔

شربت کا گلاس پی کر وہ اٹھنے لگا تھا۔

"ارے کھانا کھا کر جانا، پڑوس میں رہتے ہوئے بھی کئی کئی ہفتوں میں آتے ہو جیسے پھوپھو کا گھر نہ ہو کوئی غیر ہو۔" پھوپھو نے اسے روکا بھی اور ٹوکا بھی۔

"جی اچھا!" ضامن سعادت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔

"کیا پکایا ہے؟" چپکے سے فائزہ سے سوال کیا۔

"کریلے اور چنے کی دال۔"

"کیا؟" ضامن کے منہ پہ بارہ بج گئے۔ "یہ لوگ کھا لیتے ہیں اس طرح کی چیزیں؟" اس کا اشارہ سدرہ اور اس کے شوہر کی جانب تھا۔

"بہت شوق ہے ان ہی کی فرمائش پہ تو پکا ہے۔" فائزہ مزے سے بولی۔

"بے وقوف بنا رہی ہو۔" ضامن اس کی مسلسل مسکراہٹ پہ مشکوک ہوا۔

"میری کیا مجال جو بنے بنائے کو مزید بناؤں۔" ضبط کرتے کرتے بھی فائزہ کی ہنسی نکل گئی۔ ضامن خجل سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کریلے چنے کی دال سن کر تمہاری شکل کیسی ہو گئی تھی؟"

"ایسی چیز کا نام سن کر سب کی شکل ایسی ہی ہو جاتی ہے۔" ضامن نے اپنا دفاع کیا۔

"کوئی نہیں، ابو تو اتنے شوق سے کھاتے ہیں۔ فرمائش کر کے پکواتے ہیں۔" فائزہ نے اس کے دفاع کو چیلنج کیا۔

"اوہ تو یہ سارے اثرات کریلوں کے ہیں، جو مزاج اور زبان پہ آ گئے ہیں۔" اب ضامن کی باری تھی اسے زچ کرنے کی۔

"خبردار، میرے ابو ہیں وہ۔" فائزہ نے تنبیہی انگلی اٹھائی۔

"فائزہ! پودینے کی پتیاں توڑ دیں؟" پھوپھو کچن سے آ رہی تھیں۔

"جی امی ابھی توڑ رہی ہوں۔" فائزہ وہاں سے کھسک لی۔

"اور سناؤ، کیسی گزر رہی ہے؟" پھوپھو ضامن کے پاس بیٹھ کر حال احوال دریافت کرنے لگیں۔

☆☆☆

میرج ہال روشنیوں سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ ہر طرف رنگین پیراہن اور آنچل لہرا رہے تھے۔ رنگ، روشنی، خوشبو، چہار طرف پھیلے ہوئے تھے۔ لوگ ہنس رہے تھے، مسکرا رہے تھے، باتیں کر رہے تھے، بچوں نے الگ رونق لگائی ہوئی تھی۔ ضامن اکتایا سا بیٹھا تھا۔ رشتے داروں کے ہاں شادی میں آیا ہوا تھا۔ سب سے سلام دعا کر کے ایک طرف بیٹھا انتظار کر رہا تھا کہ کب بارات آئے گی؟ کب نکاح ہوگا، کب کھانا کھلے گا اور کب وہ لوگ گھر واپس جائیں گے۔

صبح ڈیوٹی پہ جانا تھا۔ کچھ دیر اپنے موبائل میں مگن رہنے کے بعد اسے بھی اکتا کر بند کر دیا۔ بھوک کے مارے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ پانی پینے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ موبائل بجنے کی آواز آئی یہ اس کے فون کی گھنٹی نہیں تھی، مستقل بج رہی تھی اور آواز قریب سے ہی آ رہی تھی۔ ضامن نے آس پاس دیکھا فلاورز ارینج منٹ میں جھانکا تو چمکتی ہوئی اسکرین نظر آئی۔ ضامن نے موبائل اٹھا کر کال اٹینڈ کی۔

www.pklibrary.com

دوسری جانب سے نسوانی آواز آئی۔

"یہ میرا فون ہے، مجھ سے مس ہو گیا تھا۔ آپ کون ہیں اور کہاں ہیں؟" ایک ہی سانس میں وہ ساری باتیں کہہ گئی۔ ضامن نے اپنی لوکیشن بتائی اور موبائل ہاتھ میں لے کر وہیں کھڑا ہو گیا۔

چند منٹوں بعد تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی جو ہستی اس کے قریب آئی اسے دیکھ کر ضامن بے اختیار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

یہ ثروت تھی اس کی سگی ماموں زاد بہن، ماموں کب کے فوت ہو چکے تھے۔ کچھ عرصہ قبل ممانی بھی دنیا سے رخصت ہوئیں ان کے بچے اپنے ذرا ہائی اسٹیٹس کے ساتھ الگ تھلگ دنیا بسائے ہوئے تھے۔ کسی خوشی غمی میں بس رسم دنیا نبھانے کو ذرا دیر آ جاتے، ضامن کے گھر آخری بار وہ اس کی امی کے فوت ہونے میں آئے تھے۔

آج اس تقریب میں بھی بس سب سے بڑے بھائی انس بھائی جان کو سلام کر کے وہ اپنی جگہ آ کر بیٹھ گیا تھا۔ سارے بہن بھائی بہت لیے دیے انداز میں ملتے تھے۔ ثروت بھی ان ہی میں سے ایک تھی اور اس وقت اس کا لہجہ اور رویہ پہلے سے مختلف نہ تھا۔

"تھینک گاڈ میرا موبائل مل گیا، لاسٹ ویک ہی نیا خریدا تھا۔" ضامن سے موبائل لیتے ہوئے اس نے پہلے اپنے فون کا جائزہ لیا پھر ضامن کا۔

"تم ضامن ہو نا؟ سلمیٰ پھپھو کے بیٹے۔"

"جی، (شکر ہے پہچان لیا)!"

"تھینکس اگین، تم نے ایمان داری دکھائی ورنہ اتنا مہنگا اور برانڈ نیو موبائل ہے، رکھ بھی لیتے تو کسی کو کیا پتا چلتا۔"

"ہر غریب نہ لالچی ہوتا ہے نہ چور اچکا۔" ضامن کو اس کا اس طرح کہنا برا لگا۔ وہ جواب دیے بغیر نہ رہ سکا۔

"اوہ!" ثروت نے ہونٹ گول کیے اور اسے بغور دیکھا۔ وہ لمبے قد اور مضبوط سراپے کا مالک تھا۔ خوش شکل تھا، گھنے براؤن بال لاپروائی سے پیشانی پہ بکھرے ہوئے تھے کرتا شلوار اور واسکٹ میں خاصا متاثر کن لگ رہا تھا۔

"تم پہلے سے کافی بدل گئے ہو۔ میں نے تمہیں آخری بار کب دیکھا تھا؟" وہ سوچنے لگی۔

"اپنی شادی سے پہلے آپ ایک بار ہمارے گھر آئی تھیں امی کے سوئم میں۔" ضامن کو یاد تھا۔

"اوہ ہاں!" ثروت کے چہرے پہ نہ جانے کیوں ایک سایہ سا لہرا گیا۔

"تمہیں میری بات بری لگی تو سوری، میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا نہ ہی تمہیں ہرٹ کرنا چاہتی تھی۔" ثروت نے مزید کہا۔

"اٹس اوکے۔"

"ویسے، کیا کرتے ہو تم؟"

"جاب کرتا ہوں۔"

"اچھا اور رہائش؟ وہیں اسی پرانے گھر میں؟"

"جی، کورنگی کے اسی پرانے گھر میں جہاں آپ لوگ اپنے بچپن میں ماموں جان کے ساتھ آیا کرتے تھے۔"

"تمہیں یاد ہیں بچپن کی باتیں؟" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"تھوڑی تھوڑی ماموں ہمیشہ کچھ نہ کچھ لے کر آتے تھے سب کے لیے پھل، مٹھائی، چاکلیٹس اور آپ کے اور سطوت کے ہیئر کلپس ہمیشہ ہی گر جاتے تھے اور جاتے وقت آپ لوگ جلدی جلدی ڈھونڈتی تھیں، کبھی کلپس مل جاتے تھے کبھی آپ لوگوں کے جانے کے بعد صفائی میں امی کو ملتے تھے وہ اٹھا کر رکھ دیتی تھیں اور انس بھائی ایک بار اپنا گٹار لے کر آئے تھے۔" ضامن کو بے اختیار ہی کچھ باتیں یاد آئیں اور وہ کہہ بیٹھا۔

"بچپن کا دور اچھا ہوتا ہے، کوئی غم ہوتا ہے، نہ فکر، نہ پریشانی۔" ثروت کے لہجے میں کچھ غیر معمولی تھا، ضامن چونک اٹھا، کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ حمزہ بھائی آ گئے۔

www.pklibrary.com

''تمہارا موبائل مل گیا؟''

''جی بھائی جان! ضامن کو ملا تھا، یہاں بھول گئی تھی میں۔'' ثروت نے فلاور ارینج منٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے بھائی کو بتایا۔

''تھینکس یار!'' ضامن کو دیکھ کر وہ رسمی سا مسکرائے، اس کا کندھا تھپتھپایا اور آگے بڑھ گئے۔

''تمہارے گھر میں ایک نیم کا درخت بھی تھا نا۔ اس میں جھولا ڈلا رہتا تھا۔'' ثروت نے یاد دلایا۔

''اس پر سارے بچوں کی لڑائی ہوتی تھی پھر سب کی باریاں لگتی تھیں اور جس کی باری ہوتی تھی وہ جھولے میں بیٹھ جاتا تو اترنے کا دل نہیں چاہتا تھا۔'' ضامن مسکرایا ثروت کرسی گھسیٹ کر وہیں بیٹھ گئی۔

دونوں کتنی دیر تک بچپن کی یادوں اور پرانی باتوں کو تازہ کرتے رہے۔ جب ثروت وہاں سے اٹھی تو اس نے اپنے سیل فون میں ضامن کا نمبر محفوظ کر لیا تھا۔''

☆☆☆

شام کا ملگجا سایہ پوری طرح پھیل چکا تھا۔ پرندے چہچہاتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے اور دن بھر کی محنت مشقت کے بعد تھکے ہارے لوگ بھی یا تو سواریوں میں بیٹھے اپنی اپنی منزلوں کی جانب گامزن تھے یا پھر بس اسٹاپوں پہ کھڑے اپنی مطلوبہ سواریوں کے انتظار میں تھے۔

ان ہی میں ضامن بھی تھا۔ وہ دور سے آتی ہوئی ویگن کا نام پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسی کے روٹ کی ہے یا کوئی اور ہے تبھی ایک کار اس کے قریب آ کر رکی۔

''ضامن!'' مانوس آواز میں اپنا نام سن کر وہ چونک اٹھا، گردن موڑ کر دیکھا تو ڈرائیونگ سیٹ پہ ثروت بیٹھی تھی۔

''آجاؤ، میں چھوڑ دیتی ہوں۔'' اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

''آپ کو زحمت ہوگی، میں چلا جاؤں گا۔'' ضامن ہچکچایا۔

''جلدی کرو، زیادہ دیر گاڑی کھڑی نہیں کر سکتی یہاں۔'' ثروت نے اس کی بات ان سنی کر کے حاکمانہ انداز اپنایا۔

ضامن چپ چاپ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔ ایئر کنڈیشنڈ کار تھی۔ ہوا کی طرح سڑک پہ بھاگ رہی تھی۔ ثروت بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ ضامن خود بخود مرعوب ہونے لگا۔

قسمت بھی کیا چیز ہے جیسے پارس، پتھروں جیسے شخص کو بھی سونا بنا دیتی ہے۔ ماموں کی قسمت چمک اٹھی تو کاروبار چمک اٹھا اور ان کے بچوں نے بیٹھے بٹھائے خوشحالی کا منہ دیکھ لیا۔ یہ ٹھاٹ باٹ، آسائشیں سہولتیں، سب تقدیر کی مرہون منت ہیں، جن کے لیے کم از کم اس لڑکی نے تو کوئی محنت نہیں کی۔

ضامن نے سوچتے سوچتے ایک نظر ثروت پہ ڈالی۔ جدید انداز میں ترشے اور رنگے ہوئے بال، بیش قیمت لباس اور ویسے ہی جوتے، گوری رنگت، میک اپ سے چمکتا ہوا چہرہ مجموعی طور پہ وہ پرکشش شخصیت کی مالک تھی جس میں کچھ کشش اس کے بیک گراؤنڈ کی تھی اور کچھ اس کی اپنی۔

''ہمیشہ ہی اتنے خاموش رہتے ہو یا آج ہو؟'' ثروت کے سوال پہ اپنے خیالات میں محو وہ چونک اٹھا۔

''کیا بات کروں؟''

''وہی بچپن کی باتیں ہی بتا دو جو تمہیں یاد ہیں اس دن تمہاری باتیں سن کر بہت مزا آیا تھا مجھے، کچھ دیر کو تو یوں لگا جیسے میں واپس اسی دور میں پہنچ گئی ہوں۔'' ثروت بے ساختہ بول رہی تھی۔

''عموماً بچپن کا دور اکثریت کا ایک جیسا ہی ہوتا ہے بے فکر، معصوم، کھیل کود سے عبارت، الجھنوں اور پریشانیوں سے دور، یہ سب تو ہم بڑے ہو کر حاصل کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کی جوانی بھرپور ہو حسن، دولت، طاقت، خوشیاں، کامیابیاں، انہیں اپنا بچپن

www.pklibrary.com

اتنا فیسی نیٹ کیوں کرتا ہے؟'' ضامن نے حیران ہو کر صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

ضروری نہیں کہ جو کچھ جیسا نظر آتا ہو۔ وہ ویسا ہی ہو۔ تمہیں کیا معلوم کس کے پاس کیا ہے؟ اور کن خوشیوں سے وہ محروم ہے؟ میرے پاس دنیا بھر کی دولت ہو تب بھی بچپن کی ایک بے فکر مسکراہٹ اور کوئی چھوٹی سی مگر سچی خوشی اس دولت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔'' ثروت کی نگاہیں سامنے سڑک پر تھیں مگر ذہن نہ جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔

''اور اگر میرے پاس دنیا بھر کی دولت ہو تو میں اپنا سارا بچپن ایک طرف رکھ دوں۔'' ضامن بے ساختہ ہی بولا تھا۔

''کیا کرو گے اتنی دولت کا؟''

''وہ سب کچھ جس کی مجھے تمنا ہے۔ سہولت، آرام، آسائش سب کچھ۔'' ضامن کے لہجے اور آنکھوں میں حسرتوں کا جہان تھا۔

''دولت سے بہت کچھ مل سکتا ہے مگر خوشی ملتی ہے نہ سکون۔'' ثروت نے گاڑی موڑی اب ٹوٹی پھوٹی سڑکوں، گرد و غبار اور درمیانے درجے کے علاقے کا آغاز ہو رہا تھا۔

''اور یہ دونوں تو غربت میں بھی نہیں ملتیں۔ پیسہ جیب میں نہ ہو تو خوشی اور سکون تو دور کی بات، عزت بھی نہیں ملتی۔'' ضامن کا لہجہ ذرا تلخ ہو چلا تھا۔

''بہت ناخوش ہو زندگی سے؟'' ثروت نے ایک نگاہ اس پہ ڈالی۔

''ناخوش نہیں تو، خوش بھی نہیں ہوں، بس اپنے خوابوں کے ساتھ جیے جا رہے ہیں اور حقیقت کی دنیا کچھ اور ہے۔''

گاڑی ایک دھچکے سے اس کے گھر کے سامنے رکی تھی۔

''آجائیں، چائے وائے پی لیں۔'' ضامن نے گاڑی سے اترتے ہوئے اسے آفر کی۔

''چلو، میں آتی ہوں۔'' ثروت گاڑی لاک کرنے لگی۔

گھر میں بھابھی کے پاس آپا بیٹھی ہوئی آلو چھیل رہی تھیں۔ ان کا گھر قریب ہی تھا۔ دن میں کئی چکر لگا لیتی تھیں۔ ثروت کو غیر متوقع گھر میں دیکھ کر حیرت سے ان کا منہ کھل گیا۔ مگر فوراً ہی اپنی حیرت پہ قابو پا کر انہوں نے خوش اخلاقی اور خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا۔

ثروت تو تھوڑی دیر بیٹھ کر چائے وغیرہ پی کر چلی گئی اور آپا جان ضامن کو پکڑ کر بلکہ جکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''یہ مہارانی کہاں ٹکرا گئی تمہیں؟''

''افوہ بتا تو دیا تھا، اب کیا بار بار وکیلوں کی طرح جرح کر رہی ہیں؟'' ضامن جھنجلا گیا۔

اس دن شادی میں بھی بہت چپک رہی تھی۔ پہلے تو کبھی منہ نہیں لگایا اتنا، اب اتنی مہربان کیوں ہو رہی ہے؟'' آپا جان کا سوالیہ لہجہ دراصل خود کلامی تھی۔

''کیا پتا ضامن میں اپنا دوسرا شوہر نظر آ رہا ہو طلاق یافتہ لڑکی، کتنی ہی خوب صورت ہو یا دولت مند ہو، ایک اچھا شوہر ملنا ذرا مشکل ہی ہوتا ہے۔'' بھابھی نے اپنے قیاس کے گھوڑے دوڑائے۔

''ان کے ملازم بھی اس سے اچھے سرونٹ کوارٹرز میں رہتے ہیں، کیوں فضول باتیں کر رہی ہیں آپ لوگ؟'' ضامن اچھا خاصا چڑ رہا تھا ان عورتوں کی باتوں بلکہ اندازوں اور قیاس آرائیوں سے جو بغیر رائی کے بھی پہاڑ بنانے میں ماہر تھیں۔

''امیر لوگ ہیں، گھر داماد بھی بنا سکتے ہیں۔''

''اف ف ف!'' ضامن وہاں سے اٹھ ہی گیا۔

''ان عورتوں کے دماغ اور ان کی زبانیں دونوں ہی ایک دوسرے کو مات دیتے ہیں کوئی بتا نہیں سکتا۔ دونوں میں سے تیز کیا ہے؟'' جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کا غصہ بھی تیز ہو رہا تھا۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

مسہری کی چادر ٹھیک کر کے تکیے کا دوسرا غلاف چڑھا رہی تھیں۔ جب مجازی خدا نے انہیں مخاطب کیا۔

''سدرہ اور اسامہ کوئی رشتہ بتا رہے تھے فائزہ کے لیے؟''

''ہاں! اسامہ نے ذکر کیا تھا کہ اس کے دوست کی والدہ لڑکیاں دیکھ رہی ہیں بیٹے کے لیے تو اسامہ نے فائزہ کا ذکر کیا ہے ان سے۔''

امی کا لہجہ سرسری تھا مگر ابو جان اس معاملے کو سرسری نہیں لے رہے تھے۔

''اگر اسامہ کہے تو بلوا لو انہیں، وہ لڑکی کو دیکھ لیں، ہم بھی دیکھ لیں گے لڑکے کو، کچھ سمجھ میں آیا اور اللہ نے بات بنائی تو اس لڑکی کے فرض سے بھی فارغ ہوں۔''

''فائزہ تو بچپن سے ہی ضامن کی.....''

''بچپن کی باتیں بچپن کے ساتھ ہی رخصت ہو گئیں۔ ابھی تو اس لڑکے کی نوکری لگی ہے، گھر بنائے گا، پھر شادی کرے گا، ہم کب تک اپنی لڑکی کو بٹھا کر رکھیں گے، پیچھے دو اور ہیں۔''

ابو کا لہجہ قطعی تھا وہ مزاجاً سخت اور حاکمیت پسند انسان تھے۔ گھر کے اہم معاملات اور فیصلہ سازی میں ان کی بات اور ان کا کہا حرف آخر تھا۔ امی جان خاموش ہو گئیں کہ شوہر کی حکم عدولی ان کے بس کی بات نہیں تھی پھر ضامن کی حمایت میں ان کے پاس کوئی دلیل بھی تو نہ تھی۔

اگلے روز داماد کو فون کر کے وہ اس لڑکے کے متعلق معلومات حاصل کر رہی تھیں۔

☆☆☆

بجلی اپنے معمول کے مطابق غائب تھی۔ کچھ دیر مچھروں سے کشتی لڑنے کے بعد ضامن کمرے سے باہر آ گیا۔ کھلی چھت پہ بس ایک اس کا کمرہ اور آگے ذرا برآمدہ سا بنا ہوا تھا۔ باقی پوری جگہ کھلا صحن تھا۔

یہاں آ کر وہ پلنگ پہ لیٹ کر آسمان دیکھنے لگا۔ اس شہر کے آسمان کی ساری شفافیت دھویں اور آلودگی سے دھندلا گئی تھی پھر بھی نیلگوں تھا اور جامنی آسمان میں اب بھی ایک کشش تھی۔ آج تو چاند بھی پورا تھا اور یوں چمک رہا تھا کہ جیسے کسی خوش نصیب کی قسمت، بھوکا چاند کو دیکھتا ہے تو اسے روٹی کا خیال آتا ہے۔ اور میرے جیسے لوگ اسے تقدیر سے تشبیہ دیتے ہیں۔

چاروں طرف پھیلی چاندنی کو دیکھتے ہوئے ضامن بے اختیار مسکرا دیا۔ سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر لیٹا ہوا وہ بادلوں سے آنکھ مچولی کرتے چاند کو دیکھتا رہا۔ اور ذرا دیر کو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل دماغ، ہر قسم کی فکرات سے آزاد اور پریشانیوں سے پاک ہے اپنا آپ بہت ہلکا پھلکا اور پرسکون لگ رہا تھا۔

اگر ایسا ہی سکون اور اطمینان رہے زندگی میں تو کیا بات ہے؟ خوش نصیبی اصل میں یہی ہے شاید۔

ضامن نے اجلے چاند پر نگاہ جمائی اور اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ سامنے پڑی۔ فائزہ دیوار کی دوسری طرف اپنی چھت پر کھڑی تھی۔

''کیسی ہو؟'' ضامن مسکرایا۔ اس وقت اس کا موڈ خود بخود خوش گوار ہو چلا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔ مگر حالات کچھ ٹھیک نہیں جا رہے ہیں۔'' فائزہ بہت بجھی بجھی سی ہو رہی تھی۔ اس کی شوخی اور شگفتگی اس وقت ماند تھی۔

''خیریت؟ کیا ابو جان سے ڈانٹ پڑ گئی یا امی سے؟'' ضامن مسکرایا۔ فائزہ کے معاملات بس اسی طرح کے پریشان کن ہوتے تھے۔ ابو امی سے ڈانٹ پڑ گئی۔ نمرہ سے لڑائی ہو گئی۔ چہرے پر پمپل (دانہ) نکل آیا۔ ٹیسٹ کی تیاری اچھی نہیں ہوئی یا آج سالن اچھا نہیں پکا۔ غیرہ وغیرہ۔

''کل کچھ مہمان آ رہے ہیں مجھے دیکھنے۔'' فائزہ نے تمہید میں الفاظ اور وقت ضائع کیے بغیر ڈائریکٹ مدعے کی بات کی۔

''اور انہیں بلایا کسے ہے؟ پھوپھا جان نے؟''

''ہاں۔'' فائزہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

ضامن اٹھ بیٹھا چند لمحے پہلے کا سکون اطمینان

www.pklibrary.com

سب غارت ہوگیا۔ خوشیوں کے پل اتنے مختصر کیوں ہوتے ہیں؟

"کیا کروں میں؟ آنے والوں کو روکوں یا مستقبل میں تمہیں کہیں جانے سے روکوں؟ کیا کرسکتا ہوں میں؟"

ضامن اٹھ کھڑا ہوا اور اس چھوٹی سی دیوار کے پاس آیا جو ان دونوں کے درمیان تھی اور یہ دیوار ہی نہیں۔ دونوں کے درمیان اور بھی بہت کچھ تھا۔ جو حائل تھا۔ اس میں شاید قسمت بھی شامل تھی۔

"پتا نہیں، مجھے خود بھی نہیں معلوم۔" فائزہ مضطرب ہوکر اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ پھوپھا کے خیالات اور فیصلوں میں بولنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی نہ گھر والوں نہ اندر باہر والوں کے۔

"مجھے کچھ وقت لگے گا خود کا اسٹیبلش کرنے میں گھر بنانا ہے۔ شادی کے لیے پیسے جمع کرنے ہیں۔ میرے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے۔"

ضامن نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا اور سچ ہمیشہ تلخ ہی محسوس ہوتا ہے۔ ضامن کے سچ کی تلخی فائزہ کے اندر تک پھیل گئی۔

"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا کسی بات سے؟"

"تم چاہتی ہو کسی فلم یا ڈرامے کے ہیرو کی طرح ڈائیلاگز بولوں تم سے؟ اگرچہ ان سے بھی حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی۔" ضامن نے ایک گہری سانس لی۔

"مجھے فرق پڑتا ہے۔ جو بات تم نے بتائی ہے مجھے بہت فرق پڑے گا مگر ہمارے درمیان اس دیوار کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہے۔ اسے مجبوری کا نام دو، معاشی کمزوری کا، غربت کا، یا اسی طرح کا کوئی بھی معاملہ، پھوپھا جان تمہیں رخصت کرکے اس کھنڈر میں نہیں بھیجیں گے کرائے کا مکان اور اس کے ساتھ بڑے دوسرے اخراجات میں میری ساری سیلری ختم ہوجائے گی۔ کھانا تو دور کی بات پانی بھی نہیں پی سکتے کہ وہ بھی خرید کر پینا پڑتا ہے۔ اب تم بتاؤ میرے پاس کیا راستہ ہے؟" ضامن نے اس پر کشش چہرے کو دیکھا۔ جس کے ساتھ عرصے سے اس کے خواب وابستہ تھے۔ اگرچہ وہ عشق کے درجے اور عہدے پر فائز نہیں تھا مگر دل کو ٹھہرنے اور باندھنے کے لیے پسندیدگی اور محبت بھی کافی ہوجاتی ہے۔

"تم ابو سے بات کرکے انہیں کنوینس کرنے کی کوشش کرو۔" فائزہ نے کمزور سے لہجے میں مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے میں یہ کرکے دیکھ لیتا ہوں۔" ضامن نے ہامی بھری۔

فائزہ چلی گئی اور اپنے سارے وسوسے، خدشات، فکریں اور پریشانیاں ضامن کے پاس چھوڑ گئی۔ جو پلنگ پر چت لیٹا آسمان پر موجود بادلوں کی اٹھکیلیاں، ستاروں کی تابندگی اور چاند کی رخشندگی دیکھ رہا تھا۔ سب کچھ وہی تھا کچھ دیر پہلے جیسا مگر اب ضامن کچھ دیر پہلے والا نہیں رہا تھا اس کا سکون رخصت ہوگیا تھا اور اس کی جگہ اضطراب نے لے لی تھی۔

☆☆☆

اسکرین پر چمکتا نمبر اب مانوس ہوگیا تھا۔ ضامن نے کال اٹینڈ کی

"ہیلو۔"

"ہیلو، کیسے ہو؟ ڈسٹرب تو نہیں کیا میں نے؟" ضامن کی ہیلو کے جواب میں ثروت کی آواز آئی۔

"نہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا بلکہ اچھا ہی کیا کچھ دیر کے لیے اپنی الجھنیں فراموش کردوں گا۔"

"کیسی الجھنیں، تمہاری جاب تو ٹھیک جارہی ہے ناں؟"

"ہاں، شکر ہے پروردگار کا۔ جاب تو ٹھیک ٹھاک چل رہی ہے۔"

"پھر؟"

"بس یونہی، غربت اور کم مائیگی کے ساتھ جو مسائل جڑے ہیں کچھ اسی قسم کی پریشانیاں ہیں۔" ضامن نے ٹالنے والے انداز میں بتایا۔

"اگر تم شیئر کرنا چاہو اپنی الجھنیں تو بلا جھجک

www.pklibrary.com

کر سکتے ہو۔ اور اگر میں کسی طرح کی ہیلپ کر سکتی ہوں تو پلیز۔"

"مسئلے مسائل تو زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہی رہتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح حل بھی ہوتے ہی رہتے ہیں ویسے آپ کی آفر کا شکریہ کبھی ضرورت محسوس ہوئی تو ضرور کہوں گا۔ ابھی تو آپ اپنی سنائیں، کیا حال احوال ہیں؟ کیسی گزر رہی ہے؟"

ضامن نے احتیاط اور شائستگی کا رویہ اپنایا اور اپنی ذاتیات کے بارے میں کچھ کہنے سے گریز کیا۔

"میرے حال احوال وہی ہیں جو روز ہوتے ہیں۔ اور صبح و شام بھی ایسے ہی گزر رہے ہیں ایک جیسے، بور ہوگئی ہوں اس یکسانیت سے اس لیے تم سے بات کر لیتی ہوں۔ گھٹن اور بوریت کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر کے لیے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تازہ ہوا میں بیٹھی ہوں۔"

"اللہ کی شان ہے۔ آپ جیسے بڑے لوگوں کو کیسی گھٹن اور بوریت، آپ کی دلچسپیوں اور آرام و آسائش کے سامان کیا کم ہوتے ہیں؟" ضامن حیران ہوا۔

"سب کچھ ہے ضامن، دلچسپی کا سامان بھی۔ اور ساری سہولتیں بھی۔ پھر بھی زندگی میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ اور خیر چھوڑو یہ سب باتیں۔ تم اپنی سناؤ۔" ثروت نے غیر محسوس انداز میں بات بدل دی۔

"میں کیا سناؤں کچھ خاص نہیں ہے سنانے کو، بس وہی روٹین کی صبح سے شام ہوتی ہے۔ شام سے رات پھر صبح۔ ایک جیسے گزرتے دن رات ہیں اور ہم ہیں۔" ضامن کا لہجہ مجھا بجھا سا تھا۔

"پریشان ہو؟" ثروت نے اس کی آواز سے اندازہ لگایا۔

"نہیں تو۔" ضامن نے اپنی آواز میں مصنوعی بشاشت لانے کی کوشش کی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تم جھوٹ بول رہے ہو۔" ثروت نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"ثروت جی، کبھی انسان جھوٹ سے بھی خود کو بہلا لیتا ہے جب سچائی اور حقیقت قابل قبول نہ ہو تو۔ بس آپ یہی سمجھیے کہ میں خود کو بہلا رہا ہوں۔" ضامن نہ کہتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ کہہ گیا۔

دنیا میں ہر ایک کو کوئی نہ کوئی ٹینشن ہے۔ پریشان میں بھی ہوں۔ لیکن تم سے بات کرتی ہوں تو کچھ دیر کے لیے میری ساری فکر اور پریشانیاں جیسے غائب ہو جاتی ہیں میں بھول جاتی ہوں سب کچھ۔"

"میں آپ کو کیا لطیفے سناتا ہوں۔" ضامن کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"بچپن اور بچپن کی باتیں کسی لطیفے سے تو کم نہیں ہوتی نا ہر بات پہ ہنسی آتی ہے یا کم از کم مسکراہٹ تو آ ہی جاتی ہے چہرے پر۔"

"خیریت تو ہے۔ آج کل آپ کو بچپن بہت یاد آ رہا ہے۔ جبکہ اس عمر میں انسان عموماً حال اور مستقبل کی فکر کرتا ہے یا اس ہی کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے۔" ضامن نے سوال کیا۔

"بس یوں سمجھ لو کہ حال سے منہ چھپانے اور مستقبل کے اندیشوں سے گھبرا کر۔ ماضی میں پناہ لے رہی ہوں۔" ثروت کی آواز میں تھکن در آئی۔

"کبھی کبھی آپ پہیلیوں میں باتیں کرتی ہیں؟" ضامن الجھ گیا۔

"زندگی بھی تو کبھی ایک پہیلی بن جاتی ہے جس کا جواب نہیں ملتا۔"

"ہر پہیلی کا جواب کبھی نہ کبھی تو مل ہی جاتا ہے اور بچپن میں تو آپ ہر پہیلی کا جواب ڈھونڈ ہی لیتی تھیں آپ کو یاد ہے؟"

"ہاں میں بہت شارپ ہوا کرتی تھی مگر کبھی کبھی انسان کے ہتھیار کند بھی تو ہو جاتے ہیں۔"

"ہتھیار دوبارہ تیز ہو سکتے ہیں یہ اتنا مشکل نہیں بشرطیکہ انسان اپنے ہتھیار نہ ڈالے۔"

"ارے واہ، یہ تو تم نے بڑی زبردست بات کہی۔ میں اسے یاد رکھوں گی۔" ثروت پھڑک اٹھی۔

کچھ دیر بعد جب ضامن نے خدا حافظ کر کے موبائل آف کیا تو یکدم ہی ان سنگلاخ حقائق نے

www.pklibrary.com

اسے دوبارہ آن گھیرا جنہیں کچھ دیر کے لیے اس نے فراموش کر دیا تھا۔

☆☆☆

''دس روپے اور دیں امی، دودھ ایک سو بیس روپے کلو ہو گیا ہے۔ کل بھی تو ایک سو بیس کا لیا تھا۔ بھول گئیں؟'' اشعر نے امی کو یاد دلایا۔ جو اس سے دودھ منگوا رہی تھیں۔

''ارے ہاں، میں تو بھول ہی گئیں۔'' امی نے گڑبڑا کے اپنی کپٹی چھوٹی اور دس کا نوٹ نکال کر اشعر کو دیا۔ اپنے بٹوے کا اندر سے جائزہ لیا پھر ایک گہری سانس لی۔

''یا اللہ، کہاں جائیں ہم، مہنگائی کا طوفان تھمنے کا نام نہیں لے رہا، ہم بے بس حقیر لوگ، تنکوں سے بھی بدتر، خدا جانے کیا حشر ہوگا ہمارا۔'' یاسیت سے سوچتی ہوئی وہ کمرے کی طرف چلیں، مجازی خدا آ چکے تھے اور چائے کے منتظر تھے۔

''ارے بھئی چائے کہاں ہے؟'' انہیں خالی ہاتھ آتا دیکھا تو پوچھنے لگے۔

''سدرہ بنا رہی ہے۔'' امی نے اپنا بٹوہ دراز میں رکھا اور روئے سخن مجازی خدا کی طرف کیا۔

''ضامن نے مجھ سے بات کی تھی۔'' امی براہ راست مدعا پر آ گئیں۔

''میرے پاس بھی آیا تھا۔ میں نے جواب دے تو دیا تھا اسے اب کیا گھر کے سارے افراد سے الگ الگ بات کریں گے صاحبزادے؟''

''تھوڑا وقت مانگ رہا ہے۔'' امی نے ضامن کی سفارش کی۔

''وہ تھوڑا وقت بھی کئی برسوں پر محیط ہے۔ دیکھو، مجھے کوئی دشمنی تو نہیں ہے اس لڑکے سے میرے بچوں جیسا ہی ہے۔ میں نے اس سے بھی یہی کہا تھا لیکن حقیقت یہی ہے کہ ابھی اسے گھر بنانا ہے پھر شادی کی تیاری کرنی ہے یہ دونوں کام چند مہینوں میں نہیں ہو سکتے۔ میں اپنی بیٹی کو کب تک اس کے نام پر بٹھا کر رکھوں گا؟ فائزہ کے بعد دو بیٹیاں اور ہیں۔ تینوں ہی برابر کی لگنے لگی ہیں۔''

ابو نے اپنی باتوں کو دوبارہ دہرایا۔ وہ اپنے اصولوں کے پکے تھے جو فیصلہ کر لیتے وہ پتھر کی لکیر بن جاتا۔ شریک حیات خاموش ہو گئیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل بھی تو نہیں تھی۔ بیٹی کے لیے جو رشتہ آیا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے اچھا تھا۔ لڑکا پڑھا لکھا تھا نوکری اچھی تھی۔ گھر بھی بہت بہترین بنا ہوا تھا۔ لڑکے کے والد بھی سرکاری ملازمت میں تھے۔ گھر میں کسی حد تک خوش حالی تھی پھر انہیں جہیز وغیرہ کا کوئی لالچ تھا نہ مطالبہ، انہوں نے تو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ ہم بھی اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاتے ہیں آپ بھی ایسا ہی کیجیے گا، اس مڈل کلاس گھرانے میں جہاں سب کچھ اوسط درجے کا تھا لڑکی کی شکل وصورت تعلیم اور اسٹیٹس وہاں یہ رشتہ کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔

وہ جلد از جلد بیٹیوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ زندگی کا کوئی بھروسا نہ تھا کہ کب ختم ہو جائے اور مہنگائی کا اعتبار نہ تھا کہ اور کتنی بڑھ جائے۔

سوچا جائے تو اپنی جگہ وہ بھی شاید غلط نہیں تھے۔ ٹھیک ہی تھے مگر فائزہ اور اس کا دل، بے چارہ معصوم سا دل ان سب حقائق کو سمجھنے سے انکاری تھا۔ انکار کی جرأت تو نہیں تھی اس میں، نہ ہی والدین کے آگے بغاوت کا حوصلہ تھا۔ اپنے خوابوں کو اور اپنے آنسوؤں کو اپنے اندر ہی سمیٹ کر خاموش ہو رہی۔

یہ زندگی بھی اصل اور حقیقی زندگی جہاں ہنسی کے ساتھ اداسی بھی ہوتی ہے۔ خوشی کے ساتھ غم بھی اور محبت کے ساتھ ہجر بھی۔ اچھی لڑکیوں کی طرح اس نے والدین یا تقدیر کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا جو جھکانا ہی تھا۔

ضامن نے اپنی سی کوشش کی، خود بھی بات کی۔ یونس بھائی اور آپا نے بھی کوشش کی مگر پھوپھا نے صاف جواب دے دیا تھا کہ اگر چھ ماہ میں گھر بنا کر بیاہ کر سکتے ہو تو وہ یہ رشتہ کرنے پر تیار ہیں وگرنہ فائزہ کے لیے وہی رشتہ قبول کر رہے ہیں جو چھ آٹھ ماہ بعد

www.pklibrary.com

اسے رخصت کرا کر لے جائیں گے۔

فائزہ بے چاری تو نہ تین میں تھی نہ تیرہ میں۔ رسمی طور پر مرضی پوچھی تو گئی اور سوائے سر جھکانے کے اس کے پاس چارہ ہی کیا تھا؟

☆☆☆

آج پہلی بار وہ ثروت کے ساتھ اس کے فلیٹ آیا تھا اور دیکھ کر دنگ تھا۔ اگر یہ فلیٹ ہے تو بنگلے کیسے ہوتے ہوں گے؟ لاؤنج میں سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں۔ ثروت کی ہمراہ ہی میں چلتا ہوا وہ اوپر آیا اور پھر ایک کشادہ اور خوب صورت بالکنی میں جو پھولوں بھری بیلوں، گملوں، پودوں سے سجی ہوئی تھی پورے ہی فلیٹ کا طرز تعمیر اور آرائش بہت ہی جدید اور نفیس تھی۔

"بیٹھو۔" ثروت نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔

"ہوں، بیٹھتا ہوں۔" بالکنی سے باہر کا جائزہ لیتا ہوا ضامن اب بھی کھڑا تھا۔ اتنی بلندی سے شہر کا نظارہ بہت اثر انگیز تھا۔ یہ منظر بھی کیا عجب شے ہے۔ خصوصاً وہ جو کسی بلندی سے دیکھا جائے۔ بعض مناظر میں انسان کو باندھ لینے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ پلٹ کر کرسی پر آن بیٹھا۔

"آپ یہاں اکیلی رہتی ہیں؟"

"نہیں ایک میڈ جو کچن کے کام دیکھتی ہے وہ ساتھ ہی رہتی ہے اس کا روم نیچے ہے اور ایک صفائی کے لیے روزانہ آتی ہے۔" ثروت نے جواب دیا۔

"ملازم اور گھر والوں میں فرق ہوتا ہے۔ ملازموں سے دوسرا ہٹ ہو جاتی ہے مگر ساتھ تو نہیں ملتا۔" ضامن بے ساختہ ہی بول اٹھا۔

"میری شادی ناکام ہوگئی ہے۔ علیحدگی کے بعد گھر میں بھابیوں سے نہیں بنی تو بھائی جان نے اپنے اس فلیٹ میں شفٹ کر دیا ان کا بنگلہ بھی قریب ہی ہے۔ ویک اینڈ پر بچے بھی آجاتے ہیں اور بڑے بھی، کچھ عرصے بھائی جان آفس بھی ساتھ لے گئے تھے مگر اس وقت کسی بھی چیز میں دل نہیں لگا۔ نہ جاب میں، نہ گھر میں، کسی بھی حادثے کے بعد سنبھلنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا، اب سوچ رہی ہوں آفس جوائن کرلوں، کسی طرح تو وقت کٹے گا۔"

ثروت دھیرے دھیرے اپنے حالات و معاملات عیاں کر رہی تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے پر حزن و ملال کے سائے تھے۔

"میں شاید آپ کے درد اور احساسات تھوڑے بہت سمجھ سکتا ہوں کیونکہ میں خود بھی اسی طرح کی تکلیف سے گزر رہا ہوں۔" ضامن کا لہجہ رسمی نہیں بلکہ پرخلوص تھا۔

"کیسی تکلیف؟" ثروت چونک گئی۔

تب ضامن، فائزہ کے بارے میں سب کچھ بتاتا چلا گیا۔

"بہت محبت کرتے ہو اس سے؟"

"پتا نہیں محبت ہے یا عادت؟ اس سے بات کیے بغیر دن نہیں گزرتا تھا اب وقت نہیں کٹ رہا۔ نہ ہی کچھ اچھا لگ رہا ہے۔" ضامن کے انداز میں بے بسی بھی تھی اور سادگی بھی۔

"افوہ، ہم دونوں ہی کتنے دکھی ہو رہے ہیں۔ چلو چھوڑو، مسکرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بتاؤ کیا پیو گے؟" دفعتاً ہی ثروت بشاشت سے بولی۔

"غم کے گھونٹ کے علاوہ کچھ بھی۔" ضامن مسکرایا اور ثروت اس کی بات پر ہنس پڑی۔

☆☆☆

گھر میں چوپال جمی تھی۔ سارے ہی جمع تھے۔ ضامن کے بڑے تینوں بھائی بھابیاں اور آپا جان، دو گھنٹے کے بحث و مباحثے اور سب کی تجاویز آرا اور مشوروں کی روشنی میں کم از کم ایک نکتے پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا۔

"شکر ہے اللہ کا، تم سب میں اتفاق تو ہوا۔" سب سے پہلے آپا جان نے با آواز بلند شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی، ضامن نے بھی دل ہی دل میں یہی دونوں کام کیے۔

دراصل ضامن کے دو بڑے بھائی اپنی شادیوں اور ایک دو بچوں کے بعد ہی یہ گھر چھوڑ کر

www.pklibrary.com

کرائے پر چلے گئے تھے کہ ایک ایک کمرے میں کسی کا گزارا نہیں ہوتا تھا۔ مگر اب مہنگائی کے سیلاب نے ایسے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سب ہی حواس باختہ ہوگئے تھے۔ کرایہ یوٹیلیٹی بلز پھر گھر کے بچوں کے ستر سے بہتر خرچے، سب کی شامت آئی ہوئی تھی۔

ملک بھر کے عوام الناس کی طرح یہ لوگ بھی مہنگائی کی اس چکی میں پستے پستے تنگ آگئے تھے۔ گھر کی حالت اتنی خستہ اور خراب ہورہی تھی کہ واپس یہاں آنا اور رہنا مشکل تھا۔ کچھ عرصے تک تو گھر کو بیچ کر سب کو حصہ دینے کی باتیں ہوتی رہیں مگر اس میں قباحت یہ تھی کہ کسی کے بھی ہاتھ اتنی رقم نہیں آرہی تھی کہ مکان تو کیا کوئی چھوٹا سا پلاٹ بھی خرید سکتے۔ بالآخر افہام وتفہیم کے بعد یہی طے پایا کہ چاروں بھائی رقم ملا کر اسے نئے سرے سے بنوائیں۔ اوپر نیچے چار پورشن چاروں بھائیوں کو مل جاتے۔

''آپا تمہارا حصہ ہم سب مل کر دے دیں گے۔ ذرا پہلے گھر بنالیں۔'' صابر بھائی نے آپا کو مخاطب کیا۔

''ارے بھائی، تم لوگ ٹھکانے سے بیٹھ جاؤ اور کرائے کی خواری سے بچ جاؤ میرے لیے یہی بہت ہے۔ ہمارا کیا ہے ہم تو اپنے گھر میں آرام سے رہ رہے ہیں۔

آپا روایتی بہنوں کی طرح اپنے بھائیوں پر جان چھڑکتی تھیں اس وقت بھی ان کی بات میں سچائی اور خلوص تھا مگر بھائیوں کی نیت اور ارادے نیک تھے انہیں حصہ دینے کے لیے۔

''اب ضامن کے لیے بھی کوئی لڑکی دیکھو، گھر بن جائے گا تو اسے بھی ٹھکانے سے لگائیں۔'' یونس بھائی نے موضوع سخن بدلا۔

''ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے؟ لڑکی نے خود ہی ضامن کو ڈھونڈ کے نظر میں رکھا ہے۔ دو تین بار آچکی ہے یہاں۔'' آپا نے شوشا چھوڑا۔

''افوہ آپا بھی بس.....'' ضامن جز بز ہونے لگا۔ باقی سب معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''کیوں بے شہزادے! سنجیدہ بھی ہے یا ٹائم پاس کررہی ہے وہ؟ ویسے اگر ثروت سے بیاہ ہوگیا تیرا تو وارے نیارے ہوجائیں گے۔'' بولنے میں اس گھر کا کوئی فرد کم نہیں تھا۔

''ہر بات کو اپنی مرضی کا رنگ نہ دیا کریں۔ ضروری نہیں کہ جو معاملہ آپ سمجھ رہے ہیں وہی ہو۔ وہ بڑے لوگ ہیں اپنی مرضی کے مالک اپنی شادی ختم ہونے کے بعد ثروت دکھی ہے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیتی ہے میرے سامنے اور بس، ہم کوئی غیر نہیں ہیں آپس میں کزن ہیں۔ آپ لوگ اپنی طرف سے الٹے سیدھے اندازے نہ لگائیں۔'' ضامن نے ذرا تفصیل سے سب کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''باتوں باتوں میں ذرا مرضی تو معلوم کرو چاہتی کیا ہے؟'' یونس بھائی پر اس کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

''جب میری ہی کوئی مرضی — اور رجحان نہیں اس طرف بلاوجہ کی باتوں سے کیا حاصل۔'' ضامن جھنجلا گیا۔

وہ انہیں نہیں سمجھا سکتا تھا کہ وہ آپس میں کیوں باتیں کرتے ہیں اور کیا باتیں کرتے ہیں۔ دونوں اپنے دل پر چوٹ کھائے ہوئے تھے۔ اپنا درد ایک دوسرے سے شیئر کرلیتے تھے اور بس۔

''اچھا بھئی۔ جیسے تیری مرضی شہزادے! ہمیں کوئی ایسی اسامی ملتی تو ہم تو فوراً موقع سے فائدہ اٹھاتے۔'' اکرام بھائی اب بولے تو چھپر پھاڑ کے بولے اور اپنے جوش خطابت میں انہیں احساس ہی نہیں ہوا کہ ان کی بیگم کس بری طرح انہیں گھور رہی ہیں۔

☆☆☆

دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد جمع سب ہی بڑے مزے سے آلو کی طہاری کھا رہے تھے۔ خصوصاً لڑکیوں کی تو یہ پسندیدہ ڈش تھی۔ لہسن مرچ کی چٹنی کے ساتھ، سب ہی کھانے میں مگن تھے

www.pklibrary.com

سوائے فائزہ کے۔ جو پلیٹ میں رکھے تھوڑے سے چاولوں اور چمچے سے کھیل رہی تھی۔

کھانا کھا کر سب نے مل کر دسترخوان سمیٹا، نمرہ برتن دھونے لگی اور فائزہ خاموشی سے اوپر آ گئی۔ چاروں طرف دوپہر کی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ مگر فائزہ کو اس تپش کا احساس اتنا نہیں تھا۔ جو بھانبھڑ اندر جل رہا تھا۔ اس کی جلن ہی بہت تھی۔

کھڑے ہو کر اس نے دیوار کے پار دیکھا۔ وہ کمرہ، برآمدہ، صحن خاموش اور سنسان پڑا تھا۔ اب اس نے شام میں کبھی رات میں اور ضامن کی موجودگی میں وہاں آنا بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب یہاں آنے کا کوئی جواز بھی تو نہ رہا تھا۔

فائزہ نے اداس آنکھوں سے وہ مانوس چیزیں اور منظر دیکھا اس نے کبھی بھی سوچا ہی نہ تھا کہ اس منظر اور اس ماحول کا حصہ بننا اس کے اس کے نصیب میں نہیں ہوگا۔ محبت کبھی ایک خوش فہمی بھی ہوتی ہے اور وہ خوش فہمی میں مبتلا کبھی جواب دور ہونے کو تھی۔

امی نے اسے سمجھایا تھا کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کے نصیب میں ہوتا ہے اور اللہ کی مرضی پر راضی ہونے والا خوش نصیب ہوتا ہے۔ کبھی دنیا میں کبھی آخرت میں اور کبھی دونوں مقامات پر۔

فائزہ نے ان کی بات سمجھ بھی لی تھی اور مان بھی لی تھی۔ پھر بھی کبھی کبھی وہ بہت ہی اداس اور خالی خالی سی ہو جاتی تھی۔ خیالات پر پہرا بٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ وہ بھی لاشعوری طور پر سوچ رہی تھی۔ قسمت، تقدیر اور ان کے معاملات، اگر ضامن کا بیک گراؤنڈ مستحکم ہوتا۔ معاشی خوش حالی ہوتی تو شاید..... شاید یہ سب نہ ہوتا؟ یا شاید پھر کچھ اور وجہ ہوتی؟ اپنے خیالات میں الجھتی وہ ماضی کی یادوں سے پیچھا چھڑانے کی بھی کوشش کرتی اور کبھی گزرے دنوں اور گزرے وقت کو آواز دینے یہاں چھت پر چلی آتی۔

''آپی، اتنی گرمی میں یہاں کیا کر رہی ہو۔''

نمرہ کی حیران آواز اس کے کانوں میں آئی تو وہ چونکی۔ وہ یہاں کھڑی دنیا و مافیہا سے ایسی بے خبر تھی کہ اسے نمرہ کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔

''امی بلا رہی ہیں۔ جلدی آؤ، توبہ ہے کتنی دھوپ ہو رہی ہے۔ کھڑا ہونا بھی مشکل ہے۔''

نمرہ جتنی تیزی سے بول رہی تھی۔ اتنی ہی تیزی سے دھڑ دھڑ سیڑھیاں اتر گئی اس کے پیچھے پیچھے فائزہ بھی سست روی سے چل دی۔

☆☆☆

پچھلا پورا ہفتہ بہت مصروف اور تھکا دینے والا تھا کچھ اس نے جان بوجھ کر بھی خود کو کاموں میں تھکایا ہوا تھا بلکہ کھپایا ہوا تھا۔ آج بھی گھر آتے آتے گیارہ بج گئے تھے۔ آتے ہی چینج کر کے، خود کو فریش کر کے الٹا سیدھا کھانا کھایا اور اوپر اپنے کمرے میں آ گیا۔

بجلی حسب معمول غائب تھی وہ صحن میں چارپائی پہ لیٹ گیا۔ آسمان پہ ستاروں اور بادلوں کا کھیل دیکھتا رہا اور اسی دوران اس کا موبائل بج اٹھا۔ اسکرین دیکھے بغیر بھی ضامن کو اندازہ تھا کہ کال کس کی ہو سکتی ہے۔

اس کا اندازہ درست تھا دوسری جانب ثروت تھی جو اس سے شکوہ کر رہی تھی۔

''ایک ہفتہ پورا گزر گیا اور تمہیں وقت نہیں ملا آنے کا؟ تم نے خود وعدہ کیا تھا کہ ضرور آؤ گے۔''

''آئی ایم سوری، میں سچ مچ بہت بزی تھا، اس لیے آ نہیں سکا، دراصل روزانہ گھر آتے آتے ہی گیارہ بارہ بج جاتے ہیں۔ ویسے میں جلد ہی چکر لگاؤں گا آپ کی طرف۔'' ضامن نے یقین دلایا۔

''تم نے شاید کبھی انتظار نہیں کیا کسی کا، اس لیے نہیں جانتے کہ انتظار کرنا کتنا برا ہوتا ہے۔''

ثروت کی آواز میں خفگی بھی تھی اور برہمی بھی۔

''میں ایک بار پھر معذرت چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف اور کوفت ہوئی۔'' ضامن نے بہت نرم اور سادہ انداز میں دوبارہ معذرت کی۔

''یہ بتاؤ، تمہاری برتھ ڈے کب آتی ہے؟''

''اگست میں 6 اگست ابھی دور ہے۔''

''تم لیو (اسد) ہو؟''

www.pklibrary.com

''جی۔''

''لیو، بہت ڈیسنٹ ہوتے ہیں اور مزاج کے اعتبار سے بادشاہ۔'' ثروت نے تبصرہ کیا۔

''جی ہاں۔ بادشاہ ہوتے ہیں ویسے چاہے فقیر ہوں۔''

''تم خود کو اتنا ڈی گریڈ کیوں کرتے ہو؟''

''میں مذاق کر رہا تھا۔ آپ سیریس نہ لیں میری بات کو۔''

''اور اگر سیریس لے لیا تمہیں یا تمہاری بات کو تو؟''

ثروت کے معنی خیز لب و لہجے پہ کبھی کبھی ضامن ٹھٹک جاتا تھا۔ اسے یونس بھائی اور آپا جان کے اندازے درست لگنے لگتے تھے مگر پھر اگلے ہی لمحے وہ اندازوں اور قیاس کو خوش فہمی قرار دے کر دل و دماغ سے جھٹک دیتا تھا۔ اس وقت بھی اس نے یہی کیا۔

☆☆☆

نمرہ، گھلی ہوئی مہندی، امی کے سر میں لگا رہی تھی۔ فائزہ قریب بیٹھی دال چننے میں منہمک تھی اور شاید اپنے الجھے سلجھے خیالات میں بھی۔

''فائزہ! دال چڑھا کر ذرا میری حساب کتاب کی ڈائری اور قلم لے آنا۔ سارا ان کی لسٹ بنالوں، اتنی جلدی تین ماہ گزر گئے۔ پتا ہی نہیں چلا، لسٹ بن جائے تو خرچہ کا بھی کچھ حساب کتاب لگ جائے مگر کچھ سوچ کر وہ ایک لمحے کو رکیں۔

''یہ حساب کتاب بھی بس دل کی تسلی کے لیے ہے۔ چیزوں کی قیمتیں تو مہینوں، ہفتوں اور دنوں کے بجائے گھنٹوں میں اور منٹوں میں بڑھ رہی ہیں آج، آج حساب لگانے میں قیمت کچھ اور ہوگی اور جب لینے جائیں گے تو کچھ اور ہوگی۔''

''امی، مہندی لگ گئی ہے۔ پورے سر میں لگا دی ہے۔'' نمرہ نے برش پیالی میں رکھا اور ہاتھ دھونے اٹھ گئی۔ فائزہ کی دال بھی صاف ہوگئی تھی وہ اسے بھگونے جا رہی تھی۔

''فائزہ، بیٹا، ہنڈیا پکانے میں ذرا ہاتھ دبا کے آئل ڈالا کرو اس راشن میں مہینہ پورا کرنا ہے۔'' اس قسم کی ہدایتیں امی روزانہ ہی کرتی تھیں۔ آج کل فائزہ کو مکمل طور پر گھر داری میں لگایا ہوا تھا انہوں نے تاکہ سسرال جا کر کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ویسے تو ان کی بیٹیاں گھریلو قسم کی ہی تھیں۔

گھر کے سارے کام کاج کی عادی۔ فائزہ بھی پہلے ہی سے گھر کے کاموں میں امی کا ہاتھ بٹاتی تھی مگر اب سسرال بھیجنے سے پہلے امی اس کی خصوصی ٹریننگ کر رہی تھیں کہ عموماً سسرالوں میں خصوصاً مڈل کلاس سسرالوں میں بہو کی تعلیم، ڈگری یا کسی اور قابلیت وصلاحیت کو رشتہ طے کرتے وقت تو کچھ اہمیت دے دی جاتی ہے مگر شادی کے بعد سوائے امور خانہ داری کے کسی چیز کی کوئی اہمیت ہوتی ہے نہ وقعت، روٹی وکوفتہ گول اور نرم ہونے چاہئیں۔ سالن خوش ذائقہ وخوش رنگ ہو، چاول کھلے کھلے ہوں اور بہو کا چہرہ بھی۔ صبح سے شام تک کی مشقت کے باوجود بھی۔

امی کو ان سب باتوں کا کچھ تجربہ تھا کچھ مشاہدہ، بظاہر تو لوگ بہت میٹھے اور سلجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اصل کن اور جوہر تو بعد میں ہی نظر آتے ہیں۔ وہ فائزہ کو گاہے بگاہے سسرال اور سسرالی حالات و رویوں کے بارے میں لیکچر دیتی رہتی تھیں۔

کچھ دیر میں سدرہ کا فون آگیا۔ خیر خیریت اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد معاً اسے کچھ یاد آیا۔

''سنا ہے فائزہ کی ساس موبائل گفٹ کر رہی ہیں اسے؟''

''پرسوں لے کر آئی تھیں۔ اپنے ابو کو تو تم جانتی ہو، انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ جو گفٹ دینا ہے وہ شادی کے موقع پر دیجیے گا۔ آپ کو بات کرنی ہے ہونے والی بہو سے تو ہم دونوں میں سے کسی کے بھی موبائل پر کال کر کے بات کرلیں۔'' امی نے ابو کے الفاظ من وعن دہرا دیے۔

''ابو بھی کبھی کبھی بلاوجہ کی سختی کرتے ہیں۔ کیا حرج تھا گفٹ ہے لینے دیتے فائزہ کو۔'' سدرہ نے کہا۔

www.pklibrary.com

''بلاوجہ کی سختی نہیں ہے۔ وہ اپنے نام سے موبائل گفٹ کررہی ہیں مگر اصل میں یہ گفٹ ان کے بیٹے کی طرف سے ہے۔ فائزہ سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''آج کل تو یہ عام سی بات ہوگئی ہے امی! ابو سے کہیں اتنی سختی نہ کریں۔ کبھی لوگ بدک بھی جاتے ہیں۔''

''نہیں بھئی، اس معاملے میں تو میں بھی تمہارے ابو کے ساتھ ہوں۔''

''کچھ عرصے بعد تو شادی ہے ہی کیا ضرورت ہے اتاولا پن دکھانے کی؟''

''افوہ امی آپ بھی۔'' سدرہ کو ہنسی آگئی۔

''امی آپ کے ہاتھ کی کڑھی کھانے کا بہت دل چاہ رہا ہے۔'' ہنسنے کے بعد سدرہ نے بڑے لاڈ سے ماں کو اطلاع دی۔

''اس اتوار کو بنالیتی ہوں، آجانا۔''

☆☆☆

جدید طرز کا اسٹائلش سوٹ، آدھے بال سمیٹ کر کیچر لگایا ہوا تھا۔ ہلکا پھلکا میک اپ اور جیولری کے نام پہ کانوں میں جھولتے ننھے منے آویزے، ثروت بہت فریش اور دلکش لگ رہی تھی۔

''آج کل کہاں ہو تم؟ بہت انتظار کروانے لگے ہو؟'' ثروت نے اسے دیکھتے ہی بے ساختہ شکوہ کیا۔

''فی الحال تو یہیں ہوں۔ یہ لیجیے، مٹھائی کھایئے۔'' ضامن نے اپنے ساتھ لایا ہوا مٹھائی کا ڈبہ اس کی جانب بڑھایا۔

''کس بات کی مٹھائی ہے!'' وہ چونکی۔

''بائیک خریدی ہے اپنی نیک کمائی سے۔'' ضامن سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''بائیک؟ ویسے تم فوروہیل ڈیزرو کرتے ہو۔'' ثروت کی کھوجتی ہوئی کچھ سوچتی اور جانچتی ہوئی نگاہیں ضامن کے چہرے پر ٹھہریں۔

''اتنے اونچے خواب نہ دکھائیں جو میرے بس سے باہر ہوں۔''

''یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔'' ثروت کی آنکھوں میں حیرت سمٹ آئی۔

''ثروت جی، آپ اس شہزادی کی طرح بات کررہی ہیں جس نے روٹی نہ ہونے کی صورت میں لوگوں کو کیک کھانے کا مشورہ دیا تھا۔'' ضامن یوں مسکرایا جیسے بچوں کی ناسمجھ اور معصومانہ باتوں پر مسکرایا جاتا ہے۔

''مجھے حقائق کا ادراک ہے میں اسی دنیا میں رہتی ہوں اور یہ جانتی ہوں کہ بند دروازوں کو کیسے کھولا جاتا ہے اور دیوار میں سے رستے کیسے بنائے جاتے ہیں انسان اپنی قسمت پر انحصار کرکے بیٹھ جائے تو کبھی آگے بڑھ سکتا ہے نہ ترقی کرسکتا ہے۔''

ثروت نے آج پہلی بار اسے یوں لیکچر دیا تھا۔

''رستے بنانے کے لیے ہتھیار اور اوزار چاہئیں۔ خالی ہاتھوں سے رستے نہیں بنتے دیوار میں۔ نہ ہی بند دروازے کھولے جاسکتے ہیں۔'' ضامن کے لہجے میں خفیف سی آزردگی جھلک آئی۔

''پرواز کو کس کا دل نہیں چاہتا مگر اس کے لیے پر ضروری ہیں۔''

''اچھا یہ بتاؤ، کمپیوٹر کتنا جانتے ہو؟'' ثروت نے سوال کیا۔

''اتنا جو کسی بھی آفس میں کام کرنے کے لیے کافی ہے۔''

''ویری گڈ، تم اپنی سی وی مجھے دے دو۔ انس بھیا کے آفس میں ایک ویکنسی ہے۔ میں نے تمہارا ذکر کیا تھا ان سے۔''

''مہربانی ہے آپ کی۔ میں دے دوں گا سی وی۔'' ضامن نے جوس کا گلاس اٹھایا جو ملازمہ رکھ گئی تھی۔

''مہربانی نہیں، گلٹ ہے یہ، ہم اپنی زندگی میں اتنے مگن تھے کہ ہمیں اپنے قریبی رشتوں کا بھی احساس نہیں ہوا کہ کون کس حال میں ہے۔''

''دنیا کا دستور یہی ہوگیا ہے، ہمیں کوئی شکایت

www.pklibrary.com

نہیں کسی سے۔'' ضامن نے لاپروا انداز میں بولتے ہوئے اس کا گلٹ ہوا میں اڑا دیا۔

''تمہیں شکایت نہیں ہے مگر مجھے اکثر اپنے آپ سے اپنے بھائیوں سے شکوہ ہوتا ہے۔ اپنے قریبی رشتوں کو ہمیں یوں فراموش نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' ثروت نے اپنی بات کو پھر دہرایا۔

''چھوڑیں جانے دیں، کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ مٹھائی کھایئے نا۔'' ضامن مٹھائی کا ڈبا کھولنے لگا۔

''آج تم ڈنر کر کے جاؤ گے۔ تم نے پرامس کیا تھا اور اس پرامس کو بھی تین ہفتے گزر گئے ہیں۔ آج بھیا بھابی اور بچے بھی آئیں گے۔'' ثروت نے بتایا۔

''آپ کی فیملی گیدرنگ ہے۔ میری موجودگی عجیب سی لگے گی۔'' ضامن ہچکچایا۔

''تم کوئی غیر نہیں ہو۔ فضول باتیں مت کرو۔'' ثروت نے ڈانٹ ہی دیا۔

ڈنر کے بعد وہ رخصت ہونے لگا تو ثروت نے ایک بار پھر یاد دہانی کرائی۔

''اپنی سی وی ضرور دے دینا۔''

☆☆☆

شام نے اپنا سرمئی آنچل ہر طرف پھیلا دیا تھا۔ سورج کی شعاعیں بھی کچھ تھکی تھکی سی ہو رہی تھیں۔ ساری تیزی اور چمک ماند پڑ رہی تھی۔ فائزہ کپڑے پھیلانے چھت پر آئی تو بے اختیار دیوار کے پار نگاہ اٹھ گئی۔ اس جگہ سے کتنی یادیں وابستہ تھیں اس کے دوسری طرف موجود ضامن کے کئی روپ یاد کی شکل میں اس کے آنچل سے بندھے تھے کبھی خوشی، کبھی اداسی، کبھی مایوسی، کبھی پرامید، کبھی امنگوں، آرزوؤں سے بھرا ہوا تو کبھی رنجیدہ، افسردہ، مگر اب زندگی کے سفر میں ایسے موڑ آئے کہ دونوں کے راستے جدا جدا ہو گئے تھے۔

زندگی کبھی کتنی بے رحم ہو جاتی ہے۔ فائزہ چلتی ہوئی اپنی مخصوص جگہ آ کر کھڑی ہو گئی اور عین اسی وقت وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا تھا۔ اور دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر چونک اٹھے تھے۔ فائزہ نے اب ضامن کی موجودگی کے اوقات میں چھت پر آنا چھوڑ دیا تھا اور اب ضامن آج اپنے وقت سے پہلے ہی گھر آ گیا تھا۔

''کیسی ہو؟'' ضامن چلتا ہوا دیوار کے قریب آ گیا۔

''ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟''

''میں بھی شاید ٹھیک ہی ہوں۔''

''بائیک خرید لی تم نے ہم نے مٹھائی کھائی تھی۔''

''مٹھائی کھالی اور مبارک باد نہیں دی۔'' ضامن نے یونہی شکوہ کیا۔

''اب لے لو مبارک باد۔'' فائزہ ہولے سے مسکرائی۔

''تم نے چھت پر آنا کیوں چھوڑ دیا؟''

''تم نے بھی تو ہمارے گھر آنا چھوڑ دیا۔ کتنے ہفتوں بعد اب آئے تھے بائیک کی مٹھائی لے کر۔'' فائزہ نے جوابی شکایت کی۔

''تمہارے گھر آ کر اب عجیب سا لگتا ہے۔ ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ ہمارے ایک دوسرے سے گریز کی کیا وجہ ہے؟ تمہارے گھر آتا ہوں تو تمہارے پرایا ہو جانے کا احساس زیادہ تکلیف دیتا ہے۔ دل نہیں چاہتا۔ وہاں آنے کو۔'' ضامن بولتا ہی چلا گیا۔

''میں بھی اسی لیے یہاں بہت کم آتی ہوں۔ تمہاری موجودگی میں تو آنا ہی نہیں چاہتی۔ احساس ضیاع اور بڑھ جاتا ہے۔'' فائزہ نے اعتراف کیا۔

عجیب بات تھی جو اعتراف دونوں نے پہلے کبھی ایک دوسرے سے نہیں کیا۔ وہ اب کر رہے تھے۔ اب جب کہ راستے الگ تھے اور منزلیں بھی۔

ضامن نے فیروزی آنچل میں خود کو سمیٹے اس بادل سی لڑکی کو دیکھا جو آسمان ہی کی طرح اس سے دور تھی۔

www.pklibrary.com

''کیا تھا جو تمہارے ابا مان جاتے، چند سال ہی کی تو بات تھی۔'' بے اختیار ہی اس کے لبوں سے شکوہ نکلا۔

''جو کچھ نصیب میں نہ ہو۔ اس کے لیے کوئی بھی بہانا بن جاتا ہے۔'' فائزہ کے چہرے پر حزن وملال کے سائے اتر آئے۔

''جب خود سے کچھ نہ بن پائے تو سارا ملبہ تقدیر پر ڈال دو۔'' ضامن کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''پھر کس پر ڈالیں؟''

''کسی پر نہیں، تم جاؤ یہاں سے۔'' ضامن منہ پھیر کر پلٹ گیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حد ہو گئی، وہ تو سمجھتا تھا کہ پسندیدگی ہے یا بچپن کی پڑی ہوئی عادت۔ اس لڑکی کو دیکھنے کی، ملنے کی اور بات کرنے کی مگر اب ـــــ جب بھی اس سے سامنا ہوتا تو بہت کچھ کھو دینے کا احساس اور قوی ہو جاتا۔ اپنا آپ خالی خالی لگنے لگتا جیسے زندگی میں کچھ بچا ہی نہ ہو۔ اپنے کمرے میں بیٹھا۔ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے اپنی لایعنی سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

چھت اور پلر زگی جگہ سے جھڑ چکے تھے۔ اندر کا سریا نظر آ رہا تھا۔ دیواروں کی حالت یہ تھی کہ جو رنگ کی پپڑیاں اتر اتر کر اندر کی حالت زار بتا رہی تھیں چھت کا چونا آئے دن میں جانے کتنی بار جھڑتا تھا۔ روشن دانوں کے شیشے کب کے ٹوٹ چکے تھے۔ ان کی جگہ گتے لگا کر کام چلایا جا رہا تھا۔ ایک کمرے کی کھڑکی ایسی جام ہو گئی تھی کہ کھلنے سے انکاری تھی۔ دوسرے کمرے کی کھڑکی کے پٹ کسی منہ پھٹ کے منہ کی طرح ہمیشہ اب کھلے ہی رہنے لگے تھے۔ قبضوں کی شرارت تھی یا کوئی اور مسئلہ، بہر حال کھلی کھڑکی کو زبردستی بند رکھتے اور بند کھڑکی کو زبردستی کھولنے کا تردد کیا جاتا نہ کوشش، کہ کہیں پٹ نکل کر ہی ہاتھ میں نہ آ جائے۔ جس کمرے میں یہ سب بیٹھے تھے اس کے دروازے کے قبضے بھی زنگ آلود ہو چکے تھے ویسے تو وہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہی رہتا تھا لیکن اگر آتے جاتے کوئی بچہ شرارت میں یا کھیل میں اسے ذرا سی بھی حرکت دیتا تو وہ چرخ چوں چرخ چوں کر کے احتجاج کرتے۔

''شہزادے! یہ دیکھ رہا ہے گھر کی حالت؟'' یونس بھائی نے جھڑے ہوئے چونے کو انگلی کی پور پر اٹھایا۔

''بہت عرصے سے دیکھ رہا ہوں۔'' ضامن کا انداز بڑا پرسکون تھا۔

''ابے تو اسی خانہ خراب گھر میں اپنی دلہن بیاہ کر لائے گا؟'' یونس بھائی نے اپنے مخصوص انداز میں لتاڑا۔

''میری شادی کی بات کہاں سے آ گئی؟'' ضامن کا حلق کڑوا ہونے لگا۔

''چل یہ تو یونہی بیچ میں آ گئی بات، میں یہ کہہ رہا تھا کہ صابر (بھائی) بڑی کمیٹی ڈال رہا ہے۔ تیری کمیٹی کی بات کر لی ہے میں نے، شروع میں دے دے گا۔ گھر بنانے میں لگ جائے گی۔ باقی سب نے رقم کا بندوبست کر لیا ہے۔ سیمنٹ، سریا کچھ نقد آئے گا۔ کچھ ادھار کی بات ہو گئی ہے ٹھیکے دار کو بلا کر سب دکھا دیا ہے سمجھا دیا ہے۔ اگلے مہینے گھر خالی کرنا ہے۔ پھر کام شروع ہو جائے گا۔'' یونس بھائی نے تفصیل سے ساری بات بتائی۔

''بہت اچھی بات ہے۔ آپ میری کمیٹی کی فکر نہ کریں میں پابندی سے ہر ماہ رقم دے دوں گا۔'' ضامن نے یقین دہانی کرائی۔

''کمیٹی بھرنا بڑی ذمے داری کا کام ہے شہزادے، یہ نہ ہو کہ کل کو کسی بات پر تو نوکری چھوڑ کر بیٹھ جائے۔ بڑی مصیبت ہو جائے گی۔ پھر.....'' یونس بھائی نے نصیحت کرتے ہوئے اسے ڈرایا۔

''ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ نہ میں نوکری چھوڑنے والا ہوں نہ نوکری مجھے چھوڑنے والی ہے۔''

اگرچہ ضامن کے لہجے میں غرور بالکل نہیں تھا اس نے ہنس کر ہلکے پھلکے انداز میں ہی یہ الفاظ کہے تھے

www.pklibrary.com

اور اس کے وہم وگمان میں نہ تھا کہ سامنے کھڑی قسمت اس پر ہنس رہی ہے اور اس کے الفاظ اس کا منہ چڑا رہے ہیں۔

☆☆☆

گھر صاف ستھرا تھا۔ ملکہ مسور کی دال کُکر میں پک رہی تھی۔ شوشوں کی مخصوص آواز پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ سدرہ کے دونوں بچے کمرے میں کھلونوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ وہ خود امی کے ساتھ بازار گئی ہوئی تھی۔ چھٹی کا دن تھا، ابو بھی کسی کام سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

فائزہ نے جلدی جلدی اپنی چوٹی میں بل ڈالے اور صحن میں رکھے گملوں کو پانی دینے لگی۔ شام تو ہو رہی تھی۔

''خدا جانے امی اور آپی کب آئیں گی؟'' پودوں کو پانی دیتے ہوئے اسے خیال آیا ہی تھا کہ ڈور بیل بج اٹھی۔

فائزہ نے دروازہ کھولا۔ باہر امی اور سدرہ ہی تھیں۔ دونوں تھکی ہوئی تھیں۔ ذرا بیٹھیں، سانس اور حواس قابو آئے تو فائزہ نے انہیں پانی لا کر دیا۔

''بیٹی! پہلے یہ چینی ذرا ڈبے میں ڈال دو، احتیاط سے کام کرنا، گر نہ جائے۔ چینی بھی چاندی کے بھاؤ ہو گئی ہے خدا کی مار اس مہنگائی پر جو رہا سہا خون بچا ہے بدن میں، وہ بھی نچوڑ کر ہی دم ہی لے گی۔''

امی نے حسب معمول پہلے مہنگائی اور اس کے ذمے داران کو بے بھاؤ کی سنائیں پھر ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔

''بچوں نے تنگ تو نہیں کیا؟'' سدرہ نے فائزہ سے سوال کیا۔

''نہیں جب سے آپ گئی ہیں کھیل ہی رہی ہیں۔'' فائزہ تھیلوں میں سے چیزیں نکالنے لگی۔ امی ذرا دیر آرام کی غرض سے کمرے میں چلی گئیں۔

''تمہیں کیا ہوا؟ منہ پر بارہ کیوں بجے رہتے ہیں؟'' سدرہ نے فائزہ کا بغور جائزہ لیا۔

''منہ ہی ایسا ہے۔'' فائزہ ہولے سے مسکرائی۔

''کوئی نہیں۔ اچھا بھلا چہرہ ہے۔ اتنا پیارا، بس خوشی کے آثار کم ہیں اور مسکراہٹ غائب ہے۔ شادی کے دن قریب ہوں تو لڑکیاں خوشی سے کھل اٹھتی ہیں تم دن بہ دن مرجھاتی چلی جا رہی ہو۔'' سدرہ نے چھوٹی سی تقریر جھاڑ دی۔

''تمہارا وہم ہے۔'' فائزہ نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

''وہم نہیں، مجھے یقین ہے، تمہارے چہرے پر اتنا بڑا بڑا لکھا ہوا ہے کہ تم پریشان ہو، سدرہ کیا تم اب بھی..... اب بھی ضامن کے بارے میں سوچتی ہو؟'' سدرہ کو کچھ خیال آیا تو اس نے سوال کیا۔

''آہستہ بولیں، امی سن لیں گی تو کیا سوچیں گی؟'' فائزہ چیں بہ چیں ہونے لگی۔

''امی نے ہی کہا ہے مجھ سے کہ فائزہ دن بہ دن مرجھاتی چلی جا رہی ہے۔ ہنسنا بولنا بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ مگر امی کا خیال ہے کہ گھر اور گھر والوں سے جدائی کے خیال سے تم افسردہ ہو۔''

''ہاں ایک وجہ یہ بھی ہے۔'' فائزہ اپنی انگلیاں مروڑنے لگی۔

''اور پہلی یا دوسری وجہ؟''

''اس کا نام آپ نے بتایا تو ہے۔'' فائزہ کی خشک آنکھوں میں نمی کی لہر ہلکورے لینے لگی۔

''آپی! میں نے بہت کوشش کی مگر پرانے خوابوں کو سمیٹ کر پھینکنا اور نئے خواب کو ان کی جگہ دینا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ بس میں نے خود کو اللہ کی مرضی اور حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے۔ کبھی سوچتی ہوں کہ کیا پتا شادی کے بعد یہ کیفیت اور دل کی یہ حالت نہ رہے؟''

''زیادہ مت سوچا کرو، ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھنا تم شادی کے بعد بہت خوش رہو گی۔'' سدرہ نے اسے تسلی دی اور ساتھ ہی ایک تھیلی ٹٹولنے لگی۔

''یہ میں تمہارے لیے لائی ہوں۔'' سدرہ کے ہاتھ میں بہت پیاری سی بالیاں تھیں۔ فائزہ کی پسند

www.pklibrary.com

کے عین مطابق اسے بالیاں بہت پسند تھیں۔

''اوہ، تھینکس، بہت خوب صورت لگ رہی ہیں۔'' فائزہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

''کل تمہاری سالگرہ ہے، اس کا تحفہ۔''

سدرہ کے یاد دلانے پر فائزہ کو یاد آیا۔ ورنہ وہ تو کل کا دن بھولے بیٹھی تھی ویسے باقاعدہ طور پر سالگرہ منانے کا چلن تو نہیں تھا گھر میں مگر یہ ساری بہنیں ایک دوسرے کی سالگرہ پہ چھوٹے موٹے تحائف دے دیتی تھیں ایسے تحفے جن کی قیمت معمولی مگر ان کے ساتھ جڑا خلوص و محبت غیر معمولی ہوتا تھا۔

☆☆☆

سڑک پر ٹریفک کا سیلاب رواں دواں تھا۔ اس بہتے سیلاب میں ایک گاڑی ثروت کی بھی تھی جسے وہ بڑی مہارت سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھے ضامن کی نگاہیں ونڈ اسکرین کے پار اندھیرے، اجالے کا سنگم دیکھ رہی تھیں۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' کوئی تیسری بار ضامن نے سوال کیا تھا۔

''بس پانچ منٹ اور خاموش رہو، ہم پہنچنے ہی والے ہیں۔'' ثروت مسکرائی اس کے سفید ہموار دانت چمک اٹھے۔

کچھ دیر بعد وہ ایک مہنگے ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہے تھے جہاں ان کی ٹیبل پہلے سے ریزرو تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' ضامن حیران تھا۔

''تمہاری نئی جاب کی خوشی میں، میری طرف سے ٹریٹ۔'' ثروت نے سر جھٹک کر اپنے تراشیدہ بالوں کو پیچھے کیا۔

''جاب ملی مہربانی بھی آپ کی اور ٹریٹ بھی آپ کی ہی طرف سے؟'' ضامن نے ایک نظر ریسٹورنٹ کا جائزہ لیا۔ اس کا انٹریئر جتنا خوب صورت تھا۔ بل بھی اتنا ہی بھاری بنتا تھا۔

''صرف یہ ٹریٹ میری طرف سے ہے۔ اگلی بار تم سے لوں گی۔ جب پہلی سیلری ملے گی۔''

''میں اپنی حیثیت کے مطابق آپ کو کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اتنی مہنگی جگہ تو میرے بس سے باہر ہوگی۔''

''ڈونٹ وری، تم کسی ڈھابے یا فٹ پاتھ کے ٹھیلے سے بھی کچھ کھلاؤ گے تو میں کھالوں گی۔'' ثروت کی آواز میں شوخی تھی۔

''اب میری اتنی اوقات تو ہوگئی ہے کہ ڈھابے اور ٹھیلے سے ذرا بہتر جگہ آپ کو کھانا کھلا سکوں۔'' ضامن مسکرایا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔

انس بھائی کی کمپنی میں اس کی جاب کا پہلا دن تھا، پچھلی نوکری کے مقابلے میں زیادہ تنخواہ اور کافی مراعات تھیں۔ یہاں تک پہنچنے میں ثروت کی مدد اور تعاون بھی شامل تھا۔ سچ مچ دل کی گہرائیوں سے ثروت کا احسان مند تھا۔ اپنے احساسات اس کے سامنے بیان کیے تو وہ ہنس پڑی۔

''اب اتنے فارمل نہ بنو۔ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں اور ویسے بھی ابھی ایک سرپرائز اور ہے تمہارے لیے۔''

''اب اور کیا رہ گیا؟''

''تمہیں ڈرائیونگ آتی ہے؟ اگر نہیں آتی تو فٹافٹ سیکھ لو۔'' ثروت نے بولتے بولتے اپنے موبائل کی اسکرین ضامن کے سامنے کی۔ گرے کلر کی کار اسکرین پر چمک رہی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' ضامن نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ثروت کو دیکھا۔

''یہ گاڑی ہے اور یہ اس گاڑی کی چابی۔'' ثروت نے ڈرامائی انداز میں اس کے سامنے چابی رکھی جو بہت اسٹائلش کی چین سے منسلک تھی۔

''یہ گفٹ ہے تمہارے لیے۔'' ثروت نے لاپروائی سے بولتے ہوئے اپنی پلیٹ میں موجود فرائی فش کا ٹکڑا فورک میں پھنسایا اور منہ میں رکھا۔

''اتنا مہنگا گفٹ؟'' ضامن کی حیرانی بے ساختہ تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے احساس ہوا کہ یہ اس کے لیے مہنگا تحفہ ہے وگرنہ ثروت اور اس کی فیملی کے نزدیک آٹھ دس لاکھ بس اتنی ہی وقعت رکھتے تھے جتنا

www.pklibrary.com

کہ ضامن کے لیے ہزار آٹھ سو۔

''دیکھو اب تم اس بھائی کی کمپنی میں ہو۔ جلد یا بدیر لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ تم ہمارے کزن ہو۔ اس لیے اپنا ایک اسٹیٹس مین ٹین کرو، تمہارے حالات بدل رہے ہیں اپنی زندگی کو اپنے آپ کو بھی چینج کرو۔''

''آپ کی باتیں ٹھیک ہیں مگر میں یہ گفٹ نہیں لے سکتا۔''

''کیوں؟'' ثروت کے کھاتے ہوئے ہاتھ تھم گئے اس نے اچنبھے سے ضامن کو دیکھا۔

''میں زمین پر جو کھڑا ہوں تو اپنے پیروں پر اپنے قد کے ساتھ کھڑا ہوں۔ اسے میرا فخر سمجھیے۔ خود داری یا غرور، مانگے کی بیساکھیوں سے اپنے قد میں اضافہ نہیں کرنا چاہتا۔ آپ نے جاب کے معاملے میں بہت مہربانی کی یہی احسان بہت ہے۔''

''نہ وہ کوئی احسان تھا نہ ہی یہ احسان ہے۔ یہ جاب تمہارا حق تھا اور یہ ہماری خوشی ہے۔''

''آپ کی خوشی بہت بڑی بڑی چیزوں میں ہے؟'' ضامن ہولے سے بولا۔

ثروت ایک لمحے کو خاموش ہوگئی اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔

''بس آپ یہ دعا کریں کہ میں خود اتنی بڑی خوشی حاصل کرنے کے قابل ہو جاؤں۔'' ضامن نے دھیرے دھیرے کھانا شروع کیا۔

''تم عجیب ہو ضامن! لوگ تو چند روپوں کی چیز کے لیے بھی اپنا ضمیر ایمان اور خودداری داؤ پر لگا دیتے ہیں۔'' ثروت کی آنکھوں میں ستائش کے رنگ تھے۔

''چلیں چھوڑیں، کوئی اور بات کریں۔''

ضامن اپنی تعریف سن کر جھینپ گیا۔

''کوئی اور بات؟'' ثروت نے جانچتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''مجھ سے شادی کرو گے؟''

☆☆☆

موبائل کان سے لگائے لگائے امی کا کان سن ہونے لگا تھا مگر اس لڑکے کی باتیں بلکہ گلے شکوے، شکایتیں اور فرمائشیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

وہ فائزہ کا منگیتر تھا اور جو لمبی چوڑی شکوہ نما تقریر اس نے جھاڑی تھی اس کا لب لباب یہی تھا کہ منگیتر ہوتے ہوئے بھی اسے فائزہ سے بات کرنے کا اور ملنے کا حق کیوں نہیں؟ اور آج کل کے دور میں اتنے دقیانوسی والدین کہاں پائے جاتے ہیں سوائے اس گھر کے؟

امی نے سمجھانے بجھانے کی اپنی سی پوری کوشش کر لی تھی مگر وہ بھی بلا کا ضدی تھا۔

''آنٹی جی! میں تو آپ کو اپنی امی کی طرح سمجھتا ہوں مگر آپ لوگ مجھے نہ کچھ سمجھتے ہیں نہ اعتبار کرتے ہیں۔''

''نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں، تم پہ بھروسا کر کے ہی تو اپنی بیٹی تمہیں سونپ رہے ہیں۔ بخدا ہم تمہیں اپنے اشعر سے کم نہیں سمجھتے۔'' امی اس ضدی اور جذباتی لڑکے کی باتوں سے گھبرا سی گئیں۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم پوری فیملی کل ڈنر پر باہر جائیں گے آپ فائزہ کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ میں اسے خود وش کر کے گفٹ دینا چاہتا ہوں اس کی سالگرہ کا۔''

اس نے تو خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔ امی دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ شریک حیات نے تو موبائل پر بات کرنے کی اجازت نہیں دی۔ صاحبزادے ملاقات کی فرمائش کر رہے ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوگئی کہ پستول نہیں دے رہے تو توپ دے دو۔

امی نے پریشان ہو کر سمدھن صاحبہ کو فون کیا مگر وہ بھی اپنا راگ الاپ رہی تھیں۔

''بات یہ ہے بہن کہ ہمارا بیٹا سب سے چھوٹا ہے تو لاڈ پیار نے ذرا ضدی بنا دیا ہے بچپن سے اس کی یہی عادت ہے کسی بات پر اڑ جاتا ہے تو بس، جب تک اس کی بات نہ مانی جائے۔ ضد پہ قائم رہتا

www.pklibrary.com

ہے۔ ویسے برا مت مانیے گا۔ بھائی صاحب (فائزہ کے ابو) بھی زیادہ ہی سختی کر رہے ہیں تھوڑی بہت نرمی اور رعایت تو بچوں کو دینی ہی پڑتی ہے شادی تو ہونے ہی والی ہے۔ آپ انہیں سمجھائیں۔"

"ضد تو ان میں بھی بہت ہے۔ بس کسی بات کا فیصلہ کرلیں تو ٹس سے مس نہیں ہوتے۔" امی نے ہولے سے کہا۔

"کیا کہیں بہن! دونوں سسر داماد ایک جیسے ضدی ہیں۔ اب ہمارے بیٹے کے سر پر بھوت سوار ہے کہ فائزہ کو خود وش کرے گا۔ اور گفٹ دے گا۔ آپ بھائی صاحب سے بات کرلیں۔ ہم کل ڈنر پر جائیں گے۔ فائزہ کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور واپسی پر گھر چھوڑ دیں گے۔ کوئی اکیلی تو نہیں جائے گی وہ، ہم بھی ساتھ ہوں گے۔"

سمدھن صاحبہ بھی بیٹے کی حمایت میں بول رہی تھیں یا بیٹے کی ضد کے آگے وہ بھی مجبور تھیں۔

امی اب سوچ رہی تھیں کہ کیا کریں۔ مجازی خدا کے علم میں لائے بغیر فائزہ کو نہیں بھیجنا۔ اتنی جرات ان میں نہیں تھی اور اس موضوع پر اپنے غصیلے اور ضدی شوہر سے بات کرنا! اتنی بہادر بھی نہیں تھیں وہ، سوچ سوچ کر اپنے سر میں درد کرنے کے بعد بالآخر انہوں نے فیصلہ کر ہی لیا۔

☆☆☆

رات گئے موبائل اسکرین پر ثروت کا نمبر دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس طرح اتنی رات اس نے کبھی فون نہیں کیا تھا۔

"آئی ایم سوری، میں تمہیں اس وقت ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ دراصل مجھے نیند نہیں آرہی، میں یہ سوچ رہی تھی کہ تم نے میری بات کو مائنڈ تو نہیں کیا؟"

"مائنڈ کرنے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔" ضامن سمجھ گیا کہ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔

"آپ سکون سے سو جائیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی نیند خراب نہ کریں۔" ضامن نے ہلکے پھلکے انداز میں مشورہ دیا۔

"میرا پروپوزل تمہارے لیے چھوٹی سی بات ہے؟"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ نے کیا سوچ کر یہ فیصلہ کیا؟" ضامن نے خجل ہو کر بات سنبھالی۔

"ضامن! میرے پاس دنیاوی اور مادی ہر آرام و آسائش ہے۔ بہت دولت ہے مگر جسے دل کی خوشی، اطمینان اور سکون کہتے ہیں وہ نہیں ہے۔ میں نے ایک لالچی اور بدنیت شوہر کو بھگتا ہے، مجھے اب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ اسٹیٹس اور دولت کبھی بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں اور اہمیت انسان کی ہوتی ہے ایک ایسے انسان کی جس کی زبان اور رویہ تکلیف دہ نہ ہو۔ جس کے ساتھ بات کر کے رہ کے، خوشی اور سکون کا احساس ہو۔ تم لالچی نہیں ہو۔ اس سے بڑی خوبی میرے لیے اور کوئی نہیں۔"

ثروت بولتی ہی چلی گئی۔ ضامن خاموشی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"تم سوچ سمجھ لو، پھر جواب دے دینا۔" ثروت نے اس کی خاموشی محسوس کی تو تجویز پیش کی۔

"میں اگلے ہفتے آؤں گا آپ کے پاس۔"

"ٹھیک ہے، میں اس دن کا انتظار ابھی سے کر رہی ہوں۔"

فون آف ہونے کے بہت دیر بعد تک بھی ضامن جاگتا رہا۔ نیند اس کی آنکھوں سے بھی غائب ہو گئی تھی۔ دل ایک عجیب ادھیڑ بن میں مبتلا تھا۔ ایک طرف وہ خواب تھے جو بہتر زندگی کے حوالے سے دیکھے تھے۔ ان کے پورے ہونے کی امید سامنے ہی جگمگا رہی تھی اور وہ خواب جو فائزہ کے حوالے سے دل میں تھے۔ وہ فقط خواب ہی رہ گئے۔ ان کی تعبیر کا کوئی آسرا نہ تھا۔ فائزہ اب ایک خواب سے بڑھ کر ایک سراب بن گئی تھی۔ اس کے پیچھے لپکنا اور اس کی خواہش کرنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔

اور ہر انسان کے اندر کہیں نہ کہیں ایک سوداگر

www.pklibrary.com

ضرور چھپا ہوتا ہے۔

☆☆☆

بہت ڈرے ڈرتے اور اپنی طرف سے بہت مناسب و موزوں الفاظ چن کر امی نے مجازی خدا کے سامنے سارا معاملہ پیش کیا اور توقع سے بھی زیادہ وہ بھڑک اٹھے۔

''دماغ ٹھیک ہے؟ جب ایک بار منع کر دیا پھر بار بار ان سب باتوں کی کیا تک ہے؟''

''بہت اصرار کر رہے ہیں وہ سب۔''

''کرنے دو اصرار میری طرف سے انکار ہے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اتنے نو دو لتیے اور چھچھورے ہیں تو.....'' ابو کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

''اب تو یہ عام سی بات ہوگئی ہے۔'' امی نے دبی زبان سے کہا۔

''ارے عام تو بہت کچھ ہوگیا ہے۔ سب کچھ کرنے کی اجازت دے دوں بیٹی کو؟'' ابو تو بس بھڑکتے ہی چلے گئے۔

''پھر؟ منع کر دوں انہیں؟''

''اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کیا؟''

ان کی نگاہیں اتنی شعلہ بار تھیں کہ بیگم صاحبہ کو وہاں سے اٹھ جانے میں ہی خیریت اور عافیت نظر آئی۔

☆☆☆

چار دن تو گزر گئے تھے۔ سوچ سوچ کر دماغ پلپلا سا ہو گیا تھا۔ یونس بھائی کو سارا معاملہ بتا کر مشورہ لینا چاہا تو وہ سنتے ہی بھڑک اٹھے۔

''ابے امل میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ جیک پاٹ لگ گیا تیرا ہاں کرا اور عیش کر۔''

انہوں نے تو فوراً مشورہ دے ڈالا۔ بچہ تو ضامن بھی نہیں تھا اچھی طرح جانتا تھا کہ اس ایک ''ہاں'' کے بعد زندگی کا نقشہ بدل کر کچھ کا کچھ ہو جائے گا۔ مگر یہ چھوٹا سا لفظ ہی پہاڑ لگ رہا تھا۔

''ارے ہاں پھپھو کا حال احوال پوچھ آنا ذرا، طبیعت ٹھیک نہیں ہے ان کی۔ آپا کل گئی تھیں تو بتا رہی تھیں۔'' یونس بھائی نے باتوں باتوں میں آگاہ کیا۔

''ابھی چلا جاتا ہوں۔ کل پتا نہیں واپسی کس وقت ہو۔'' ضامن پڑوس میں پھوپھو کے پاس چلا گیا۔ مضمحل سی لیٹی ہوئی تھیں۔ چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔

پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا۔ چند گھنٹے اسپتال میں گزار کر آئی تھیں۔

''اب تو ٹھیک ہوں بیٹا!'' انہوں نے ایک حسرت بھری نگاہ ضامن پر ڈالی۔

نمرہ ایک ٹرے میں شربت اور نمکو وغیرہ لے آئی تھی۔ ضامن اس سے پڑھائی کے بارے میں پوچھنے لگا۔ نمکو ٹوٹلتے ہوئے اور شربت پیتے ہوئے۔ پھپھو سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے ضامن کی نگاہیں فائزہ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

خالی گلاس ٹرے میں رکھ کر وہ ٹرے اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں رکھ آتا ہوں۔'' امی نے دوائی کھائی ہوئی تھی، وہ غنودگی میں تھیں۔ ضامن ٹرے اٹھا کر کچن میں آ گیا۔ فائزہ روٹیاں پکا رہی تھی۔

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''خوش لگ رہی ہو۔ اگلے مہینے رخصت ہو جاؤ گی یہاں سے؟'' ضامن اس کے چہرے پر نہ جانے کیا کھوج رہا تھا۔

''اچھا! ویسے آپ کو بھی کوئی اچھی لڑکی مل جائے گی۔'' فائزہ نے روٹی پلٹتے ہوئے جواب دیا۔

''جیسے تمہیں مل گیا ہے کوئی اچھا لڑکا؟''

''سب نصیب کے کھیل ہیں۔'' ضامن کی بات سن کر فائزہ کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرا گیا۔

''اور ہم کھلونے؟'' ضامن نے لب بھینچ لیے۔

وہاں سے واپس آ کر وہ اور بے سکون ہو گیا تھا۔ محبت کا شجر دل سے اکھاڑ پھینکنا آسان نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی جڑ، ڈنٹھل، کچھ نہ کچھ باقیات دبی رہ ہی جاتی ہیں۔ سارے رستے بند ہونے کے باوجود بھی

www.pklibrary.com

وہ اس کھلی راہ گزر پر جانے سے گریزاں تھا جو بانہیں پھیلائے اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

فلیٹ وہی تھا مگر لاؤنج کی سجاوٹ آج کچھ مختلف اور منفرد تھی۔ تازہ پھولوں کی آرائش اور خوشبو سے ہر گوشہ مہک رہا تھا۔

ضامن جس صوفے پر بیٹھا تھا اس کے سامنے شیشے کے ٹاپ والی میز پہ کانچ کا ایک باؤل تھا جو موتیا کی منہ بند کلیوں اور کھلتے ہوئے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ پورے لاؤنج کو مہکانے کے لیے ان پھولوں کی خوشبو بہت تھی۔ ضامن نے ایک نظر سامنے بیٹھی ثروت پر ڈالی۔ زیتونی رنگت کے سلکی بال دائیں بائیں شانوں پر گرے ہوئے تھے۔ آج اس کی آنکھوں کا رنگ بھی لینس کی بدولت مختلف تھا۔ نومیک اپ لک والا میک اپ خوب صورت تراش خراش کا جوڑا اور بہت ہی نازک سا جیولری سیٹ۔

ثروت اور دنوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔ ضامن جو کچھ سوچ کر آیا تھا۔ سب ہوا میں تحلیل ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''پتا نہیں میں وہ کہہ پاؤں گا یا نہیں جو سوچ کر آیا ہوں۔'' ایک کلی اس کی گردن میں ابھری اور معدوم ہوگئی۔

ثروت کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ ضامن نے ایک گہری سانس اندر لی، موتیے کی خوشبو اندر تک اتر گئی۔ اس نے بولنا شروع کیا۔ اور جیسے جیسے وہ بولتا گیا۔ اس پر جمی ثروت کی نگاہیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں یہاں تک کہ وہ بے یقینی سے بھر گئیں۔

''تم مجھے ریجیکٹ کر رہے ہو؟'' ثروت نے سرسراتی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

''نہیں میں آپ کو نہیں بلکہ آپ کے لیے خود کو ریجیکٹ کر رہا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میرا آپ کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ آپ کی بلندی اور میری پستی میں بہت فاصلہ ہے، میں اسے پاٹ نہیں سکتا۔''

''یہ باتیں تو میرے سوچنے کی تھیں۔ تم کیوں سوچ رہے ہو؟ جب میں نے اس فرق کو نظر انداز کر دیا ہے۔'' ثروت کا لہجہ تیز ہوا۔

''اس کے علاوہ بھی ایک اور بات ہے۔ میں نے بہت ایمان داری اور سچائی سے سوچا، میرا دل فائزہ کی جگہ کسی کو نہیں دے سکتا۔ شاید چند برسوں بعد میں خود کو سنبھال لوں مگر ابھی نہیں۔ آپ کو میری سچائی اور ایمان داری نے متاثر کیا۔ میں آپ کو دھوکے میں رکھ کر یہ رشتہ قائم نہیں کرنا چاہتا جس میں میرے لیے اٹریکشن کی وجہ آپ کا اسٹیٹس ہے۔''

''یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم خوابوں کی دنیا میں رہتے ہو؟ ریئلسٹک بنو۔ تمہاری اس کزن کی شادی ہونے والی ہے غالباً۔''

''میرے بچپن، لڑکپن اور جوانی کا ڈھیروں وقت اس لڑکی کے پاس ہے۔ پہلے احساس نہیں تھا مگر اب ہوتا ہے۔ میں اندر سے بہت خالی ہوگیا ہوں۔ آپ پلیز مجھے معاف کر دیں، میں آپ کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکا۔'' ضامن نے نظریں نیچے کرلیں اس کے انداز میں بے بسی تھی۔

''کیا مطلب معاف کر دوں؟ کیا میں تم سے بھیک مانگ رہی ہوں؟ تم ہو کیا؟ تمہاری اوقات کیا ہے؟ میں کوئی مری نہیں جا رہی ہوں تم سے شادی کے لیے۔ میری مجبوری نہ ہوتی تو تمہیں کبھی منہ بھی نہ لگاتی۔'' ثروت پھٹ پڑی اور ضامن کے جیسے پرخچے اڑ گئے۔

''آپ.....''

''اپنی بکواس بند کرو اور میری بات غور سے سنو، میں اور شہیر (سابق شوہر) آج بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ہمارا جھگڑا ہوا تھا میں نے غصے میں طلاق کا مطالبہ کر دیا۔ اس نے بھی غصے میں اس مطالبے کو پورا کر دیا مگر ہم دونوں بعد میں بہت پچھتائے اور آج تک پچھتا رہے ہیں۔ میرا اسٹیٹ اتنا گرا نہیں کہ تم جیسوں پر مرمٹوں، مجھے حلالہ کرنا ہے۔ اب صاف صاف بات کرو، جتنی رقم تمہیں چاہیے بولو، مل جائے گی۔ بس کچھ عرصے کے لیے یہ شادی رکھنی

www.pklibrary.com

ہوگی۔"

ضامن سکتے کے عالم میں اس کی زبان سے یہ انکشاف سن رہا تھا۔ ثروت خاموش ہوئی تو اس کا سکتہ بھی ٹوٹ گیا۔

"آپ یہ سب پہلے بتا دیتیں۔" ضامن نے خود کو سنبھال کر زخمی لہجے میں کہا۔

"اب بتا دیا۔ اب بولو کیا ڈیمانڈ ہے تمہاری۔"

"حلالہ کی نیت سے شادی کرنا گناہ ہے۔ ایسا نکاح....."

"میں نے تمہاری ڈیمانڈ پوچھی ہے فتویٰ نہیں۔" ثروت نے اس کی بات کاٹ کر دانت کچکچائے۔ عین اس وقت جب وہ جیت کے بالکل قریب تھی۔ اس کی جمی جمائی بساط پوری الٹ گئی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سب کچھ تہس نہس کر ڈالے۔

"میں نے ایک کزن ہونے کی حیثیت سے آپ کا دکھ بانٹنا چاہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے پیچھے آپ....." ضامن نے کچھ کہتے کہتے لب بھینچ لیے۔

"فضول باتیں مت کرو، میں کسی اور پر بھروسا نہیں کر سکتی، تم بولو، یہ کام کرو گے یا نہیں؟" غصے کے مارے ثروت کی حالت بری تھی کسی چوٹ کھائی ناگن کی طرح وہ بل کھا رہی تھی۔

"پیسے کے لیے لوگ کچھ بھی کر لیتے ہیں۔ ڈھونڈ لیجیے کسی کو، کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔ دولت کی تو کوئی کمی ہے نہیں آپ کے پاس۔" کھڑے ہوتے ہوئے ضامن نے سخت لہجہ اختیار کیا اور ایک پل ضائع کیے بغیر چل دیا۔

☆☆☆

صاف ستھرا صحن چھوٹے چھوٹے چند گملوں سے سجا ہوا تھا۔ شام دھیرے دھیرے سرمئی ہوتی جا رہی تھی۔

فائزہ نے گملوں میں پانی ڈالا اور اپنی پسندیدہ جگہ یعنی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ ذہن منتشر تھا۔ دس طرح کے خیالات دماغ میں آ رہے تھے مگر کسی ایک پہ فوکس کرنا مشکل تھا۔ سوچتے سوچتے اس کا دھیان امی کی طرف چلا گیا۔ بے چاری سیدھی سادھی امی فائزہ سے زیادہ پریشان تھیں کچھ نہ سوجھا تو مدد کے لیے بڑی بیٹی کو بلا لیا اب کمرے میں بیٹھیں سدرہ کے آگے دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھیں۔

"اسی ٹینشن کی وجہ سے تو بی پی ہائی ہو گیا میرا۔" اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے ایک آہ بھری۔

آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں؟ ابو کے تو علم میں لائیں ساری بات کہ وہ رشتہ ختم کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔ ویسے بھی....."

"کون..... کسے دھمکیاں دے رہا ہے؟" ابو کی آواز پر امی اور سدرہ دونوں ہی ہڑبڑا گئیں۔ ابو دوسرے کمرے میں سو رہے تھے سوتے سے اٹھ کر یہاں آ کر کب کھڑے ہوئے انہیں پتا ہی نہ چلا۔

"کچھ نہیں..... وہ....." امی ہکلا سی گئیں مگر سدرہ نے سمجھ داری اور پر اعتمادی کا مظاہرہ کیا۔

"ابو، معیز (فائزہ کا منگیتر) نے امی سے کہا ہے کہ شادی سے پہلے ہر صورت فائزہ سے ملاقات کرے گا ورنہ رشتہ ختم کرنے کی دھمکی دی ہے۔"

"صاحبزادے کی یہ جرأت، شرطیں لگا رہے ہیں شادی کے لیے اور دھمکی دے رہے ہیں۔ ابھی طبیعت صاف کرتا ہوں۔ میرا فون لاؤ کمرے سے۔" ابو غصے سے سرخ چہرہ لیے وہیں بیٹھ گئے۔

"ذرا نرمی سے بات کیجیے گا۔" امی نے ڈرتے ڈرتے مشورہ دیا۔

اتنی دیر میں سدرہ نے کال کر کے ابو کو موبائل دیا۔ انہوں نے زیادہ لمبی چوڑی بات نہیں کی تھی۔ مختصر لفظوں میں سارا معاملہ نپٹا دیا تھا۔

ان کی بات ختم ہوئی تو امی کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور سدرہ کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

☆☆☆

گھر کا سارا کاٹھ کباڑ اور فالتو سامان ٹین ڈبے والے کو دیا گیا تھا۔ کرایے کا گھر اتنا بڑا نہیں تھا۔ مختصر

www.pklibrary.com

سازوسامان ہی وہاں منتقل کیا تھا۔

ضامن نے بھی اپنی ضروری اشیا اور کپڑے وغیرہ ایک سوٹ کیس میں بھر لیے تھے اگلے ہفتے سے گھر کی تعمیر کا کام شروع ہو رہا تھا۔ سامان سمیٹ کر ایک طرف کر کے وہ کمرے سے باہر صحن میں آ گیا۔

اور کچھ عرصے بعد یہ جانا پہچانا منظر ماضی کا حصہ بن جائے گا۔ اس کی جگہ ایک نیا منظر لے لے گا۔ ضامن نے صحن اور برآمدے پر نظریں دوڑائیں منظر یوں ہی بدل جایا کرتے ہیں۔ جب تک نہیں بدلتے، نہیں بدلتے اور جب تبدیل ہوتے ہیں تو یوں کہ احساس تک نہیں ہوتا۔ عجیب ہے سب کچھ یا شاید حیرت انگیز، یہ زندگی اور اس کے کھیل۔

ضامن کی نئی نویلی نوکری کو ابھی مہینہ بھی نہیں ہوا تھا اسے چھوڑ کر اپنی پرانی جاب کے لیے دوبارہ اپلائی کر دیا تھا۔ یہ پرانی نوکری کسی مفاد پرست کے کھیل کا حصہ نہیں تھی۔ یہاں تنخواہ کم تھی مگر اعتماد تھا۔

وہ برآمدے میں پڑی کرسی پر ٹک گیا۔ گزرے چند مہینوں نے اسے زندگی کا وہ سبق سکھایا تھا جو وہ برسوں میں بھی نہ سیکھ پاتا۔ وہ خلوص اور ہمدردی کے جذبے کے ساتھ ثروت کی طرف بڑھا تھا۔ اسے اپنی حیثیت اور حدود کا ادراک تھا جس سے تجاوز کرنے کے بارے میں اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر لوگ اپنی خودغرضی میں دوسرے کے اچھے جذبوں کی کیسی توہین کرتے ہیں اسے اب اندازہ ہوا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو ایک چہرہ چھم سے سامنے آ گیا اور فقط چہرہ ہی نہیں بلکہ اس کی آواز بھی جیسے ضامن کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''اور اب تمہارے چہرے کے ساتھ ساتھ تمہاری آواز بھی میرے اندر سفر کرنے لگی ہے۔''

ضامن نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ سامنے ہی کھڑی تھی۔ دیوار کے دوسری جانب، اپنی چھت پر۔

''کن خیالوں میں گم ہو۔ تین چار آوازوں کے بعد جاگے ہو؟'' فائزہ کی آواز میں پہلے جیسی کھنک اور چہرے پر چمک تھی۔

''ایک ہی ہے جس کا خیال دن کا چین اور راتوں کی نیند اڑا لے گیا ہے۔'' ضامن بولتے بولتے رک گیا۔ اب ان سب باتوں کا کیا فائدہ؟

تو تم لوگ شفٹ ہو رہے ہو؟''

''عارضی طور پر، واپس تو یہیں آنا ہے۔''

''تم نے کبھی سوچا تھا کہ یہ گھر بننے کے لیے یوں اچانک انتظام ہو جائے گا؟'' فائزہ کا سوال کچھ عجیب سا تھا اور اس کا لہجہ بھی۔

''سچ بتاؤں تو شاید نہیں۔ مجھے لگتا تھا کہ ہم اسی حالت میں رہیں گے مگر..... مگر اب ادراک ہوا کہ برا وقت یا برے حالات ہمیشہ نہیں رہتے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے بھی یقین ہو گیا ہے اس بات پر۔'' فائزہ نے سر ہلاتے ہوئے اپنی چمکتی آنکھیں اس پر مرکوز کیں۔

''ابا جان اور یونس بھائی کو امی کے پاس بھیج دینا افسوس کے لیے۔''

''خیریت، کیا ہوا؟'' ضامن کی حیران و پریشان نگاہیں اس کی شوخ چمک دار آنکھوں سے ٹکرائیں۔

''میرا رشتہ ختم ہو گیا ہے اس کے افسوس کے لیے۔'' فائزہ نے چہکتے ہوئے بتایا۔

''کیا.....؟ کیسے؟'' ضامن بوکھلا کر کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

''پتا نہیں کیسے، شاید میری دعائیں رنگ لے آئیں یا تمہاری آہیں یا پھر واقعی یہ تقدیر کا کھیل ہو؟''

''اور تقدیر کا وہ کھیل کتنا دلچسپ ہوتا ہے جس میں جیت ہماری ہو۔''

ضامن اس دیوار کے قریب آ گیا جس کے پار وہ کھڑی تھی۔ اس دیوار سمیت دونوں کے درمیان کی ہر دیوار بس گرنے ہی والی تھی۔ اس احساس نے ضامن کی آنکھوں اور چہرے کو وہی چمک عطا کر دی تھی جو فائزہ کے چہرے پر تھی۔

☆

www.pklibrary.com

''میرے بھائی! حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں، تم رزق حلال پر توکل کبھی مت چھوڑنا۔ ایسے بندے کو اللہ پاک اطمینان قلب کی اس نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے جو دنیا میں ہر انسان کے پاس نہیں۔''

فیکٹری سے گھر کا راستہ اتنا طویل تو نہ تھا جتنا آج ہو گیا۔ یوں ہی بے مقصد بائیک دوڑاتا جیب میں بجتی فون کی گھنٹی کو مسلسل نظر انداز کیے وہ سڑکیں ناپتا پھر رہا تھا۔

''کیسے چلے گا اب گھر؟ اسے کیا بتاؤں گا؟''

ان ہی سوالوں میں الجھے دماغ کے ساتھ تھک ہار کر بالآخر جب گھر پہنچا تو سائرہ کو پریشانی سے اپنا منتظر پایا۔ دونوں بچے بھی ابھی تک جاگ رہے تھے۔

''عمیر! کدھر رہ گئے تھے آپ؟'' اسے اندر آتا دیکھ کر وہ اس کی جانب لپکی۔

''کوئی دس بار تو کال کی ہو گی میں نے۔ مجال ہے جو کسی ایک پر بھی جواب آیا ہو۔''

''فیکٹری ورکر کی اچانک میٹنگ آ گئی تھی، اس لیے رکنا پڑا۔'' فوری طور پر جو جواب سوجھا دے کر آگے بڑھ گیا اور گرنے والے انداز میں بیڈ پر لیٹ گیا۔

زرقا سکندر

عید تو مبارک ہے

''پھر بھی ایک میسج لکھ بھیجنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ مجھے آپ کی اتنی فکر ہو رہی تھی۔''

سائرہ کو اس جواب سے تسلی نہ ہوئی وہ ہنوز وہیں کھڑی تھی۔

''بس شور میں پتا ہی نہیں چلا۔ کچھ کھانے کو ملے گا یار!''

اسے باہر بھیج کر عمیر نے کچھ پل سکون لینا چاہا۔

''اچھا، ابھی لاتی ہوں۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گئی تو اس نے بھی کروٹ بدل کر آنکھیں موند لی۔

ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ تین سالہ حبا دھپ سے اس پر آن سوار ہوئی اور اپنی توتلی زبان میں باتیں کرنے لگی۔

''ماما نے آپ تے لیے تو فتے بنائے ہیں بابا!

www.pklibrary.com

مزے تے ہیں، تھائیں دے آپ؟"

"اچھا، مزے کے ہیں پھر تو بابا ضرور کھائیں گے۔"

نا چاہتے ہوئے بھی اسے اٹھنا پڑا۔

"یہ....." وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔

"دیکھیں بابا! میتھ کے ٹیسٹ میں میرے فل مارکس آئے ہیں۔"

حبا سے بڑا اویس بھی اپنی نوٹ بک اٹھائے، اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"ویری گڈ۔ میرا بیٹا! خوب محنت کیا کرو۔"

بیٹے کے ماتھے پر پیار کر کے عمیر نے اسے شاباش دی تو وہ خوشی سے نہال ہو گیا۔

"کیا خیال ہے حبا بیٹا! ہو جائیں پھر بھائی کے لیے تالیاں۔" بچوں میں گھل مل کر وہ کچھ پل کے لیے اپنی تکلیف فراموش کر چکا تھا۔

"چلو بچو! اپنے اپنے بستر پر جاؤ دونوں اور بابا کو کھانا کھانے دو۔" سائرہ کھانا لے آئی تو وہ بھی منہ ہاتھ دھونے اٹھ کھڑا ہوا۔

"خیریت تو ہے نا سب؟ مجھے کچھ پریشان لگ رہے ہیں آپ؟" کھانے کے بجائے کہیں اور مگن اسے نوالوں کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر سائرہ پوچھے بنا نہ رہ پائی۔

شروع میں تو وہ ٹال مٹول سے کام لیتا رہا مگر سائرہ کے مصر ہو جانے پر اسے ساری بات بتانا ہی پڑی۔

"دراصل دو روز پہلے کچھ فیکٹری ورکرز نے سپلائی لے جانے والے ٹرک ڈرائیوروں کے ساتھ مل کر راستے میں ہی کافی سارا مال اتروا کر کہیں غائب کر دیا اور واقعے کو ڈکیتی کا نام دے کر بری الذمہ ہو گئے۔ فیکٹری کے مالک کو کسی طرح اس بات کی خبر ہو گئی تو اس نے پولیس کے ذریعے مال برآمد کروا کے ان سب کو نوکری سے فارغ کر دیا ہے۔ مال کی یہ سپلائی چونکہ میری نگرانی میں ہوئی تھی۔ دوسرا ان میں سے دو لڑکوں کے ساتھ میری جان پہچان بھی تھی۔ ان کا ساتھی ہونے کے شبے میں مالک نے مجھے بھی نکال باہر کیا ہے۔ حالانکہ میں اس تمام واقعے میں بالکل لاعلم اور بے قصور ہوں۔"

"ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ آپ کے ساتھ؟" عمیر کی بات سن کر سائرہ کی تو آنکھیں چھلک پڑیں۔

"فیکٹری کو دیے اتنے سالوں کی محنت کا یہ صلہ ملا ہے کہ یوں کھڑے کھڑے نوکری سے بے دخل کر دیا گیا ہوں۔ مالک نے ایک بار نہیں سوچا کہ میرا بھی گھر بار ہے، کون دے گا مجھے اتنی جلدی نوکری آگے رمضان بھی آ رہا ہے۔"

"یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے کہیں بہتر نوکری عطا کرے گا۔ وہ ذات مسبب الاسباب ہے۔ بالکل بھی دکھی نہ ہو۔"

سائرہ کی طرف سے ہر ممکن دل جوئی کرنے پر وہ کسی حد تک ذہنی طور پر پرسکون ہو چکا تھا۔

☆☆☆

مسلمانوں پر اپنی بے شمار برکتیں اور رحمتیں نچھاور کرنے کے لیے ماہ رمضان کا نزول ہو گیا۔ عمیر تقریباً روزانہ ہی نوکری کی تلاش میں گھر سے نکل جاتا اور روزے کی حالت میں دربدر پھرتا۔

"دیکھیں، فی الحال تو ہمارے پاس ورکرز پورے ہیں۔ اپنا رابطہ نمبر چھوڑ جائیں، ضرورت پڑنے پر آپ کو کال کر دی جائے گی۔"

ہر جگہ سے لگ بھگ کچھ ایسا ہی جواب سننے کو ملتا اور وہ مایوس گھر لوٹ آتا جہاں سائرہ ہمیشہ کی طرح مسکرا کر استقبال کرتی کہ اس کی ساری ٹینشن دور ہو جاتی۔

"پتا ہے سائرہ! تمہاری یہ مسکراہٹ میرے لیے کس قدر قیمتی ہے جو مایوسی کے گھپ اندھیروں سے نکال کر مجھے روشنی میں لے آتی ہے۔"

دروازے پر ہی کھڑا وہ اسے بتا رہا تھا۔

"یہی تو میں چاہتی ہوں کہ بجائے ناامید ہونے کے آپ بس کوشش جاری رکھیں، میرے اللہ

www.pklibrary.com

نے چاہا تو ضرور کامیابی مقدر بنے گی۔"

بیوی کی ڈھارس اسے اندر تک سرشار کر دیتی۔

اور جس دن وہ گھر میں ہوتا تو سائرہ کو معمول کے کاموں میں مگن دیکھتا۔ بنا کسی خرچے کا تقاضا کیے یا پیسوں کا مسئلہ اٹھائے بچوں کی دیکھ بھال، انہیں پڑھانے کھلانے کے ساتھ ساتھ نماز اور تلاوت قرآن پاک بالکل نہ بھولتی۔

عادل (سائرہ کا بھائی) ہر دوسرے تیسرے روز آ کر سودا سلف دے جاتا۔ رول، نگٹس، سموسے، کباب، چاٹ، جوس شیک وغیرہ روزانہ کے حساب سے دستر خوان پر موجود ہوتے بلکہ اکثر ہی وہ ہمسائیوں کے ہاں بھی افطاری بھجوا رہی تھی۔

"سب جانتے ہوئے بھی کہ میں آج کل بے روزگار ہوں۔ سائرہ کی اس عادت میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا۔ بجائے ہاتھ روک کر رکھنے کے یہ فضول خرچی میری سمجھ سے تو باہر ہے۔" بیوی کی دل آزاری اسے روا نہ تھی۔ لہٰذا یہ بات محض عمیر کی سوچ تک محدود رہی۔

☆☆☆

رمضان کا دوسرا عشرہ بھی اختتام پذیر ہونے کو تھا۔ ایک تو آج گھر سے نکلتے نکلتے دیر ہوگئی، دوسرے جہاں گیا تھا، اُدھر کام بھی نہ بنا تو خاصا بیزار ہو گیا۔

"ہوٹلوں میں برتن دھونے والا کام ہی رہ گیا ہے۔ نوکری تو ملنے سے رہی۔ چپ چاپ مجھے اب یہی کام کر لینا چاہیے۔"

سڑک کنارے بائیک روکے، ان ہی خیالوں میں محو تھا کہ کسی مہربان سی آواز پر وہ چونکا۔

"بھائی جان! آئیں، روزہ افطار کر لیں۔ سائرن بجنے کو ہے۔"

سامنے سڑک کنارے ایک طرف افطار کے لیے دستر خوان بچھائے جا رہے تھے۔ ادھر اُدھر بلکہ گاڑیوں، رکشوں وغیرہ سے بھی لوگ نکل کر وہاں آ کے بیٹھنے لگے۔ بائیک ایک جانب کھڑی کر کے وہ بھی ادھر جا بیٹھا۔ شربت، کھجوریں، سموسے، بریانی سب کچھ ہی اس کے آگے رکھ دیا گیا۔

کیسا روح پرور نظارہ تھا۔ گردن گھما کر اس نے اپنے آس پاس دیکھا، امیر غریب سب ایک جگہ، ایک ساتھ بیٹھے روزہ افطار کر رہے تھے۔

"کاش یہ خلوص اور انسانیت ہمارے ملک کے لوگوں میں سارا سال ہی نظر آتی رہے تو کیا ہی بات ہے۔ یہ کیا کہ رمضان ختم ہوتے ہی لوگ اپنی حرکتوں سے شیطان کو مات دینے لگیں۔" شدت سے اس کے دل میں یہ خیال ابھرا تھا۔

نماز مغرب ادا ہوتے ہی سڑکوں پر یک دم رش بڑھ گیا۔ مرد عورتیں، بچے سب ہی عید کی شاپنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

"اگر یہی حال رہا تو اور کتنے دن سائرہ میرے لیے مسکرا کر دروازہ کھولے گی۔ جہاں ضروریات زندگی سر اٹھالیں، محبت اور چاہت جیسے نرم و گداز جذبات کہیں اور اڑان بھر جاتے ہیں۔ پیچھے صرف تلخیاں رہ جاتی ہیں۔

☆☆☆

"سائرہ! میں سوچ رہا ہوں، اپنی بائیک بیچ دوں تاکہ کچھ پیسے ہاتھ میں آ جائیں۔ گھر کے اخراجات میں کام آئیں گے پھر عید بھی آ رہی ہے سو خرچے نکل آتے ہیں۔"

گھر آ کر پہلی فرصت میں ہی اس نے بیوی سے مشورہ طلب کیا جو اسے کسی طور پر پسند نہ آیا۔

"جب گزارا ہو رہا ہے تو پھر ضرورت ہی کیا ہے اسے بیچنے کی۔ روز روز تھوڑا لی جاتی ہیں بھلا ایسی چیزیں۔ بنا اس کے بسوں اور رکشوں پر آنے جانے کی جو خواری ہوگی، اس کا بھی آپ نے سوچا ہے۔"

"سوچا تو یہ بھی تھا کہ فیکٹری سے اس بار جو عید پر بونس ملے گا تمہارے اور بچوں کے اس میں سے کپڑے اور جوتے وغیرہ آ جائیں گے۔"

"عمیر! میں تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی ہوں کہ سر پر ہمیں یہ چھت دی ہے ورنہ کرایہ نکالتے ہوئے کتنی مشکل ہو جاتی۔ کپڑوں کا کیا ہے، وہ تو آ ہی

www.pklibrary.com

جائیں گے۔"

ہر بار کی طرح اس مرتبہ بھی شوہر کی دل جوئی کر کے سائرہ نے اسے مطمئن کر دیا تھا کہ وہ دل میں اس کی سمجھ داری کا قائل ہو گیا۔

اگلے روز گھر لوٹا تو سائرہ اور بچے گھر پر نہیں تھے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ شاپنگ بیگز سے لدی اندر داخل ہوئی، بچے بھی ہمراہ تھے۔

"دراصل بھابھی کا فون آیا تھا، وہ عید کی خریداری کے لیے نکل رہی تھیں، تو میں بھی ساتھ چلی گئی۔" اسے سامنے بیٹھا دیکھ کر سائرہ نے فوراً صفائی پیش کی۔

"کہیں روڈ پر نہ ہوں آپ، اس لیے فون کر کے نہیں بتایا۔ ایک چابی تو آپ کے پاس ہی ہوتی ہے۔" نئے کپڑے اور جوتے پا کر بچوں کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے۔

"اور یہ آپ کے کپڑے۔" اسکائی بلیو اور آف وائٹ رنگوں کے دو کرتے اس کی جانب بڑھائے اور کہنے لگی۔

"درزیوں نے تو ویسے بھی ان دنوں سلائی کے کپڑے لینے بند کر دیے ہیں، اس لیے میں ریڈی میڈ ہی خرید لائی ہوں۔"

"بچوں تک تو ٹھیک ہے سائرہ! ان کی عید ہے مگر میرے کپڑوں پر پیسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

کرتوں پر ایک نگاہ ڈال کر عمیر الٹا اس پر خفا ہونے لگا۔

"پتا بھی ہے جب کہ میں ان دنوں بے روزگار ہوں، جگہ جگہ دھکے کھانے کے باوجود بھی کچھ حاصل نہیں ہو پایا اور تم ہو کہ فضول میں ان چیزوں پر رقم اڑانی پھر رہی ہو جن کے بغیر بھی گزارا ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں جب عادل نے ہمارا خرچا اٹھا رکھا ہے۔"

اندر کئی روز سے دبا غبار باہر نکل آیا تو اذیت سے اس کا لہجہ تلخ تر ہوتا چلا گیا۔

"کیسا خرچا؟ آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ ہمارا عادل بھائی تو کیا کسی اور پر بھی ایک آنے کا ادھار نہیں۔ یہ سب کچھ میری اپنی کمائی سے آیا ہے۔"

تیز تیز بولتی سائرہ کی زبان پھسلی تھی۔

"تمہاری کمائی؟" ہارے تعجب کے عمیر کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلتی چلی گئیں کہ سائرہ کو کہنا پڑا۔

"یوں پریشان مت ہوں آپ، میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔" اس کے چہرے پر نظریں جمائے وہ جواب کا منتظر تھا۔

"عمیر! میں گھر میں بیٹھ کر کوئی کام کر کے آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی تاکہ کل بچوں کی اعلا تعلیم کے لیے ہمیں مالی مسائل درپیش نہ ہوں لیکن جب بھی آپ سے اجازت مانگتی تھی، آپ ناراض ہو جاتے کہ بس گھر اور بچوں پر توجہ دو۔ اس لیے آپ کو بتائے بغیر میں نے چھوٹا سا کام شروع کر رکھا ہے۔ نلٹس، کوفتے، رول، گولہ اور شامی کباب وغیرہ بنا کر عادل بھائی کے اسٹور پر رکھوا دیتی ہوں۔ اس کا سامان وغیرہ بھی ان ہی سے منگواتی ہوں پھر تیار مال بھی وہی لے جاتے ہیں۔"

کسی مجرم کی طرح سر جھکائے وہ اپنے جرم کا اعتراف کر رہی تھی۔

"چھ ماہ ہو گئے ہیں مجھے یہ کام کرتے ہوئے، خالص مسالوں کے استعمال سے میری بنائی چیزیں ہاتھوں ہاتھ بک جاتی ہیں۔ شکر ہے اللہ کا کہ آمدنی اچھی ہو رہی ہے۔ سب سے بڑھ کر میں خوش ہوں کہ آج اگر آپ کی نوکری ختم ہوئی ہے تو اس کام کی وجہ سے ہی ہم دوسروں کی طرف دیکھنے اور ان سے ادھار مانگنے سے بچ گئے ہیں۔"

"زندگی میں یقیناً کوئی نیکی کی ہے میں نے جس کا صلہ تم جیسی نیک بیوی کے ملنے کی صورت میں ہے۔" عمیر کی آواز رندھ گئی تھی۔

"مشکل وقت میں تمہارا ساتھ میرے لیے باعث رحمت ہے۔ تم نے سچ میں ثابت کر دیا کہ مثالی بیوی کیا ہوتی ہے۔"

www.pklibrary.com

اب اس کا ہاتھ تھامے وہ اقرار کر رہا تھا۔

"لیکن....." اگلے ہی پل وہ غضب ناک ہوا۔

"مجھ سے یہ سب چھپانے کی تمہیں کڑی سے کڑی سزا ملے گی۔"

"کیسی سزا؟" سائرہ کا رنگ فق ہو چکا تھا۔

"جب تک میری نوکری کا کہیں بندوبست نہیں ہو جاتا، تمہاری سزا یہ ہے کہ میں بھی تب تک اس کام میں تمہاری مدد کروں گا۔ بولو، منظور ہے؟"

چہرے پر مسکراہٹ سجائے عمیر نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تھا۔

"جی بالکل، سو فیصد منظور ہے۔" رکی ہوئی سانس بحال کرتی سائرہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"یعنی کہ اب ہم آن لائن آرڈرز بھی لے سکتے ہیں۔"

"یہ بھی ڈن۔"

اس بات پر عمیر نے ہنس کے جواب دیا۔

☆☆☆

اہل ایمان کو عید کا انعام دے کر مہمان رمضان اپنی رونقیں سمیٹتا رخصت ہو چکا تھا۔

بچوں کے ہمراہ عید کی نماز پڑھ کر وہ مسجد سے باہر نکل رہا تھا کہ فیکٹری کے مالک جواد صاحب کو اپنی طرف آتا دیکھ کر رکا۔

"سر! آپ یہاں کیسے؟"

ساری رنجش بھلا کر گرم جوشی سے عید مل کر اس نے پوچھا۔

"عمیر! میں یہاں تم سے ملنے آیا ہوں۔ اپنے کیے کی معافی مانگنے۔" ان کے چہرے پر ندامت کے آثار واضح تھے۔

"مجھے اپنے گھر چلنے کا نہیں کہو گے؟" بڑی اپنائیت سے وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بولے۔

"جی سر! آئیں پلیز۔ مجھے خوشی ہوگی۔"

"عمیر! میرے دل نے شروع سے ہی اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ تمہارا بھی واردات میں کوئی ہاتھ ہو سکتا ہے۔" اس کے گھر کے چھوٹے مگر صاف ستھرے ڈرائنگ روم میں بیٹھے وہ اعتراف کر رہے تھے۔

"ورکرز کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے ہم نے فیکٹری میں جو خفیہ کیمرہ لگوا رکھے ہیں، ان میں سے کل اتفاقاً ایک ویڈیو میری نظر سے گزری جس نے میرے شک کو یقین میں بدل کے رکھ دیا۔ واردات میں ملوث راحیل اور اسد کے علاوہ بھی دو اور لڑکے تمہارے ساتھ کھڑے ہیں۔ نمایاں آواز کے ساتھ ان سب کو تم رزق حلال کمانے کی تلقین کرتے نظر آ رہے ہو۔"

"جی بالکل سر! میرا رزق حلال پر پکا ایمان ہے اور حرام سے نفرت ہے۔ اور سر! آپ کو دھوکا دینے سے کہیں بہتر تھا کہ میں مر جاتا۔"

اس کا پراعتماد لہجہ، آنکھوں سے جھلکتی سچائی دیکھ کر جواد صاحب بے اختیار بول اٹھے۔

"تو پھر عید کے بعد فیکٹری آنا شروع ہو جاؤ۔ مجھے تم جیسے نیک نیت اور ایمان دار ورکرز کی ہی ضرورت ہے۔ یہ تمہاری دو ماہ کی تنخواہ اور ساتھ میں عید کا بونس۔" ایک لفافہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہنے لگے۔

"اور یہ میری طرف سے تمہارا انعام۔" انہوں نے ایک اور لفافہ اس کو پکڑا دیا۔

"لیکن اس بار تم اسٹور انچارج نہیں بلکہ میرے تینوں اسٹورز کے سپر وائزر بن کے ڈیوٹی دو گے اور سیلری بھی اسی حساب سے بڑھا دی جائے گی۔"

اتنے میں سائرہ چائے، کباب اور شیر خرمہ کی ٹرے لے آئی۔

کیسا حسین سماں تھا۔ عید ایک ساتھ کئی خوشیاں لے کر اس گھر کے آنگن میں اتری اور عمیر اور سائرہ کے چہروں پر رقصاں ہوئی کئی رنگ بکھیرتی چلی گئی۔

www.pklibrary.com

امت العزیز شہزاد

ششدر سی

''کیسی ہو سکینہ؟'' گھر کے روزمرہ کے کام دھندوں سے فراغت پا کر، نماز ظہر ادا کرنے کے بعد وہ ابھی اپنی دکھتی کمر سیدھی کرنے ذرا دیر کو بستر پر دراز ہوئی ہی تھیں کہ برسوں سے بغرض روزگار سعودیہ میں مقیم ان کے مجازی خدا جناب عبدالرحمٰن کا فون آ گیا۔

''اللہ کا بہت کرم ہے۔'' وہ جو نیم غنودہ سی کیفیت میں تھیں، اٹھ بیٹھیں اور لہجے کی تھکن کو بشاشت کی ردا میں چھپا کر پوچھنے لگیں۔ ''آپ کیسے ہیں؟''

''اس شخص کا کیا پوچھتی ہو بیگم! کہ جس نے خود سے چھوٹے اپنے جواں سال بھائی کا زخموں سے چور لاشہ اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا ہے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

''کیا ہوا؟'' سکینہ کو ان کی نم آواز نے بری طرح پریشان کر دیا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ پیارے سے نٹ کھٹ دیور کی ناگہانی موت خود ان کے لیے بھی بہت بڑا نا قابل فراموش سانحہ تھی مگر اب تو اس واقعے

www.pklibrary.com

ناولٹ

کو بیتے بھی ایک دو نہیں پورے اٹھارہ برس گزر گئے تھے۔ اور وقت چاہے جتنا بھی ظالم سہی پر ایک خوبی تو اس میں ہے کہ وہ ہر گزرتی ساعت کے ساتھ زخم مندمل کر دیتا ہے۔ ان کے بھی ہو گئے تھے تو پھر آج کیا ہوا۔"

"عبداللہ کل خواب میں آیا تھا میرے، طہور کے لیے بڑا فکر مند تھا مجھے سچ سچ بتاؤ سکینہ! طہور ٹھیک تو ہے؟" ان کی آواز اندیشوں سے پر تھی۔ سکینہ جو عبداللہ کے ذکر پر ماضی میں کھو کر رقیق القلب ہو گئی تھیں۔ عبدالرحمٰن کے بدلتے لہجے پر چونک کر حال میں واپس پلٹیں اور ایک لمحے کے لیے تو پاگل من چاہا کہ سر پیٹ ڈالیں اپنا نہیں بلکہ۔

"آپ بھی کمال ہی کر دیتے ہیں عبدالرحمٰن صاحب۔" وہ چڑ کر بولیں۔

"طہور کو کیا ہونا ہے اللہ کا بہت شکر ہے کہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"تو پہلے کی طرح روزانہ مجھ سے فون پر بات کیوں نہیں کرتی؟" بے چینی سے اگلا سوال کیا گیا۔

"نئی نئی نوکری میں جو مصروف ہے اپنی..... بے چاری بچی کو خود اپنے لیے بھی وقت نہیں مل رہا تو آپ کے لیے کہاں سے نکالے؟"

"اور وہ آپ کے صاحب زادے..... وہ کیسے ہیں؟" اس بار لہجے میں طنز واضح تھا۔

"وہ....." اس اچانک حملے کے لیے سکینہ شاید ذہنی طور پر تیار نہیں تھیں۔ تب ہی روانی سے مجازی خدا کو جوابات عنایت کرتی زبان کچھ..... بلکہ زیادہ ہی لڑکھڑا سی گئی۔ اور یہ لڑکھڑاہٹ اتنی واضح اور بے ساختہ تھی کہ وہ جو عادتاً غیر مطمئن و پریشان رہا کرتے

www.pklibrary.com

تھے۔ چونک گئے۔

"کیا ہوا؟ عبدالرحیم کے تذکرے پر تمہاری زبان کیوں لڑکھڑا گئی؟"

"ارے نہیں تو..... وہ تو میں ذرا....." سکینہ نے ان کی عادت سے واقفیت کے سبب انہیں پریشان نہ کرنے کے خیال سے سنبھل کر بات بنانا شروع کی ہی تھی کہ عبدالرحمن بے چینی سے ان کی بات درمیان ہی سے قطع کرتے ہوئے بولے۔

"دیکھو سکینہ! مجھ سے کچھ بھی مت چھپانا مجھے صاف صاف بتا دو کہ بات کیا ہے؟ کیا وہ نشہ کرنے لگا ہے؟ یا پھر غلط صحبت میں پڑ کر کوئی واردات وغیرہ کر بیٹھا؟"

"خدا کے لیے عبدالرحمن صاحب۔" ان کے سارے ہی اندیشے اس درجہ فضول تھے کہ سکینہ بے اختیار بلبلا سی گئیں۔ "کبھی تو کوئی اچھی بات سوچ لیا کریں آپ کی بدگمانیوں کی کوئی حد ہے؟"

"جب تم بیٹے کی خیریت بتانے میں اتنی دیر کرو گی تو روزگار کے چکر میں تجل خوار میلوں دور بیٹھے باپ کے دل میں وسوسے تو سر اٹھائیں گے نا۔" وہ اپنی دانست میں مدلل لہجے میں بولے۔

"دیر کہاں کی ہیں نے؟" وہ بے طرح چڑ کر بولیں۔ "بتا ہی تو رہی تھی کہ آپ اطمینان سے پوری بات سنے بغیر حسب عادت شروع ہو گئے۔"

"دیکھ لو..... میں یہاں شروع ہو کر ختم بھی ہو گیا پر تم نے تا حال میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ عبدالرحیم کیسا ہے؟" وہ طعنہ زنی والے انداز سے بولے۔

سکینہ کو ان کے اس لہجے پر تاؤ تو خوب چڑھا تاہم انہوں نے ایک اچھی مشرقی بیوی کی طرح مصلحتاً اس چڑھے ہوئے تاؤ کو بہلا پھسلا کر نیچے اتارا اور بڑے تحمل سے گویا ہوئیں۔

"بفضل تعالیٰ..... عبدالرحیم بالکل ویسا ہی ہے جیسا آپ پچھلے برس خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر گئے تھے۔"

"یعنی دبلا پتلا..... فاقہ زدہ۔" وہ ایک پریشان کن ہنکارا بھرتے ہوئے بولے۔

"اور وہ جو نوکری ڈھونڈ رہا تھا..... اس کا کیا بنا؟"

اف خدایا ایک اور مشکل سوال۔

"ڈھونڈ رہا ہے..... ابھی نہیں ملی....."

"چوبیس کا تو ہو گیا، کیا ساری زندگی نوکری کی تلاش میں برباد کر دے گا؟" منحوس باتیں کرنے میں جناب لاثانی تھے۔ سکینہ بھنا گئیں۔

"ارے نوکری کی تلاش میں اپنی زندگی برباد کرتے پھریں میرے لعل کے دشمن، میں پوچھتی ہوں آپ کو باپ ہو کر بیٹے کے بارے ایسی بدفالیں منہ سے نکالتے ذرا حیا نہیں آتی۔" وہ سخت برافروختہ بولیں۔

"بددعا تو یوں دی ہے گویا میں ہی تو اس کا دشمن ہوں۔" وہ بھی تیز ہو کر بولے۔ "اور اگر تمہیں میری بات اتنی ہی بری لگی ہے تو بیٹے کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو کہ میری بات مان جائے۔"

لگے ہاتھوں انہوں نے بیوی کی سرزنش ضروری سمجھی..... موصوف یوں ہی تو والدہ مرحومہ کے اچھے والے بیٹے نہیں تھے۔

"سب ہی کر کے دیکھ چکی ہوں۔ پر وہ نہیں مانتا۔" سکینہ اب کے ذرا مدھم ہو کر بولیں۔

"نوکری اسے ملتی نہیں۔ کاروبار وہ کرنا نہیں چاہتا پھر آخر وہ کرے گا کیا؟" وہ حقیقتاً بہت فکرمند تھے اس کے حوالے سے، خواہش تھی کہ ریٹائرمنٹ سے پہلے عبدالرحیم اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ چاہت ان کی اپنی جگہ جائز تھی لیکن عبدالرحیم کو کون سمجھاتا؟ اور جو کچھ وہ کرنا چاہتا تھا وہ عبدالرحمن کو کون بتاتا؟ کم از کم سکینہ میں تو فی الوقت یہ یارانہ تھا، سو وہ انہیں مطمئن کرنے کی خاطر لہجے میں ذرا مٹھاس سی بھر کر بولیں۔

www.pklibrary.com

''آپ اتنے پریشان نہ ہوں میں پرامید ہوں ان شاءاللہ نوکری مل جائے گی اسے۔''

''میں نے تو سوچا تھا کہ اس بار چھٹیوں میں پاکستان گیا تو طہور کا نکاح کر کے لوٹوں گا۔'' وہ کچھ دل گرفتہ ہو کر بولے۔ اور ان کا ذہن عبدالرحیم کی نوکری والے موضوع سے ہٹتا دیکھ کر دل ہی دل میں کلمہ شکر ادا کرنے کے بعد سکینہ قدرے ہلکے پھلکے لہجے میں بولیں۔

''نکاح بھی ہو جائے گا، پہلے کوئی لڑکا تو مل جائے۔''

''جب عبدالرحیم گھر میں ہے تب کوئی اور کیوں ملے؟'' وہ چمک کر ایک دم بولے اور سکینہ دوبارہ ایک دم یوں الرٹ ہوئیں گویا کسی نے برقی جھٹکا لگا دیا ہے۔

''یعنی، آپ کا مطلب ہے کہ عبدالرحیم اور طہور؟'' بات سامنے کی تھی پر اتنی عجیب تھی کہ سکینہ کا لہجہ خود بخود عجیب تر ہو گیا جسے محسوس کر کے عبدالرحمن کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

''ہاں عبدالرحیم اور طہور۔'' وہ تیکھے ہو کر بولے۔ ''کیوں کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟''

''مجھے بھلا کیا اعتراض ہوگا۔'' عبدالرحمن کا چبھتا لہجہ بھانپ کر سکینہ سنبھل کر محتاط لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولیں۔ ''میرے تو ہاتھوں پلی میری اپنی بیٹی ہے۔''

عبدالرحمن جانتے تھے کہ وہ غلط نہیں کہہ رہی ہیں کہ واقعی شگفتہ (عبداللہ کی بیوہ) کے گزر جانے کے بعد جس طرح سکینہ نے اس سات برس کی ڈری سہمی بچی کو اپنے سینے سے لگا کر رکھا تھا اس کی نظیر ذرا کم کم ہی ملتی ہے، تاہم وہ اس بات کا اعتراف بیگم کے سامنے کر کے بے چاری کو سر پہ چڑھانے کا سامان تو کر نہیں سکتے تھے۔ سو لہجہ سخت ہی رکھا اور بولے۔

''تب پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ خود عبدالرحیم اور طہور کا ہے عبدالرحمن صاحب۔'' وہ بردباری سے بولیں۔

''وہ دونوں آج کے دور کے باشعور اور تعلیم یافتہ بچے ہیں۔ کیا ان کی اپنی کوئی پسند ناپسند نہیں ہو سکتی؟''

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' عبدالرحمن جیسے سب کچھ سمجھتے ہوئے خفگی سے بولے۔

''صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تمہارا بیٹا اپنے لیے لڑکی خود پسند کر چکا ہے۔''

''جب بھی کریں گے الٹی ہی بات کریں گے آپ۔'' سکینہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں، میں تو اپنی جانب سے یوں ہی ایک بات کر رہی تھی۔''

''تو مت کرو نا خود سے کوئی بات..... پہلے بچوں سے پوچھو بلکہ پوچھو نہیں صرف بتا دو کہ ہمارا یہ ارادہ ہے۔ اچھا ہے نا عبدالرحیم پر بھی جب کچھ ذمہ داری پڑے گی تو روزگار کے معاملے میں سنجیدہ ہو جائے گا۔ چلو ادھر عصر کی اذان ہو رہی ہے میں مسجد جا رہا ہوں تم اپنا خیال رکھنا۔ ان شاءاللہ اب کل فون کروں گا۔'' وہ سکینہ کا اطمینان اچھی طرح سے غارت کرنے کے بعد بڑے معصوم سے لہجے میں انہیں اپنا خیال کرنے کی

www.pklibrary.com

تلقین کر کے چلتے بنے۔

سکینہ کا سر چکرانے لگا تھا۔ سو وہ فی الحال سارے تفکرات کو پرے دھکیل کر بے دم سی ہو کر بستر پر ڈھے گئیں۔

☆☆☆

''ماں نے بیوگی کے بعد دن رات سلائی مشین کے نام کر دیے تھے صاحب! اسی آس پر کہ بیٹا گریجویٹ ہو جائے تو سارے درد دور ہو جائیں گے پر ہوا کیا؟''

وہ شدت جذبات سے پھٹی ہوئی آواز میں دائیں ہاتھ کا مکا بائیں ہتھیلی پر مارتا ہوا چلایا۔ متناسب قد و قامت، خوب رو چہرہ، گندمی پر کشش رنگت، بولتی آنکھیں، گھنے بالوں کا جدید انداز، گمبھیر آواز کا متاثر کن اتار چڑھاؤ۔

عزیزی عبدالرحیم جو آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مکالموں کی مشق کر رہے تھے جیسے خود اپنے ہی سحر میں کھونے لگے۔

''آج مجھے گریجویٹ ہوئے پورے تین سال گزر گئے صاحب! پر نوکری نہیں ملتی۔''

''نہیں ملتی تو نہ ملے..... ابو کہہ تو رہے ہیں کہ تمہیں کاروبار کروا کر دیں گے تب ان کی بات مان کیوں نہیں جاتے تم۔'' کمرے کے کھلے دروازے سے اندر آتی سکینہ بے چاری ڈائیلاگ کا آخری حصہ ہی سن سکی تھیں جلدی سے بولیں۔ اور عبدالرحیم جو اس لمحے کسی اور ہی جہاں میں پہنچا ہوا تھا بے طرح چونک گیا۔

''آپ گھر میں تھیں؟'' وہ ان کی جانب گھوم کر قدرے خجالت سے بولا۔ اگر پتا ہوتا تو یقیناً دروازہ مقفل کر کے مشق کرتا۔

''ہاں میں کہاں جاؤں گی۔'' وہ کسل مندی سے بستر کے ساتھ رکھی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے بولیں۔ ''اپنے کمرے میں سو رہی تھی، تم یہ بتاؤ ابھی نوکری کے بارے میں کس سے بات کر رہے تھے؟'' انہوں نے اپنے میچ چہرے پر ہاتھ پھیرتے گویا نیند کا خمار دور کرتے ہوئے خاصی دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ میں دراصل۔'' وہ ناچار بتاتے ہوئے بولا۔ ''ڈائیلاگز کی مشق کر رہا تھا۔ کل ایک جگہ آڈیشن دینے جانا ہے۔ اس رول کی ڈیمانڈز کے عین مطابق ہوں میں..... بس دعا کریں کہ بات بن جائے۔''

اس نے بولتے بولتے بستر پر بیٹھ کر پرجوش سا ہو کر ان کا گھٹنا تھام لیا۔

''یہ خناس نکلا نہیں ابھی تک تمہارے دماغ سے؟'' وہ جو لفظ ''نوکری'' سن کر ذرا پرامید ہوئی تھیں اصل معاملہ جان کر ایک دم سخت غصے میں آ گئیں۔

''یہ خناس نہیں۔'' عبدالرحیم جذباتیت سے بولا۔ ''میرا جنون ہے۔ دراصل میں بنا ہی اداکاری کے لیے ہوں آپ کیوں نہیں سمجھتیں؟''

''میں سمجھ گئی۔'' سکینہ نے طنز سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اچھی طرح سمجھ گئی۔ اب یہ بات تم خود اپنے باپ کو بھی سمجھا دینا تاکہ میری ان روز روز کی جواب طلبیوں سے جان چھوٹ جائے۔''

''اب کیا پرابلم ہو گئی انہیں۔'' وہ کوفت زدہ سا ہو کر بولا۔

''وہ طہور سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' باپ کے لیے بیٹے کا یہ بے زار و کتابی لہجہ انہیں کھلا تو بہت تاہم مصلحتاً کوئی بھی لیکچر دینے سے گریز کرتے ہوئے معاملے کی گمبھیرتا کا احساس دلانے کی خاطر محض اسی قدر بولیں۔

''وہاٹ؟'' وہ یہ سن کر یوں اچھلا گویا تلووں کے نیچے اسپرنگ لگے ہوں ''طہور سے شادی..... اسے تو میں اپنی بہن سمجھتا ہوں۔''

''شرافت کا تقاضا بھی یہی تھا۔'' سکینہ عبدالرحیم کے بیان سے متاثر نہ ہوتے ہوئے لب کشا ہوئیں۔ ''شادی سے پہلے ہر نامحرم لڑکی کو اپنی بہن ہی سمجھنا چاہیے۔ پر اب تیار رہو۔ آ رہے ہیں ابو تمہارے اپریل میں، کہہ رہے تھے نکاح پڑھوا کر ہی واپس جائیں گے۔''

''امی پلیز۔'' عبدالرحیم سراپا احتجاج بن گیا۔

www.pklibrary.com

"میں یہ نکاح وکاح ابھی نہیں کرسکتا۔" اس کا انکار واضح اور دو ٹوک تھا..... سکینہ نئے سرے سے بھنا گئیں۔

"جاب تم ڈھونڈتے نہیں، کاروبار تمہیں کرنا نہیں اور اب نکاح کا بھی کہہ رہے ہو نہیں کرسکتا، پھر آخر کرکیا سکتے ہو تم؟"

"بتایا تو ہے کہ اداکاری۔" وہ اٹل لہجے میں عزم سے بولا۔ "آندھی آئے یا طوفان میں اداکاری ہی کروں گا۔"

اس کا لہجہ گواہ تھا کہ وہ اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ سکینہ نے بے بسی سے اپنا سر تھام لیا۔

☆☆☆

"بتاؤ..... یہ لڑکا تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں اب کیا کروں گی میں؟"

سکینہ حقیقتاً بے حد متفکر تھیں۔ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی پر یہ پریشانی ان کی بوجھل پلکیں جڑنے ہی نہ دے رہی تھی۔ عبداللہ کا ذکر آجانے پر دوپہر سے دل الگ بھاری بھاری سا تھا۔

وہ بھی کیسا سنہرا وقت تھا۔ جب وہ بیاہ کر اس گھر میں آئی تھیں۔ ایک سو بیس گز کے اس سادہ سے گھر میں گو مالی خوش حالی نہ تھی پر آپس میں محبت بہت تھی۔ کچھ یہ بات بھی تھی کہ افراد خانہ مختصر تھے سو معاشی تنگی اتنی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ساس رعب داب والی مگر شفیق تھیں تو دیور عبداللہ نٹ کھٹ شوخ وشنگ، ماں اور بڑے بھائی دونوں کا بہت لاڈلا۔ اپنی اچھی عادات وخصائل کے سبب جلد ہی بھابھی صاحبہ کا بھی من موہ لیا۔ جوں ہی تعلیم مکمل کرکے برسر روزگار ہوا، اپنی اماں کے سر ہو گیا کہ شگفتہ کو بیاہ لائیں۔

شگفتہ نے اس کے ساتھ ہی جامعہ سے تعلیم مکمل کی تھی۔ اچھے گھرانے کی باوقار خوب صورت وخوش اطوار شگفتہ..... کسی کو بھلا کیا اعتراض ہوتا ہاں مگر اس کے والدین تھوڑے متردد ضرور تھے کہ لڑکے کی نئی نئی نوکری ہے مگر عبدالرحمٰن نے انہیں طریقے سے مطمئن کردیا۔

یوں ایک سہانی شام شگفتہ ان کے آنگن میں چاند بن کر اتر آئی۔ ان ہی دنوں عبدالرحمٰن کو اپنے کسی دوست کی وساطت سے سعودیہ میں اچھی نوکری مل گئی۔ سکینہ شوہر کی دوری کے خیال سے خاصی بوکھلائی ہوئی اور افسردہ خاطر تھیں پر شوہر نے اچھی طرح سمجھا دیا کہ۔

"تین سالہ عبدالرحیم کے بہتر مستقبل کے لیے معاشی خوش حالی ضروری ہے اور پھر سال، دو سال ہی کی تو بات ہے جیسے ہی فیملی ویزا ملا تم دونوں کو اپنے پاس وہیں بلوالوں گا۔" پر بیوی کو یہ دلاسا دیتے ہوئے وہ قطعاً اس بات سے ناواقف تھے کہ وہیں کہیں آس پاس کھڑی تقدیر ان کی اس بات پر بڑے زور سے ہنسی تھی۔

گرمیوں کی وہ حبس زدہ سی شام آج بھی سکینہ کو پوری جزئیات کے ساتھ ازبر تھی کہ جس نے ان سب کی زندگیوں کی خوش رنگ تصویر کو ایک دم بے رنگ کرکے رکھ دیا تھا۔ عبداللہ معمول کے مطابق اپنی نوکری پر گیا تھا کہ راستے میں کسی تیز رفتار ٹرک نے ٹکر ماردی۔ موقع پر موجود افراد اٹھا کر قریبی اسپتال لے گئے مگر وہ جانبر نہ ہوسکا کہ لکھنے والے نے زندگی کی کتاب میں اس کا کردار بس یہیں تک لکھا تھا۔ کوئی قیامت سی قیامت تھی مگر بس گزر گئی۔

عبدالرحمٰن کا دل چاہتا تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وطن واپس لوٹ جائیں مگر دماغ کا کہنا یہ تھا کہ اب ایسا خیال کرنا بھی نری حماقت کے سوا کچھ نہیں کہ اب تمہارے ذمے ایک نہیں بلکہ دو گھرانوں کی کفالت ہے۔

اس عرصے میں بلاشبہ سکینہ نے بڑی اعلا ظرفی اور ہمت کا مظاہرہ کیا۔ ساس جو اس صدمے کے بعد — بستر سے جا لگی تھیں، ان کی تیمارداری کا بیڑا اٹھایا۔ شگفتہ جو عبداللہ کے بعد جینا بھول چکی تھی، اس کی دل جوئی اپنے ذمے لے لی..... گھر کے افسردہ ماحول کے سبب سہمے ہوئے عبدالرحیم کو دوبارہ شرارتیں کرنا سکھایا اور رہی تین سالہ معصوم طہور اس

www.pklibrary.com

معصوم پری سے تو یوں بھی سکینہ کو قلبی انسیت تھی سو اسے واقعتاً کلیجے کا ٹکڑا ہی بنا لیا۔ آج بیٹھی سوچ رہی تھیں تو خود پر ہونے والی حیرت سوا تھی کہ آخر وہ تن تنہا اتنے بڑے بڑے دشوار گزار پہاڑ سر کیسے کر گئیں لیکن وہ تنہا کب تھیں؟

ان کا ظرف سمندر، نیت پاکیزہ اور حوصلہ چٹان تھا سو اللہ نے بڑھ کر انہیں تھام لیا۔ کچھ ہی عرصے میں ساس گزر گئیں اور ان کے محض ڈیڑھ برس بعد شگفتہ، کہ آخر کوئی مصنوعی تنفس کے سہارے کب تک زندہ رہ سکتا ہے۔ سکینہ کے کام سمٹ گئے۔ ان کا گھر اور دل ایک دم ویران ہو گیا۔

وہ اندر سے ڈھے رہی تھیں عین ممکن تھا کہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتیں اگر جولڑکپن کی دہلیز کو عبور کرتے عبدالرحیم اور طہور نہ ہوتے تو۔

''طہور..... ہاں طہور!'' وہ جو ماضی کے سلگتے ریگ زار میں کسی بے قرار بگولے کی مانند چکر پھیریاں کھاتی پھر رہی تھیں اس ایک نام پر آ کر ٹھہر سی گئیں۔

''میری سنجیدہ مزاج، بردبار، فرماں بردار بچی۔'' وہ پریشانی کے باوجود پورے دل سے مسکرا دیں۔

''ماشاء اللہ اپنی مدلل گفتگو سے مقابل کو پچھاڑنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ یقیناً اس عقل کے پورے کو بھی باپ کی بات مان جانے پر رضامند کر ہی لے گی۔''

وہ طہور کے بارے میں واری صدقے جانے والے انداز سے سوچتے ہوئے غالباً بلکہ یقیناً ضرورت سے کچھ زیادہ ہی خوش گمانی سے کام لے گئی تھیں۔ پر بھلا ہو اس عمدہ خیال کا جو بروقت ان کے دماغ میں آ ٹھہرا۔ یوں کم از کم آج کی شب تو وہ بڑے سکون سے آنکھیں موند سکتی تھیں نا.....!

☆☆☆

''یعنی کہ میں اور عبدالرحیم..... مائے گاڈ امو جان، آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟''

ڈھیلے ڈھالے سرمئی آرام دہ ٹراؤزر اور گلابی شرٹ میں ملبوس دودھیا رنگت و سنہری تراشیدہ بالوں والی طہور نے اپنے عینک زدہ بڑے بڑے ''دیدوں'' کو حیرت کی زیادتی سے کچھ زیادہ ہی پھاڑتے ہوئے کہا۔

وہ صبح چھ بجے کی گئی سہ پہر ڈھلے اپنے دفتر سے واپس لوٹی تو اس قدر تھکن زدہ تھی کہ آتے ہی آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں بند ہو گئی، سکینہ کو اس کی بھوک، پیاس کی بڑی فکر رہتی تھی سو رات کے کھانے کے لیے جگا دیا۔ عبدالرحیم تو عموماً اس وقت گھر پہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ سو معمول کے مطابق دونوں نے پہلے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ پھر طہور چائے بنا لائی اور حسب عادت لاؤنج کی سامنے والی دیوار پر نسب ایل ای ڈی پر اپنا من پسند پروگرام یعنی ''خبرنامہ'' لگا کر بیٹھ گئی۔

اور اس کے عین مقابل صوفے پر براجمان کسی ادھیڑ بن میں غلطاں طہور کے ہاتھ کی بنی کڑوی کسیلی چائے، کھانسی والے کڑوے شربت کی مانند گھونٹ گھونٹ حلق سے بمشکل تمام اتارتی سکینہ کو یہی وقت مناسب ترین محسوس ہوا تھا۔ اس سے اس ''اہم ترین'' موضوع پر بات کرنے کا وگرنہ اگلی صبح تو پھر اس پر وہی عجلت سوار ہوتی اور اسی طرح دن ایک کے بعد ایک نکلتے چلے جاتے سو وہ اس وقت بنا کوئی لمبی چوڑی تمہید باندھے اپنی بات بڑی آسانی سے اس کے گوش گزار کر گئیں کہ انہی کے ہاتھوں پلی بڑھی تھی وہ تو پھر اس سے کسی بھی قسم کا تکلف، جھجک یا لحاظ کیسا؟''

''میں تو واقعی نہیں سوچ سکتی تھی۔'' سکینہ، طہور کے لہجے کی اجنبیت آمیز حیرانی محسوس کیے بنا اپنی ترنگ میں کہنے لگیں۔

''یہ خیال تو تمہارے تایا جان کا ہے کہ تم دونوں کی شادی کر دینی چاہیے۔''

''اور اس سے کیا ہو گا؟'' اس نے بدرنگی چائے کا نصف خالی کپ اپنے ساتھ والی تپائی پر دھرتے

www.pklibrary.com

ہوئے ماتھے پر بل ڈال کر استفسار کیا تو اس بار بڑے بھرپور انداز سے چونکی تھیں سکینہ۔

"شادی کر کے کیا ہوتا ہے طہور۔" وہ طہور کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا بغور جائزہ لیتی ہوئی متانت سے بولیں تو طہور پہلو بدل کر تر نت بولی۔

"یہی تو میرا سوال ہے آپ سے اموجان! کہ آخر شادی ایسا کون سا انوکھا کام ہے کہ جسے اپنے کیریئر پر ترجیح دے دی جائے۔"

ماشاء اللہ سے بات سے بات نکال کر بات کا رخ اپنے من پسند مطلب کی جانب موڑنے کے بعد، بات کو توڑ مروڑ کر آگے پیش کرنے کی تو اسے باقاعدہ تربیت دی گئی تھی چینل میں ملازمت دینے سے پہلے، سو وہ اپنے دونوں ہاتھ کی انگلیاں باہم پیوست کیے خاصے "اسٹرانہ" موڈ میں اس وقت بھی یہی کر رہی تھی۔

"کام انوکھا نہ سہی، مگر کبھی نا کبھی تو کرنا پڑے گا ہی نا۔" اس کے واضح اور صاف جواب نے سکینہ کی اس کے حوالے سے ساری خوش فہمیاں رفع کر دی تھیں۔ مگر پھر بھی ایک کوشش کے تحت وہ کہہ گئیں۔

"جب کرنا ہوگا اور جس سے کرنا ہوگا سب سے پہلے آپ ہی کو تو بتاؤں گی نا اموجان! مگر فی الحال پورے سکون اور توجہ سے مجھے میرا کام کرنے دیں۔" اس کے لہجے میں بے زاری ہی بے زاری تھی۔ سکینہ کا منہ اتر گیا۔

"کام کرنے سے کس نے منع کیا ہے مگر....."

انہوں نے پست لہجے میں ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ طہور انہیں ٹوکتے ہوئے بولے گئی۔

"اموجان پلیز مجھے پریشرائیز مت کریں۔ محض چار ماہ کے عرصے میں میری محنت لگن اور پوٹینشل دیکھتے ہوئے مجھے نیوز کاسٹر سے ہوسٹ بنا دیا گیا ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں، میں اپنے کیریئر کے اس اسٹیج پر کسی بھی قسم کا کوئی ایڈونچر کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ آئی ہوپ، آپ میرا پوائنٹ آف ویو سمجھ گئی ہوں گی۔ میں اب چلتی ہوں کل کے پروگرام کے حوالے سے مجھے کچھ ریسرچ ورک کرنا ہے۔ آپ بھی زیادہ ٹینس نہ ہوں، جا کر سو جائیں آرام سے۔ گڈ نائٹ۔"

ان کے ہاتھوں پلی اپنی کتر کتر چلتی زبان سے عبدالرحیم کے بجائے خود انہی کو چاروں شانے چت کر کے بڑے مزے سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی اور وہ اپنی ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کی پشت تکتے ہوئے بس یہی سوچے چلی جا رہی تھیں کہ میرے ہاتھوں پلی..... میرے ہاتھوں سے کب نکلی۔ دیکھو تو مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔

☆☆☆

"عبدالرحیم نے تو کیا ہی تھا پر مجھے طہور سے بڑی امید تھی مگر کل اس نے بھی بدلحاظی کی ہر حد پار کرتے ہوئے عبدالرحمن صاحب کی بات ماننے سے صاف طور پر انکار کر دیا، اب آپ ہی بتائیے اماں! کہ میں انہیں کیا جواب دوں۔ وہ تو کچھ بھی سوچے سمجھے بنا الٹا مجھے ہی کٹہرے میں کھڑا کر دیں گے کہ سکینہ بیگم..... یہ ہے تمہاری تربیت۔"

ساری رات کروٹیں بدل بدل کر اس گمبھیر معاملے کے ہر ہر پہلو پر اچھی طرح غور و خوض کرنے کے بعد سکینہ اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ کسی "نتیجے" پر پہنچنے کے لیے اب خالہ گوہر نایاب سے مشاورت کیے بنا کوئی چارہ نہیں۔

خالہ گوہر نایاب دراصل سکینہ کی والدہ کی بڑی بہن تھیں۔ سکینہ کی اپنی والدہ کو تو جہان فانی سے گزرے عرصہ گزر چکا تھا۔ ان کے بعد یہ خالہ گوہر نایاب ہی تھیں کہ جن کا دم سکینہ کو غنیمت تھا۔ جب کہ خالہ گوہر نایاب خود سکینہ کو اپنی سگی بیٹی ہی کی طرح چاہتی تھیں کہ اپنی کوئی بیٹی نہ تھی۔

"تو تجھ کو کس حکیم نے مشورہ دیا ہے کہ میاں کو سچ ہی بتا..... بس کسی بہانے سے ٹال دے۔"

شوخ رنگ کے لان کے جوڑے میں ملبوس بھاری تن و توش کی حامل خالہ گوہر نایاب نے اپنے صاف ستھرے شیمپو سے دھلے دھلائے چمک دار

www.pklibrary.com

سرمئی بالوں کو چوٹی میں گوندھتے ہوئے۔ سکینہ کو پہلے مشورے سے مستفیض کیا۔ سکینہ جو صبح ہی صبح رگشے میں بیٹھ کر خالہ گوہر نایاب کے در پہ حاضر ہو کر اپنی ساری کتھا بڑے دل سوز و دل فگار انداز سے خالہ کے گوش گزار کر دینے کے بعد اب نڈھال سی بیٹھی تھیں جھلاہٹ سے بولیں۔

"وہ ایک کائیاں انسان ہیں۔ فوراً بھانپ لیں گے کہ میں ٹال مٹول سے کام لے رہی ہوں..... پھر کوئی ایک آدھ دن کی بات ہو تو ٹال بھی دوں۔"

کوئی پریشانی سی پریشانی تھی۔ خالہ گوہر نایاب جو چوٹی گوندھ کر اب فارغ تھیں۔ اس مرتبہ بغور بنی جیسی بھانجی کا متفکر چہرہ دیکھا۔ سوچنے کے سے انداز میں اپنی سرمئی آنکھیں چھوٹی کیں اور پھر گمبھیرتا سے بولیں۔

"تو پھر ایسا کر کہ عبدالرحیم کو پکڑ کر ایک الٹے ہاتھ کا جھانپڑ اس کے کان کے نیچے لگا۔ نہ روتے ہوئے اسی وقت شادی کے لیے ہامی بھر لے تو میرا نام بدل دینا۔"

"کیا بات کرتی ہیں خالہ.....!" سکینہ جو بڑی پرامید نگاہوں سے خالہ کا چہرہ دیکھ رہی تھیں بدمزا ہو کر کہا۔ "اب وہ کوئی بچہ تھوڑی ہے کہ جو میری مار سے راہ راست پر آ کر میری بات مان جائے گا۔"

"تب پھر اسے الٹا لٹکا کر نیچے الاؤ دہکا دے۔ میں نے اپنے حمید کے ساتھ چھٹی میں فیل ہونے پر یہی سلوک کیا تھا۔ دیکھا تھا پھر کیسا تیر کی طرح سیدھا ہو گیا تھا وہ۔" خالہ گوہر نایاب کے لہجے کا تفاخر دیدنی تھا۔

"جی دیکھا تھا۔" سکینہ جو ان سے کسی معقول مشورے کی توقع کر رہی تھیں نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ لہجے میں کہہ گئیں۔ "ماشاء اللہ ایسے سیدھے ہوئے تھے حمید بھائی کہ اسکول کی شکل دیکھنا ہی چھوڑ دی تھی۔"

"یعنی تو یہ کہنا چاہتی ہے کہ میں نے اسے غلط سزا دی تھی۔" خالہ گوہر نایاب چمک کر بولیں۔ "اری وہ تو اپنی دادی کے بہکاوے میں آ کر پڑھائی چھوڑ بیٹھا تھا کم بخت وہ سازشی عورت (ساس) چاہتی ہی نہیں تھی کہ میری اولاد پڑھ لکھ جائے۔ میرے نام پر بٹا لگانے کے لیے ساروں کو جاہل مطلق رکھنا چاہتی تھی مگر گوہر نایاب بھی اپنے نام کی ایک تھی۔ جان ماردی میں نے اپنے بچوں کو پڑھانے کی خاطر..... مرحومہ اب قبر میں لیٹی سوچتی ہوں گی کہ بڑی غلط جگہ پنگا لیا تھا۔"

اپنی ظالم و جابر ساس کا "ذکر خیر" کرتے ہوئے وہ سخت وقت یاد کر کے خالہ کی آنکھیں لحظہ بھر کو جھلملا سی گئی تھیں مگر دوسرے ہی پل وہ اپنی جون میں لوٹتے ہوئے بولیں۔

"اسی لیے تجھے بھی صلاح دیتی ہوں کہ کچھ ہشیاری سیکھ۔ تجھے تو ساری زندگی تیرے شوہر نے اپنی انگلیوں پر نچایا اور تو ناچتی رہی، اری یہ دنیا بہت ٹیڑھی میڑھی ہے سکینہ! یہاں سیدھی انگلی سے گھی نکالنے کی کوششیں ترک کر دے۔"

"آپ ہی بتائیے نا خالہ! کہ میں اب کیا کروں۔" ان کی تقریر سن کر سکینہ بھنک کر رو پڑی تھیں۔

"صبح سے بھوکی بیٹھی ہے پہلے تو چل کر نگو (بہو) کے ہاتھ کے بنے بل دار پراٹھوں سے ناشتہ کر، اس کے بعد میں بتاتی ہوں تجھے کہ کرنا کیا ہے۔"

☆☆☆

"تم دونوں کا انکار میں نے عبدالرحمٰن صاحب تک پہنچا دیا تھا پر ان کا کہنا یہ ہے کہ انکار کا جواز نامعقول ہے سو وہ یہ نامعقولیت کرنے کی اجازت تم دونوں کو نہیں دے سکتے۔"

گو کہ خالہ گوہر نایاب نے اپنے طور پر سکینہ کو بہت اچھے طریقے سے سمجھا بجھا دیا تھا کہ آخر کرنا کیا ہے مگر چوں کہ سکینہ خود آگاہ تھیں لہٰذا بصد اصرار اپنی "مورل سپورٹ" کی خاطر خالہ کا سامان بندھوا کر انہیں اپنے ہمراہ لے آئی تھیں کہ جہاں کہیں بھی ان کے قدم اکھڑیں خالہ بروقت کمک پہنچا سکیں۔ سو اس

www.pklibrary.com

وقت بھی وہ خالہ سے جڑ کر بیٹھی مقابل براجمان عبدالرحیم اور طہور سے پوری سنجیدگی سے وہ کچھ کہہ رہی تھیں کہ جو عبدالرحمن صاحب نے تو نہیں البتہ خالہ گوہر نایاب نے انہیں سکھایا پڑھایا تھا۔

"ارے طل الٰہی کی اجازت درکار بھی کس کم بخت کو ہے جو دائی، عبدالرحیم جو اتنی دیر سے لب بستہ بیٹھا مسلسل ارشادات عبدالرحمن (خودساختہ) نشتر کرتی والدہ ماجدہ کو سماعت کر رہا تھا کے اندر کا شہزادہ سلیم یکا یک بے دار ہوا۔

"شہزادہ سلیم فیصلہ کر چکا ہے اور شہزادے کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ اپنے انکار سے پیچھے نہیں ہٹے گا خواہ پورے ہندوستان کی افواج کو اس کے پیچھے ہی کیوں نہ لگا دیا جائے ..... آ..... آ" انتہائی جذباتی لہجے میں تقریر جھاڑتا شہزادہ مکالمے کے اختتام پر بے ساختہ ہی درد سے دہرا ہو گیا کہ ہندوستان کی فوج تو نہیں البتہ خالہ گوہر نایاب کا صحت مند مکا ضرور اس کے پیچھے (پشت پر) آ لگا تھا۔ طہور اس کی حالت دیکھ کر بلا ارادہ ہنس پڑی۔

"نانی!" وہ تلملا کر احتجاجاً چیخا۔ "یہ کیا تھا؟"

"یہ تھا وہ مکا جو اگر تیری ماں نے مار مار کر تجھے پالا ہوتا تو آج تو یوں کتر کتر اس کے سامنے بیٹھا زبان نہ چلا رہا ہوتا۔" خالہ گوہر نایاب نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا ساتھ ہی پاس بیٹھی روہانسی سکینہ کا ہاتھ دبا کر اسے خاطر جمع رکھنے کی تسلی دی۔

"میں نے زبان کب چلائی۔ میں تو بس اپنے حق کے لیے آواز اٹھا رہا تھا۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"کیسا حق؟" خالہ نے چتون تیکھی کر کے پاٹ دار آواز میں استفسار کیا تو اس بار طہور میدان میں کودی۔

"وہی جو انسان ہونے کے ناتے ہمارا دین بھی ہمیں دیتا ہے۔"

"دین کے سبق مجھے نہ پڑھا طہور۔" خالہ دوبدو بولیں۔ "دین تو یہ بھی کہتا ہے کہ بالغ اولاد کو بے نکاحی نہ رکھو اب اگر یہی بات تیرا تایا کہہ رہا ہے تب پھر تجھے کیا اعتراض ہے۔"

"میں بتا چکی ہوں اموجان کو کہ میرا کیریئر۔"

"عبدالرحمن صاحب کے نزدیک تمہارا کیریئر نہیں تم اہم ہو طہور..... وہ تمہارے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں، جانتی ہو نا ان کی فطرت کو وہ تمہاری وجہ سے بہت پریشان رہتے ہیں۔" سکینہ قطع کلامی کرتی ہوئی نرم روی سے بولی تھیں۔ طہور ایک پل کو چپ رہ گئی اور عبدالرحیم جسے سکینہ کی طرح طہور کی زبان کے جوہر پر ضرورت سے زیادہ بھروسا تھا۔ اسے یوں لاجواب ہوتا دیکھ کر انجانا سا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک دم بول پڑا۔

"پر مجھے طہور پسند نہیں۔"

"تو جو پسند ہے اس کا نام منہ سے پھوٹ دے۔" خالہ گوہر نایاب کو پورا یقین تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے مگر۔

"اولیو (Olive) اولیو نام ہے اس کا۔"

عبدالرحیم ایک گہری نگاہ جملہ حاضرین کے چہروں پر ڈالتے ہوئے پراعتماد لہجے میں بولا تو سکینہ نے بے اختیار اپنا دل پکڑ لیا۔

"ہائے میرے اللہ۔" وہ تشویش سے پرگلوگیر آواز میں بولیں۔ "عبدالرحمن صاحب کو تو پہلے ہی شک تھا کہ تم کسی کو پسند کیے بیٹھے ہو بتاؤ۔ اب میں انہیں کیا منہ دکھاؤں گی۔" بن بادل برسات شروع ہو چکی تھی۔ عبدالرحیم بھنا گیا۔

"صرف اپنی پسند کی لڑکی کا نام بتایا ہے آپ کو امی..... کورٹ میرج کر کے اسے گھر نہیں لے آیا جو آپ کو یہ منہ دوں دکھانے کی فکر پڑ گئی ہے۔"

"ارے کیسے نہ فکر کروں..... کیا تم جانتے نہیں ہو اپنے باپ کو فوراً سے پیش تر سارا الزام میری ناقص تربیت کے سر دھر دیں گے جیسے خدانخواستہ میں نے تمہیں زبردستی طہور کے علاوہ کوئی اور لڑکی پسند کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"امی..... امی..... امی۔" عبدالرحیم انتہائی ڈرامائی انداز سے کہتا ہوا اپنی نشست سے اٹھ کر ان

www.pklibrary.com

کے پیروں میں آ بیٹھا۔" تب پھر آپ ہی بتایئے نا کہ میں کیا کروں؟"

"سر نیچے کر لے اور ٹانگیں اوپر......" جواب جلبلا کر خالہ گوہر نایاب نے عنایت کیا تھا۔ عبدالرحیم نے پوری آنکھیں تحیر سے کھول کر انہیں بے یقینی سے دیکھا۔

"رئیلی؟" استفسار ایسا اعلایائے کا احمقانہ تھا کہ مارے ضبط کے بے بسی سے سکینہ نے آنکھیں بند کرلیں جب کہ خالہ گوہر نایاب نے ایسا کوئی تردد نہ کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کا ملن بڑے فراخ دلانہ انداز سے عبدالرحیم کے بائیں گال سے کروا دیا۔ صورت حال ہی کچھ ایسی گمبھیر تھی کہ اس بار بجائے ہنسے یا مسکرانے کے دونوں جانب کے مکالمے پوری سنجیدگی سے سنتی طہور نے باقاعدہ منہ بنا کر خالہ کے اس عمل ناروا پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی تھی مگر وہاں پرواہ تھی کسے؟

"رئیلی کے بچے!" خالہ گوہر نایاب چمک کر بولیں۔ "صاف صاف تو بتا رہی ہے تیری ماں کہ تو طہور سے نکاح کر لے اور اس پر بھی تو ننھا کاکا بن کر پوچھ رہا ہے کہ آپ ہی بتایئے کہ میں کیا کروں؟"

"یہ نکاح نہیں ہوسکتا نانی۔" ابھی عبدالرحیم نانی کو دینے کے لیے موزوں ترین جواب تلاش کر ہی رہا تھا کہ تب ہی ایک دم واضح اور بے لچک انداز سے خالہ کی جانب دیکھ کر جتاتے لہجے میں کہتی ہوئی طہور اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ خالہ نے قہر آلود نگاہ جب کہ پریشانی سے سر ہاتھوں پر گرائے عبدالرحیم نے چونکتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"کیوں نہیں ہوسکتا؟" سکینہ کی آنکھیں بھی پٹ سے کھلی تھیں۔

"کیوں کہ ابھی عبدالرحیم نے آپ کے سامنے بتایا نا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتا ہے۔" طہور کے دونوں ہاتھوں کی باہم پیوست انگلیاں اس امر کی غماز تھیں کہ اس کے اندر کا "اینکر" بس بیدار ہوا ہی چاہتا ہے۔

"اس کی چھوڑو بی بی۔" خالہ نے جہاں دیدگی سے کہا۔ "تم اپنی بات کرو کیا تم بھی کسی کو تلاش کر چکی ہے۔"

"میں نہیں۔" وہ بنا جھجکے یا گھبرائے بولی۔ "کوئی مجھے تلاش کر چکا ہے۔"

☆☆☆

"یہ کیا ہو گیا خالہ۔" سکینہ کہ جنہیں خالہ کی صلاحیتوں پر پورا بھروسا تھا اور جو آج صبح اس اعتماد سے انہیں اپنے ساتھ لے کر گھر آئی تھیں کہ یقیناً وہ دونوں بچوں کو بہلا پھسلا کر نہ سہی چلو ڈرا دھمکا کر یا پھر سمجھا بجھا کر الغرض کسی بھی طریقے سے سہی پر عبدالرحمٰن صاحب کی بات مان جانے پر رضا مند کر کے ہی دم لیں گی۔ بازی کے اس طرح ہاتھ سے نکل جانے پر تا حال ششدر سی بیٹھی اسی ایک جملے کی تکرار کیے جا رہی تھیں۔

"جو ہوا وہ تو ہو ہی گیا نا...... پر تیری سوئی اسی ایک مقام پر آ کر کیوں اٹک گئی ہے۔"

ان کے برابر میں نیم دراز، آنکھوں پر نزدیک کی عینک چڑھائے بڑے مگن سے انداز میں اپنے "اسمارٹ فون" پر "پزل ببل" کھیلتی خالہ نے انہیں ٹوکا تو سکینہ جو پہلے محض روہانسی ہو رہی تھیں نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

"کیسے نہ اٹکے خالہ......" وہ سسکتے ہوئے بولیں۔ "مجھے تو اس ایک بات کا خوف سونے نہیں دے رہا کہ کل صبح ہی صبح جب عبدالرحمٰن دونوں کا جواب جاننے کی خاطر مجھے فون کریں گے تو بھلا میں انہیں یہ بات کیسے بتا سکوں گی کہ دونوں کم بخت اپنا اپنا بر تلاش کیے بیٹھے ہیں۔"

"ہاں......ہاں۔" تیزی سے اسکور کرتی خالہ کا چہرہ مارے جوش و خروش کے تمتما رہا تھا، تاہم لہجے میں ڈھیروں کے حساب سے تسلی و دلاسے بھرتے ہوئے بولیں۔

"تو تجھے ضرورت ہی کیا پڑی ہے بتانے کی مت بتا۔"

www.pklibrary.com

''کیا بات کرتی ہیں آپ بھی خالہ۔'' خالہ کو تو اپنے گیم سے فرصت نہیں تھی لہٰذا بے چاری مصیبت کی ماری سکینہ ازخود بائیں ہاتھ کی پشت سے اپنے بہتے ہوئے نیر صاف کرتی ہوئی خفگی سے بولیں۔

''اتنی بڑی اور اہم بات بھلا میں ان سے کیسے چھپا سکتی ہوں۔''

''چھپانے کو نہیں کہہ رہی۔'' نظریں ہنوز موبائل اسکرین پر جمائے وہ کسی قدر بدمزگی سے بولیں۔ ''فی الحال بتانے سے منع کر رہی ہوں۔ پہلے تو خود تو مل لے ان دونوں کے پسند کردہ نمونوں سے، سمجھ میں آجائیں تو درست، ورنہ پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔''

''واہ خالہ.....!'' سکینہ کی بھیگی آنکھوں میں تفکر کی جگہ طمانیت کی چمک آٹھہری۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے..... یوں بھی تو کیا جاسکتا ہے۔'' دل میں جو خالہ کی بے توجہی دیکھ کر ان کے لیے گلہ سا آٹھہرا تھا ایک دم رخصت ہوگیا۔

''ہاں تو بس ایسا ہی کر..... اور اب ہر فکر کو ذہن سے پرے پھینک کر آرام سے سوجا اور مجھے گیم کھیلنے دے۔''

☆☆☆

''شاید میری شادی کا خیال (خیال) دل میں آیا ہے اسی لیے ممی نے تیری مجھے بی پہ بلایا ہے۔''

اور یہ تھیں زیتون بی بی المعروف ''اولیو'' ٹک ٹاک کی دنیا کا ایک تیزی سے ابھرتا ستارہ۔ والد جن کے دبئی کی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ملازم تھے اور والدہ وہیں چھوٹا موٹا پارلر چلاتی تھیں۔ چھوٹے بھائی کو اعلا تعلیم کے لیے والدین نے جان توڑ محنت کر کے لندن بھجوا دیا تھا جب کہ خود انہیں اپنا مستقبل ''یہاں'' نظر آرہا تھا سو وہ قسمت آزمانے ادھر چلی آئی تھیں۔ گزر اوقات کے لیے رقم والدہ سے منگوایا کرتی تھیں کہ والد نے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ رکھا تھا جبکہ خود ان کا کام یا تو مستقل ٹک ٹاک بنانا یا پھر ''فارغ وقت'' میں مختلف مقامات پر آڈیشن دے کر نا کام ہونا تھا۔

ایسے ہی کسی مقام پر قسمت نے انہیں بڑی زور سے عبدالرحیم سے ٹکرا کر پیچھے گرایا تھا۔ کوئی ڈرامائی یا فلمی منظر ہوتا تو موقع پر موجود ''ہیرو'' یقیناً بڑے انداز سے اپنا ہاتھ ہیروئن کو پیش کر کے اسے بڑے احترام سے اٹھا کر کھڑا کر دیتا مگر سامنے کھڑا تھا عبدالرحیم..... جو تازہ تازہ آڈیشن میں ناکام ہو کر اندر سے باہر آرہا تھا۔ موڈ ظاہر ہے کہ بہت خراب تھا تو اسے جھاڑ بیٹھا۔ جواباً اولیو نے بھی دو چار سنا دیں مگر پھر اس کے بعد دونوں ایک دم ہنس پڑے اور یوں ہوگئی دونوں کے مابین دوستی کی ابتدا..... اور پھر یہ دوستی کب اولیو کی یک طرفہ پسندیدگی میں ڈھلی کچھ پتا ہی نہ چلا تو کہنا سراسر جھوٹ ہوگا کہ اس ٹھمن میں اولیو نے بڑے اہتمام سے ایک ویڈیو پیغام ریکارڈ کر کے عبدالرحیم کو بھیجا تھا۔

اور رہا عبدالرحیم کا سوال..... اسے اولیو کا انداز، اس کی شخصیت متاثر کن لگتی تھی۔ بہت سے معاملات میں ان کی پسند ناپسند بھی ملتی جلتی تھی اور سب سے اہم بات کہ اولیو بھی اس کی طرح اداکاری کے شعبے میں اپنا کیریئر بنانا چاہتی تھی۔

اور ساری باتیں ایک طرف عبدالرحیم کے نزدیک سب سے اہم یہی ایک بات تھی۔ لہٰذا اس کی سوچ یہ تھی کہ جب وقت آیا تب دیکھا جائے گا۔ اب بے چارے کو کیا پتا تھا کہ وہ وقت جو اپنی دانست میں دور دور تک وہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ یوں اچانک سامنے آجائے گا کہ اسے ٹھیک طرح سے بوکھلانے کا وقت بھی نہ مل سکے گا۔ مگر اب جب کہ وہ مرحلہ زندگی میں آ ہی گیا تھا تب کیا وہ احمق اعظم تھا جو اپنی پسند کو ترجیح نہ دیتا؟ یقیناً نہیں! چنانچہ اس وقت وہ اپنی پسند کے مقابل کافی شاپ میں بیٹھا اسے سارے حالات و واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے ابھی محض یہیں تک پہنچا تھا کہ کل تمہیں میرے ساتھ میرے گھر چلنا ہوگا کہ اس کی پسند کی رگ ٹک ٹاک بڑی زور سے پھڑک اٹھی۔

www.pklibrary.com

"دیکھو....." سرمئی ڈینم سرخ پیلم میں ملبوس، اخروٹی رنگ بالوں والی اولیو نے اپنی تازہ ترین ٹک ٹاک اپلوڈ کرنے کے بعد سامنے بیٹھے عبدالرحیم کی جانب ایک ادائے دلبری سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ جو میں نے "چائے" کی جگہ لفظ "ٹی" بولا ہے نا..... یہ میں نے اپنی جانب سے ویڈیو کو "یونیک" بنانے کی کوشش کی ہے۔ تم دیکھنا..... لوگوں کو یہ چیز بہت پسند آئے گی۔"

"یقیناً۔" عبدالرحیم محض اس کا دل رکھنے کو مسکرایا وگرنہ سچی بات تو یہ ہے کہ اسے اس وقت یوں دوران گفتگو اولیو کا یہ ویڈیو بنانا کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا تب ہی وہ ترنت موضوع کی جانب پلٹتے ہوئے بولا۔

"ہاں..... تو تم نے بتایا نہیں کہ پھر چل رہی ہو نا کل شام میری امی سے ملنے۔"

"ملاقات سے ڈر نہیں لگتا صاحب! امی سے ڈر لگتا ہے۔" وہ دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے چہرے پر آ گرنے والی بل دار لٹ کو کان کے پیچھے کرتے آواز کو خوامخواہ معصوم بناتے ہوئے بولی۔

"میری امی سے مت ڈرو۔" عبدالرحیم والدہ کا ذکر آ جانے پر پورے دل سے مسکرا کر بولا۔

"وہ بہت سادہ اور بے ضرر ہیں۔ بالکل ہمارے ڈراموں کی ہیروئن جیسی۔"

"امی ہیں تمہاری۔" اس نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "تم تو یہی کہو گے اب یہ تو کل ان سے ملنے کے بعد ہی پتا چلے گا کہ وہ ہمارے ڈراموں کی ہیروئن جیسی ہیں یا پھر۔" اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"چلو پھر کل شام تیار رہنا۔" عبدالرحیم نے اس کے ادھورے جملے پر کوئی بھی تبصرہ کرنے سے گریز کرتے ہوئے کہا۔ یہ علیحدہ بات کہ وہ اندر ہی اندر کسی بے نام سی الجھن کا شکار ہو چکا تھا۔

☆☆☆

"ایکٹنگ، ڈانسنگ اور سنگنگ بہت اچھی طرح کر لیتی ہوں۔ آپ کو یہ پوچھنا چاہیے کہ میں کیا نہیں کر سکتی۔"

اگلی سہ پہر عبدالرحیم، اولیو کو گھر پر خوش آمدید کرنے کے بعد کچھ دیر کے لیے مصلحتاً منظر سے غائب ہو گیا تھا۔ سامنے رہتا تو خواہ مخواہ دباؤ کا شکار رہتا۔ بہر حال پھول دار کیپری اور جدید تراش خراش کی مختصر سی نیلی قمیص میں ملبوس، خوشبودار بھورے بالوں کو پشت پر بکھرائے نو میک اپ لک کے ساتھ اولیو اس وقت ٹانگ پر ٹانگ رکھے پورے اعتماد سے سکینہ کے مقابل صوفے پر براجمان تھی۔

بے چاری سکینہ تو اسے دیکھ کر کچھ خاموش سی ہو گئی تھیں مگر خالہ کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ انہوں نے ہی پہلے تو اس کا شجرہ نسب کھنگالا۔ پھر اگلا سوال داغا کہ کیا کرتی ہے۔ جس کا جواب ہنستے ہوئے اولیو نے اس قدر سچائی سے دیا تھا کہ جہاں صدمے سے سکینہ گنگ ہو گئیں۔ وہیں خالہ فرط مسرت سے اش اش کرنے کے بعد اگلے سوال کی جانب بڑھیں۔

"چلو....." انہوں نے گہری نگاہوں سے اولیو کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اب بتا ہی رہی ہو تو لگے ہاتھوں یہ بھی بتا دو بیٹی کہ تم کیا نہیں کر سکتیں؟"

"میں کوکنگ نہیں کر سکتی۔" اولیو نزاکت سے جواباً بولی۔ "ڈسٹ سے مجھے الرجی ہے تو صفائی بھی نہیں کر پاؤں گی..... ہاں بیکنگ مجھے آتی تو ہے مگر وقت ہی نہیں ملتا اور....."

"بس میری بچی بس....." خالہ نے سکینہ کی غیر معمولی خاموشی محسوس کرتے ہوئے اسے درمیان ہی میں ٹوکتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "میں سب کچھ سمجھ گئی..... تم یہ چائے پیو۔" انہوں نے درمیانی میز پر سجی چائے اور لوازمات کی جانب اشارہ کیا۔

"سو..... سوری گرینی میں چائے نہیں پیتی..... صرف گرین ٹی یا بلیک کافی۔" وہ بناوٹی معذرت خواہانہ انداز سے بولی تو خالہ اس بار دھیرے سے مسکرا دیں۔

www.pklibrary.com

''چلو کوئی بات نہیں۔'' انہوں نے خوش دلی سے کہا۔ ''اگلی بار جب آؤ گی تو سکینہ تمہیں اپنے ہاتھ سے بنایا سمین کے پھولوں کا خوشبودار قہوہ پلائے گی۔ کیوں سکینہ.....؟'' انہوں نے گم صم سی بیٹھی سکینہ کی جانب تائید طلب نظروں سے دیکھا.....اور سکینہ نے لاکھ کوشش کی کہ کوئی ایک آدھ ایسا چبھتا سا جملہ تو بول ہی جائیں کہ جو آج ہونے والی اس ملاقات کا منطقی نتیجہ اس اولیو پر واضح کر سکے مگر برا ہو اس مروت کا کہ منہ سے نکلا بھی تو یہ کہ.....

''کیوں نہیں.....ضرور۔''

☆☆☆

''اتنی تو من موہنی صورت تھی، اوپر سے مڈرن (ماڈرن) الگ، پھر تجھے اس بے چاری میں کون سے عیب دکھائی دے گئے؟''

اولیو جا چکی تھی مگر موضوع گفتگو ظاہر ہے کہ وہی تھی۔ خالہ تو معلوم ہوتا تھا گویا چاروں ہاتھ پیر سے اس کے انداز نشست برخاست و ماڈرن ازم جسے سکینہ حد درجہ بے باکی و بے حیائی کا نام دے رہی تھیں پر فدا ہو چکی تھیں۔

''یہ آپ کہہ رہی ہیں خالہ۔'' عشائیے کی میز پر مصنوعی دانتوں کے سبب آہستگی سے نوالہ چباتی خالہ کے مدمقابل براجمان سکینہ نے نوالہ یونہی رکابی میں دھرتے ہوئے صدمے سے انہیں دیکھا۔

''لفظ میرے منہ سے برآمد ہوئے ہیں تو ظاہر ہے کہ میں ہی کہہ رہی ہوں۔''

''مگر یہ بات آپ کہہ ہی کیوں رہی ہیں خالہ۔'' سکینہ احتجاجاً بولیں۔ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس لڑکی میں گھر بسانے والا کوئی گن نہیں۔ تو میں اس کی صورت شکل کا اچار ڈالوں کیا؟''

''گھر گرہستن والے گن تو اس میں بھی نہیں۔'' انہوں نے ان دونوں کے مابین جاری بحث و تمحیص سے یک سر انجان بس ابھی ابھی اپنے کمرے سے برآمد ہو کر کھانے کی میز پر آ بیٹھنے والی طہور کی جانب اشارہ کرتے ہوئے خاصی سفاکانہ صاف گوئی سے کہا تو اپنی جانب خالی پلیٹ کھسکاتی طہور کے چہرے کے عضلات تن گئے۔

''آپ خواہ مخواہ اسے کیوں درمیان میں گھسیٹ لائی ہیں۔'' سکینہ، طہور کے چہرے پر چھائی ناگواری دیکھتے ہوئے خالہ کو ٹوک بیٹھیں۔

''اسی کو پیمانہ بنا کر تو اس بے چاری کو مسترد کر رہی ہے کہہ دے کہ نہیں کر رہی۔'' خالہ نے آخری نوالہ توڑتے ہوئے مزے سے کہا۔ تو سکینہ بھنا سی گئیں۔

''ہاں کر رہی ہوں۔'' انہوں نے ناچار تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے ہاتھوں پلی بڑھی بچی ہے۔ مجھے اس پر اتنا بھروسا تو ہے ہی کہ یہ رشتوں کو مان دینا جانتی ہے۔''

''تو دے دے نا تیری بات کو مان.....راضی ہو جائے تیری خاطر عبدالرحیم کے لیے۔'' انہوں نے دل جلاتی مسکراہٹ سے سکینہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نانی پلیز۔'' طہور سرد نگاہوں سے خالہ کو ہر نایاب کو دیکھتی ہوئی خاصے کھردرے لہجے میں بولی۔ ''اب ختم کر دیں یہ ٹاپک۔''

''ٹاپک تو ابھی شروع ہوا ہے بچی.....'' خالہ یقیناً اپنے نام کی واحد تھیں، تب ہی اس کی ناگواری کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سابقہ لہجے میں بولیں۔ ''ایسے کیسے ختم کر دیں۔ اگر تجھے اتنا ہی برا لگ رہا ہے تو تو اٹھ کر اندر چلی جا۔''

''فائن!'' وہ ایک جھٹکے سے پلیٹ کو پرے کھسکاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تب پھر کیجیے آپ لوگ یہی بات، میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' وہ چبا چبا کر کہتی ہوئی سکینہ کے روکنے کے باوجود لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو خوامخواہ اس کے سامنے اس طرح بات کرنے کی۔'' دھاڑ سے بند ہونے والے طہور کے کمرے کے دروازے کو بے بسی سے دیکھتی سکینہ خفگی سے بولیں۔

www.pklibrary.com

''بے چاری بچی ایک رات ہی کو تو گھر پہ کھانا کھاتی ہے۔ بھوکی اٹھ کر چلی گئی۔''

''پر بھوکی سوئے گی نہیں۔'' کھانے کے بعد اب فرنی سے بھرپور انصاف کرتی ہوئی خالہ ہاتھ نچا کر لاپروائی سے بولیں۔ ''ابھی دیکھیو منگوا کر کھالے گی اس بھانڈے والے (فوڈ پانڈے والے) سے کچھ، اس لیے اس کی فکر چھوڑ اور اپنی ہونے والی بہو کی فکر کر..... پریوں جیسی صورت..... میں تو کہتی ہوں کہ تو یہ گھر کے کام وام کو ہوا بنانے کے بجائے بس فوراً ہاں کردے۔''

''واہ خالہ واہ۔'' ان کے تابڑ توڑ مشوروں پر سکینہ تلملا کر بولیں۔ ''اپنے بیٹوں کی باری میں تو آپ نے خوب چھان پھٹک کر صورت و سیرت دونوں میں یکتا بہوویں تلاش کیں اور مجھے مشورہ دے رہی ہیں کہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے بس آنکھ بند کر کے گھر میں لڑکی لے آؤں تو خالہ معذرت کے ساتھ مگر مجھے کم از کم آپ سے اس دوغلے پن کی امید نہ تھی۔''

''اوئی اللہ۔'' فرنی سے لطف اندوز ہوتی خالہ ایک دم اچھل پڑیں۔

''مجھے دوغلا کہنے سے پہلے یہ تو دیکھ لے کہ میرے بچے میرے فرماں بردار تھے۔ انہیں اپنی ماں کے انتخاب پر پورا بھروسا تھا۔ تیرے لڑکے کی طرح نہیں کہ جو اتھرا گھوڑا بنا پھر رہا ہے کہ شادی کروں گا تو اسی حسینہ کے ساتھ، اری ایک ہی تو لڑکا تھا تیرا، تیرے سے اس کی بھی تربیت نہ ہوئی اور مجھے دوغلا کہہ رہی ہے۔''

''پتا نہیں وہ کون سے عظیم بزرگ ہوتے ہیں کہ جو آگرا اپنے بچوں کو مشکلات سے باہر کی راہ دکھاتے ہیں۔'' تربیت کا طعنہ سکینہ کو چابک کی طرح لگا تھا۔ تب ہی مارے درد کے وہ بلبلا کر بولیں۔

''مشکل سے نکلنے کی راہ ہی دکھائی ہے تجھے، پر تو سمجھے تو ہی۔'' خالہ نے فرنی کی خالی پیالی ایک جانب کھسکاتے ہوئے گویا سکینہ کی عقل پر ماتم کرتے ہوئے کہا۔

''کون سی راہ؟'' مارے طیش کے تمتماتے چہرے والی سکینہ نے الجھ کر خالہ کے معنی خیز تاثرات سے سجے چہرے کی جانب دیکھا تھا۔

''دودھ پتی لے کر کمرے میں آجا..... یہاں اگر اس کن کھڑی (تیز کان والی) نے کچھ سن لیا تو عبدالرحیم کے کان بھر دے گی..... ویسے بھی وہ کم بخت ٹی وی والے اسے فساد ڈلوانے ہی کے تو پیسے دیتے ہیں۔'' خالہ نے ساتھ بیٹھی سکینہ کے نزدیک ہو کر سرگوشیانہ انداز سے کہا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی رکھنے کا اشارہ کرتی اٹھ کر ہاتھ دھونے کی غرض سے غسل خانے کی سمت بڑھ گئیں۔ چند ثانیے ایک ہی زاویے سے بیٹھے رہنے کے بعد سکینہ نے ایک لمبی سانس کھینچی اور برتن سمیٹنے لگیں۔

اب پتا نہیں خالہ گوہر نایاب کیا صلاح دینے والی تھیں.....؟

☆☆☆

''ایک ملاقات کر لیتے اظفر! آپ امو جان سے تو انہیں تسلی ہو جاتی۔'' کھانے کی میز سے وہ اٹھ کر اندر تو گئی تھی مگر رہ رہ کر دماغ میں نانی گوہر نایاب کی تکلیف دہ (سچی سچی) باتیں گونج جا رہی تھیں۔ ذہن اتنا منتشر تھا کہ سامنے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر کھلے آرٹیکل کا ایک لفظ بھی اس کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ نتیجتاً اس نے بے دلی سے ابھی لیپ ٹاپ کی اسکرین بند کی ہی تھی کہ تب ہی اظفر کی کال اسے موصول ہوئی۔

دراصل وہ اپنے کام کے حوالے سے بہت حساس تھا۔ ایک لوئر مڈل کلاس گھرانے میں آنکھ کھولنے والے اظفر رحمان نے اس کرسی تک پہنچنے کے لیے شانہ روز جدوجہد کی تھی۔ آج اگر اسے ایک مقبول نیوز چینل کا پرائم ٹائم سلوٹ دے دیا گیا تھا تو یہ کامیابی اسے کسی نے پلیٹ میں رکھ کر پیش نہیں کی تھی اور اس بات کا چوں کہ اسے پورا پورا احساس تھا چنانچہ وہ اپنے طور پر ایسی کوئی غلطی خواہ معمولی نوعیت ہی کی کیوں نہ ہو اپنے کام میں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا کہ جو خدانخواستہ اس کے زوال کا سبب بن جائے۔

اس وقت بھی اس نے کل کے پروگرام کے

www.pklibrary.com

موضوع کے حوالے سے طہور کی تیاری کا احوال جاننے کی خاطر اسے فون کیا تھا۔ پر اس وقت طہور اس قدر ذہنی دباؤ کا شکار تھی کہ خلاف عادت اس سے یہ غیر متعلقہ بات کر گئی۔

"ناٹ اگین طہور!" اظفر کی بھاری و سنجیدہ آواز دوسری جانب سے سنائی دی۔ "جب میں آپ کو کل تفصیل سے بتا چکا تھا کہ اس پورے ہفتہ میں بری طرح بزی ہوں پھر اس وقت اس طرح اس بچکانہ فرمائش کا مطلب؟"

"کوئی بچکانہ فرمائش نہیں سر..... ایک جائز مطالبہ ہے۔" طہور کو اس کا اکتاہٹ بھرا انداز بہت محسوس ہوا۔

"دیکھیے طہور!" وہ جھلاہٹ کو ظاہر کیے بنا بڑے نپے تلے سے لہجے میں بولا۔ "اس وقت میں نے آپ کو کال کل کے پروگرام کے حوالے سے ریسرچ ورک جاننے کی خاطر کی ہے۔ سو ابھی ہم یہی ڈسکس کریں تو زیادہ بہتر رہے گا۔ آپ کی بات میں کل پروگرام کے بعد بھی سن سکتا ہوں..... انڈر اسٹینڈ؟"

"فائن..... انڈر اسٹینڈ۔" طہور لہجے کو ایک دم پروفیشنل بناتے ہوئے بولی کہ اسے اپنی ذات کا وقار اور نسوانی انا بے حد عزیز تھے لہٰذا فی الوقت اس نے یہ موضوع لپیٹ دیا۔

"دیٹس ویری گڈ۔" اظفر نے طمانیت محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ کہا۔ طہور کا یہی لیا دیا انداز اور غیر روایتی پن ہی تو تھا کہ جس نے اس جیسے مشہور زمانہ زاہد خشک اور کسی قدر مشینی انسان کو اس کی جانب متوجہ کر دیا تھا۔

"بتایے اظفر! آپ کیا پوائنٹس بتانا چاہ رہے تھے۔" طہور لیپ ٹاپ کی اسکرین کھولتے ہوئے بولی۔ یہ اور بات کہ اسکرین اسے دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔

☆☆☆

"بیٹے پسند کرتے ہیں۔ پریانکا چوپڑا اور مائیں انہیں خوامخواہ "گوپی واؤ" بنانے پر تل جاتی ہیں۔ پر نہ چنی بابو نہ..... یہ ہم سے نہ ہی ہو پائے گا۔"

ایک نجی پروڈکشن ہاؤس کے آڈیشن وینیو پر عبدالرحیم کے برابر بیٹھی اولیو نے سکینہ کے اسے بہو بنانے کے حوالے سے مطالبات (جو اس رات خالہ گوہر نایاب نے سکینہ کو سکھائے پڑھائے تھے) بہ زبان عبدالرحیم سماعت کرنے کے بعد فوراً سے پیش تر انکار اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا تو عبدالرحیم کو کوئی خاص برا یوں محسوس نہ ہوا کہ خود اس کے حساب سے بھی یہ گھر داری وغیرہ سیکھنے کی شرائط جو سکینہ، اولیو کے آگے رکھ رہی تھیں وہ صریحاً زیادتی تھی۔

اسے گھر داری آتی یا نہ آتی اداکاری تو اچھی خاصی آتی ہی تھی نا بس یہی کافی تھا غریب عبدالرحیم کے لیے مگر اب یہ بات سکینہ کو کون سمجھاتا کہ جن کے نزدیک یہ "ماسیوں" والے کام اس کے فن سے زیادہ اہم تھے۔

"ہاں تو تمہیں یہ گھر داری وغیرہ سیکھنے کو میں کہہ بھی نہیں رہا۔" کینہ توز نگاہوں سے ایک کے بعد ایک اندر کمرے میں جاتے امیدواروں کو دیکھتے ہوئے عبدالرحیم بولا۔

"تمہیں جو کچھ آتا ہے۔ وہی خوبی میرے لیے بہت ہے۔ امی کے سامنے ذرا پرپر ٹینڈ کرنا ہوگا کہ جیسے تم ان کی شرائط مان گئی ہو۔"

"پر میں تو نہیں مان رہی ان کی شرائط۔" اس نے قاتلانہ مسکراہٹ چہرے پر سجا کر سیلفی لیتے ہوئے کہا۔

"جانتا ہوں یار۔" وہ کمرے سے تازہ تازہ برآمد ہونے والے امیدوار کے چہرے پر کھلی مسکراہٹ دیکھ کر بے چین ہوتے ہوئے بولا۔

"تمہیں بس اداکاری کرنے ہی کو تو کہہ رہا ہوں۔"

"اور اس سے کیا ہوگا؟" حد بھی بناوٹی پن کی مگر چوں کہ وہ خود بھی کچھ اسی رنگ میں رنگتا چلا جا رہا تھا سو کندھے اچکا کر بڑے "ہمایوں سعید" انداز سے بولا۔

"اس سے یہ ہوگا کہ امی ہماری شادی پر بخوشی رضامند ہو جائیں گی۔"

"یعنی اگر وہ راضی نہ ہوئیں تو تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے ہے نا؟"

www.pklibrary.com

بظاہر معصومیت سے ہونٹ لٹکا کر درحقیقت بہت جانچتی تولتی نگاہوں سے عبدالرحیم کی صورت تکتے ہوئے اولیو نے استفسار کیا تو عبدالرحیم ایک پل کو سوچ میں پڑ گیا۔ اور اس سے قبل کہ اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب اولیو کو دے پاتا اسے اندر آڈیشن کے لیے طلب کیا جانے لگا......

"آل دا ویری بیسٹ۔" عبدالرحیم نے فی الفور تمام تفکرات کو ذہن سے پرے دھکیلتے ہوئے نسبتاً پُراعتماد نظر آتی اولیو کو مسکرا کر دیکھا۔

"آل دا ویری بیسٹ ٹو یو ٹو۔" آنکھوں میں معنی خیزی لیے وہ جواباً بولی اور کندھے پر بیگ درست کرتی ہوئی اندرونی سمت بڑھ گئی۔

"ناجانے اس بات سے اولیو کا کیا مطلب تھا؟" اپنے فون کو ان لاک کرتے ہوئے عبدالرحیم نے بڑی ناسمجھی سے سوچا تھا......

☆☆☆

"سر! یہ امو ہیں...... یہ ان کی خالہ یعنی میری بڑی نانی...... اور یہ ہے عبدالرحیم۔"

چکن کے ہلکے گلابی کرتے، ہم رنگ سیدھے پاجامے اور دوپٹے میں ملبوس احمریں لبوں کے گوشوں میں مسکان دبائے طہور اظفر کا اپنے گھر والوں سے تعارف کھنکتی آواز میں کروانے لگی۔ کہاں تو وہ اس کے کہنے پر بھی اس کے گھر والوں سے ملنے کی بات پر ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا اور کل از خود فرمائش کر بیٹھا کہ گھر آنا چاہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کے انکار پر طہور نے بہت سبکی محسوس کی تھی پر کل جب یہ بات از خود کی تو اس کے دل کی مرجھائی کلی کھل آئی۔ اس نے گھر آتے ہی سکینہ سے بات کی۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہوتا بلکہ وہ تو کب سے منتظر تھیں کہ عبدالرحمٰن روز بلاناغہ ان سے اس بارے میں جواب طلب کر رہے تھے۔ جنہیں وہ خالہ گوہر نایاب کے نادر و نایاب مشوروں کی روشنی میں اب تک تو بڑی خوب صورتی سے ٹالتی آرہی تھیں۔

فی الحال چوں کہ وہ تن تنہا ہی آرہا تھا تو کسی خاص اہتمام یا تیاری کی بھی کوئی پریشانی نہ تھی سو سکینہ نے اسے اگلی شام آنے کی اجازت دے دی۔ عبدالرحیم کو بطور خاص تاکید کی تھی کہ آج وہ گھر پر رہے۔

"السلام علیکم......!" اظفر رحمان سب کو مشترکہ سلام کرتا ہوا بڑے تکلف سے صوفے پر ٹک گیا۔

"وعلیکم السلام...... وعلیکم السلام......" خالہ گرم جوشی سے بولیں۔ "بچے بہت ارمان تھا تم سے ملنے کا...... تم وہی ہونا جو پیسے لے کر جھوٹے پروگرام کرتے ہو...... میں نے تو سنا تھا کہ تمہارے پاس کوئی ذاتی جہاز ہے۔" خالہ کی زبان کے آگے خندق نہیں تھی اور اس بات کا ثبوت انہوں نے ماشاء اللہ سے بیش تر موقعوں پر دیا تھا پر آج یہ کوئی موقع تھا......

"ایکسکیوز می؟" اظفر نے انتہائی ناگواری سے خالہ کی سمت دیکھا۔

"فارگاڈ سیک نانی۔" طہور، اظفر کے چہرے کا متغیر رنگ دیکھ کر بہت سختی سے خالہ گوہر نایاب کو ٹوکتی ہوئی بولی۔ "یہ وہ نہیں ہیں۔"

"اچھا...... اچھا! مجھے معاف کرنا۔" خالہ بھولپن سے بولیں۔ "پھر وہ کوئی اور ہوگا۔"

"تو جناب......" صورت حال کی کشیدگی زائل کرنے کی خاطر بات بدلتے ہوئے عبدالرحیم نے اپنی موجودہ حیثیت یعنی گھر کا واحد مرد ہونے کا رعب ڈالتے ہوئے اظفر سے پہلا سنجیدہ سوال کیا۔ "آپ کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ ہم سب ہی بہت کچھ جانتے ہیں پر اپنی فیملی کے بارے میں بھی تو کچھ بتایئے۔"

"کیا بتاؤں۔" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔ "جب آئیں گے تب مل لیجیے گا۔"

اگر یہ جواب تھا تو بہت عجیب تھا جو ظاہر ہے کہ عبدالرحیم کو محسوس بھی ہوا مگر مصلحتاً مسکرا کر سر اثبات میں ہلانے لگا۔ تب ہی خالہ پھر بول پڑیں۔

"ایسی کیا بات ہے ان سے بھی مل لیں گے...... پہلے تم سے تو دو چار باتیں کر لیں۔"

"خالہ! ایسا کیجیے کہ آپ اپنی نگرانی میں اندر جا کر طہور سے ٹیبل لگوایئے۔" سکینہ نے اظفر کا ضبط

www.pklibrary.com

سے پہلو بدلنا دیکھ کر بے بسی محسوس کرتی طہور کے چہرے کی پھیکی پڑتی رنگت دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"چائے پینے ہم وہیں آرہے ہیں۔"

"نہیں آنٹی! چائے پھر کبھی۔" خالہ سے پہلے اظفر ایک دم بول پڑا۔

"کیوں بیٹا....." اس نے بات ہی کچھ ایسی کردی تھی کہ سکینہ کہے بنا نہ رہ سکیں۔ "پہلی بار اپنی ہونے والی سسرال آئے ہو اور خاطر مدارت سے منع کررہے ہو۔"

"اوہ نونو آنٹی! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ وضاحتی انداز سے بولا۔ "دراصل وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

"اللہ خیر کرے بچے..... ایسا کیا ہوگیا؟" خالہ نے دہل کر پوچھا۔ تو وہ بہت منہ بنا کر بولا۔

"یکچوئلی کل رات کی فلائٹ ہے میں ایک کورس کے سلسلے میں تین ماہ کے لیے امریکہ جارہا ہوں ان فیکٹ چینل مجھے بھجوارہا ہے۔ ابھی کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں اور ساری پیکنگ بھی باقی ہے۔"

اس بیان پر طہور بڑے بھرپور انداز سے چونکی اور اس کا یوں چونک کر حیرانی سے اظفر کی جانب دیکھنا عبدالرحیم کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

یعنی وہ لاعلم تھی کہ اظفر امریکہ روانہ ہورہا ہے۔ تاہم سب کے سامنے اس کے متعلق کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھتے ہوئے بہت مدھم لہجے میں بولی۔

"اظفر کو واقعی دیر ہورہی ہے امو..... چائے پھر کبھی۔"

"اتنے مصروف تھے تو کسی اور دن آجاتے..... ایسی افراتفری میں آنے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی۔" خالہ کا بے لاگ تبصرہ پھر حاضر تھا۔ اس بار بڑا باوقار سا بنا بیٹھا اظفر یکا قاعدہ تلملا گیا۔

"ضرورت مجھے نہیں طہور کو تھی....." وہ کمال بے مروتی سے بولا۔ "وہ چاہتی تھی کہ میں آپ لوگوں کی کشفی کی خاطر آپ سے مل لوں۔ اور اگر بنا ملے ہی چلا جاتا تو یقیناً ان کے دل میں میرے حوالے سے کوئی نیگیٹو بات آسکتی تھی۔"

"اوہ کم آن ڈوڈ۔" عبدالرحیم اس بار طہور کا اترا چہرہ دیکھ اظفر کے 'ایٹی ٹیوڈ' کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولا۔

"چاہے کسی بھی وجہ سے سہی پر اب آتو گئے ہو نا یار..... تو چائے بھی پیتے جاؤ..... جاؤ طہور..... اظفر کے لیے صرف چائے لے آؤ..... باقی کی مدارت پھر سہی....."

"اللہ مجھے معاف کرے۔" اظفر کے رخصت ہوتے ہی خالہ نے اپنے کلے پیٹے۔ "اتنا سڑیل گھمنڈی اور بد دماغ داماد تو کیسے برداشت کرے گی سکینہ.....! عبدالرحیم....." سخت متفکر سی بیٹھی سکینہ کو دہلاتے دہلاتے کسی گہری سوچ میں گم خاموشی سے بیٹھے عبدالرحیم کی جانب اپنا روئے سخن کرتے ہوئے وہ اسی آہنگ سے بولیں۔

"میں تو کہتی ہوں ابھی بھی وقت ہے..... بچالے اپنی دکھیاری ماں کو اس آزمائش سے..... اچھے بچوں کی طرح راضی ہوجا طہور کے لیے..... میرا شونا مونا نہیں ہے۔"

وہ بولتے بولتے اسے پچکارنے لگیں..... نتیجتاً..... وہ ایک خاموش نگاہ سے انہیں نوازتا ہوا ایک جھٹکے سے اٹھا اور ڈرائنگ روم عبور کرگیا۔

"ستیاناس..... بے غیرت کہیں کا۔" خالہ نے جو اپنی پچکار رائیگاں جاتی دیکھی تو لگیں اسے لتاڑنے تب ہی سکینہ انہیں ٹوکتے ہوئے گمبھیرتا سے گویا ہوئیں۔

"اس کا کوئی قصور نہیں خالہ..... آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میری ہی تربیت میں کوئی کمی تھی جو یہ دونوں..... خیر جانے دیں..... کل آئے گا عبدالرحمن صاحب کا فون تو انہیں بتادوں گی اظفر اور اولیو کے بارے میں..... اس کے علاوہ اب اور میں کر بھی کیا سکتی ہوں۔"

☆☆☆

"آپ کل رات کی فلائٹ سے امریکہ روانہ ہورہے ہیں اور آپ نے مجھے بتانا بھی ضروری نہ سمجھا۔

www.pklibrary.com

سچ تو یہ ہے کہ طہور کو بڑی اہانت محسوس ہوئی تھی اظفر کی اس بے وجہ کی راز داری پر تاہم اس وقت تو سب کے سامنے وہ مصلحتاً اپنی ناراضی چھپا گئی مگر جب رات اس کا فون موصول ہوا تو جتائے بغیر نہ رہ سکی۔

"ہاں۔" دوسری جانب وہ اپنے ازلی رعونت آمیز لہجے میں بولا۔ "دانستہ نہیں بتایا کہ کہیں بات وقت سے پہلے آفس میں لیک آؤٹ نہ ہو جائے۔"

"واہ..... کیا وجہ پیش کی تھی جناب نے....." طہور کے اندر سے تپش کی ایک شدید لہر اٹھی۔

"یعنی آپ کا خیال یہ ہے کہ میں اتنی سی بات بھی راز نہیں رکھ پاتی۔"

"یہ محض اتنی سی بات نہیں ہے طہور۔" وہ تیز ہو کر بولا۔ "یہ کورس میرے کیریئر کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے..... میرے علاوہ تین مزید امیدوار تھے جنہیں شارٹ لسٹ کیا گیا تھا۔ یہ مقابلہ تھا باقاعدہ ان تینوں اور میرے درمیان..... اور یہ سب کچھ آفس پالیٹکس کا حصہ ہے۔ تمہیں تو اچھی طرح معلوم ہے، ایسے میں، میں تمہیں کچھ بھی بتا کر کسی بھی قسم کا کوئی بھی رسک لینا نہیں چاہتا تھا۔"

"یعنی میں یہ سمجھوں کہ آپ کے نزدیک آپ کا کیریئر اور اس سے جڑی کامیابی ہر شے سے بڑھ کر ہے۔" طہور نے خاصے پرسوچ لہجے میں غالباً کسی حساب کتاب کی غرض سے استفسار کیا تھا۔

"ذہین ہیں آپ۔" اظفر نے انکار نہیں کیا تھا اس کی بات سے بلکہ متبسم لہجے میں بولا تھا۔

"اور اسی لیے تو میں نے آپ کا انتخاب کیا ہے تاکہ آئندہ زندگی میں مجھے روایتی قسم کی بیوی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"کافی کیلکولیٹڈ قسم کے انسان ہیں آپ۔" طہور کا انداز ہرگز بھی ستائشی نہیں تھا مگر نجانے اظفر کو کیوں محسوس ہوا تب ہی تفاخر آمیز لہجے میں بولا تھا۔

"سب کو ہونا چاہیے یہ ترقی کے لیے ضروری ہے اور اب پلیز..... ختم کر دیجیے یہ شکوے شکایات یا جو کچھ بھی ہے آئی ڈونٹ نو اور کل لنچ کیجیے میرے ساتھ پی سی میں، میں جانے سے پہلے آپ سے ایک آخری بار ملنا چاہتا ہوں۔"

☆☆☆

کس کو سناؤں حال دل بے قرار کا
بجھتا ہوا چراغ ہوں اپنے مزار کا
یہ دنیا..... یہ محفل.....

"اللہ رحم کرے عبدالرحیم۔" سکینہ نے جو اس کے کمرے میں داخل ہونے پر اسے کمرے میں گھپ اندھیرا کیے اپنے بستر پر منہ سر لپیٹے اوندھے پڑے فون پر بآواز بلند انتہا درجے کا المیہ گیت سماعت کرتے پایا تو گھبرا کر بے ساختہ چلا اٹھیں۔

"کیا ہو گیا میرے بچے۔" بچہ جو گیت کے پر سوز بولوں میں بے طرح مستغرق تھا والدہ ماجدہ کی گھبراہٹ زدہ آواز سن کر یکلخت چونک کر سیدھا ہوا۔

"کچھ نہیں ہوا امی....." وہ خجالت سے نغمے کا گلا جلدی سے گھونٹنے کے بعد بولا۔

"ٹھیک ہوں میں..... بس تھوڑا تھک گیا ہوں۔" اس کے لہجے میں واقعی تھکن تھی۔ اب وہ انہیں کیا بتاتا کہ ایک مرتبہ پھر اسے مسترد کر دیا گیا تھا۔ یوں دیکھا جائے تو یہ کوئی ایسی نئی بات نہ تھی کہ جس پر وہ یوں سوگ مناتا۔ اصل معاملہ تو یہ تھا کہ اس بار اولیو کو بطور سیکنڈ ہیروئن کاسٹ کر لیا گیا تھا۔ اور یہی وہ غم تھا جو اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا یعنی کہ..... یعنی کہ حد ہی ہو گئی۔

"ماں ہوں۔" وہ کمرے میں روشنی کرنے کے بعد بستر پر اس کے نزدیک آ بیٹھیں۔

"سب جانتی ہوں کہ تیری تھکاوٹ کی وجہ کیا ہے؟"

"آپ کو کیسے پتا چلا؟" وہ بوکھلا کر ہکلاتے ہوئے بولا۔

"تیرا یہ اترا ہوا منہ اور دگرگوں حالت چیخ چیخ کر اعلان کر رہی کہ اولیو نے میری گھر کا کام سیکھنے والی شرط ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے۔"

وہ اداسی سے بولیں تو عبدالرحیم کی جان میں

www.pklibrary.com

جان آئی۔ وگرنہ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ.....

''اوہ..... ہاں..... ہاں۔'' اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''وہ تو کر ہی دیا ہے۔''

''جانتی تھی میں۔'' وہ بے بسی سے یخ بستہ سانس بھرتی ہوئی بولیں۔ ''کہ ان تلوں میں تیل نہیں بہرحال..... ابھی میں تم سے یہی بات کرنے کے لیے آئی تھی کہ میری بات کروادو اس کے والدین سے تاکہ اس کے بعد میں تمہارے ابو سے بات کرسکوں۔''

''واقعی؟'' ان کے اس قدر آسانی سے رضامند ہوجانے پر عبدالرحیم کے سر پر پورا پہاڑی سلسلہ ہی ٹوٹ پڑا تھا۔

''تو اور کیا میں مذاق کررہی ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں بے یقینی دیکھ کر مدھم سا مسکرادیں۔

''میری نہ سہی پر تمہاری پسند تو وہ ہے نا..... پھر جب زندگی بھی تمہیں گزارنی ہو تب میں کیا اور میرے اعتراضات کیا۔ مجھے تو یوں بھی تمہاری خوشی ہر حال میں عزیز ہے چلو اب جلدی سے حلیہ درست کرکے باہر آجاؤ..... میں نے آج تمہاری پسند کا کڑاہی گوشت بنایا ہے۔''

وہ ممتا بھرے انداز میں کہتی اس کے پہلے ہی سے بگڑے بال مزید بگاڑ کر اٹھ کر باہر چل دیں اور عبدالرحیم..... وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا..... نہ جانے کیوں.....

☆☆☆

''آج عبدالرحمن صاحب سے بات ہی نہیں ہو پائی..... اب کل کریں گے فون صبح ہی صبح تو تفصیلاً بتادوں گی انہیں طہور اور عبدالرحیم کے ہونے والے سسرالیوں کے بارے میں..... جانتی ہوں وہ ان دونوں کی من مانی کا سارا الزام میری تربیت پر دھردیں گے مگر پھر بھی۔''

رات وہ بڑی دل گرفتی سے، ساتھ ہی نیم دراز حسب عادت موبائل پر گیم کھیلتی خالہ سے مخاطب ہوکر کہنے لگیں تو وہ بڑے بھرپور انداز سے چونکیں۔

''کیا کہا۔'' انہوں نے موبائل ایک طرف ڈال کر مرجھائے ہوئے پھول کی عملی تصویر بنی بیٹھی سکینہ کو گھورا۔

''وہی جو آپ نے ابھی سنا۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرادیں۔

''بھئی..... بڑی جلدی ہے تجھے ہتھیار ڈالنے کی۔'' خالہ کلس کر بولیں۔ ''میں تو کہتی ہوں ابھی بھی وقت ہے کرلے کچھ سکینہ نہیں تو بعد میں پچھتائے گی۔''

''مثلاً..... کیا کرلوں؟'' وہ یاسیت کے آخری درجے پر تھیں..... خالہ کا دل پسیجنے لگا اپنی پیاری بھانجی کی یہ قابل رحم حالت دیکھ کر۔

''اری بھوک ہڑتال کرنے کا اعلان کردے۔'' وہ جذباتیت سے بولیں۔ ''اپنی بات نہ ماننے کی صورت میں گھر چھوڑ کر اپدھی سینٹر چلے جانے کی دھمکی دے۔ جذباتی وار کرکے انہیں ادھ موا کردے۔ میری بات مان جا..... عقل مند مائیں منہ زور اولاد کو اسی طرح کے ہتھکنڈوں سے قابو کیا کرتی ہیں۔''

یقیناً ان کے لہجے میں ان کا ''چالیس سالہ'' تجربہ بول رہا تھا مگر سامنے بھی سکینہ تھیں..... بے دلی سے بولیں۔

''رہنے دیں خالہ..... اس طرح اگر میں نے اپنی بات منوا بھی لی تو کیا فائدہ۔''

''نقصان بھی کوئی نہیں..... تو ایک بار ایسا کرکے تو دیکھ۔''

''نہیں خالہ.....'' سکینہ قطعیت سے بولیں۔ ''مجھے ایسا کوئی کام نہیں کرنا کہ جس سے میرے بچے مشکل میں گرفتار ہوجائیں۔''

''اور ان کے اس فیصلے کی وجہ سے تو جو مشکل جھیلے گی۔''

''پہلے کیا کم مشکلوں کا منہ دیکھا ہے۔'' وہ مدھم لہجے میں گمبھیرتا سے بولیں۔ ''اب بھی جھیل جاؤں گی یہاں کم از کم یہ اطمینان تو ہوگا نا کہ میرے بچوں کے دل کی خوشی ان کے پاس ہے۔''

''ہوتا میرے پاس کوئی تمغہ تو تجھے ضرور دیتی۔'' ان کی خلوص وایثار سے لبریز تقریر پر خالہ بگڑ گئیں۔

www.pklibrary.com

"اری نانہجار...... شکل دیکھوائی پریشانی سے کیسی پیلی پھٹک ہو رہی ہے۔ اور کچھ نہیں ہو رہا تجھ سے تو کم از کم بے ہوش ہونے کی اداکاری ہی کرلے۔ پھر تو دیکھ...... تیری بے ہوشی کو ترپ کے پتے کی طرح استعمال کرکے میں ان دونوں بے تھے بیلوں کی ناک میں نکیل کیسے ڈالتی ہوں۔" خالہ کے عزائم بلند تھے مگر سکینہ۔ وہ شاید پسپائی اختیار کرچکی تھیں۔ تب ہی سرگوشی نما آواز میں یوں بولیں گویا انہیں بات کرنے میں بڑی دقت محسوس ہو رہی ہے۔

"نہیں خالہ...... میں فیصلہ کرچکی ہوں۔ اسی لیے بس اب آپ بھی۔" اور اس سے قبل کہ ان کی بات مکمل ہوپاتی معالہرا کر ایک جانب ڈھے گئیں۔

"ارے عبدالرحیم...... طہور...... کوئی ہے۔" خالہ وحشت سے چلائی تھیں۔

☆☆☆

"سب سن چکا ہوں میں ماں...... ارے تو نے ایک بار تو کہا ہوتا اپنے راج سے کہ تجھے کرن پسند نہیں۔"

دراصل وہ اور طہور اتفاقاً ہی کسی "ضروری بات" کی غرض سے اس وقت سکینہ کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔ پر اندر جاری گفتگو کا موضوع ہی کچھ ایسا تھا کہ دونوں ادھ کھلے دروازے کے اس پار کھڑے، اندر سے آتی آوازوں کو سننے لگے۔

چنانچہ جب خالہ نے متوحش سے لہجے میں انہیں پکارا تو دونوں جو ندامت سے کاندھے لٹکائے ایک دوسرے سے نگاہیں چرائے کھڑے تھے۔ دیوانہ وار کمرے میں داخل ہوئے، یوں شدید اعصابی دباؤ کے سبب ہوش وخرد سے بیگانہ ہوجانے والی سکینہ کو بروقت دونوں نے مل کر طبی امداد بہم پہنچادی تھی۔

سو اب ان کی طبیعت بہتری کی جانب تیزی سے گامزن تھی مگر کوئی عجیب سا احساس تھا جو عبدالرحیم اور طہور کے من میں مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔ دونوں سراسیمگی سے سکینہ کی پٹی سے لگے بیٹھے تھے۔ ہولے ہولے نرمی سے ان کا سر دباتی اندرونی خلفشار کے باعث لب بستہ طہور تو خاموش تھی مگر اس کے برعکس عبدالرحیم متواتر گویا تھا۔

"ایک بار کیا۔" سکینہ کے برابر براجمان گود میں دھری پلیٹ میں سیب کاٹتی خالہ اسے بے طرح لتاڑتے ہوئے بولیں۔

"اس بے چاری نے تو تجھے بار بار کہا پر تو نے ہی اس کی بات پر کان نہ دھرے اور پہنچا دیا دکھیاری کو اس حال تک۔"

"ہاں...... ہاں۔" اس نے ایک دم "شاہ رخ خاناناں" انداز سے اپنی چوڑی چھاتی پر دوہتڑ مارتے ہوئے کہا۔ "میں نے پہنچایا ہے اپنی ماں کو اس حال تک تو اب نکالوں گا بھی میں ہی۔"

"اچھا...... وہ کیسے؟" سیب کی قاش منہ میں (اپنے) ڈالتے ہوئے خالہ نے بڑی طنزیہ نگاہ سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ایسے کہ اگر میری ماں نہیں چاہتی تو اولیو میری زندگی میں شامل نہیں ہوگی۔" وہ انتہائی جذباتیت سے بولا تو سکینہ نے چونک کر اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔ طہور بھی اس بیان پر ان کی جانب متوجہ ہوچکی تھی۔

"چل بڑا آیا ماں کا فرماں بردار۔" خالہ حاضرین میں وہ واحد ہستی تھیں کہ جو کچھ وہ سوچ رہی تھیں وہ باآسانی کہہ بھی سکتی تھیں تب ہی اسے گھرکتے ہوئے بولیں۔ "سیدھی طرح بتا کہ آخر یہ کایاپلٹ ہو کیسے گئی۔"

اب وہ اپنے منہ سے اپنی عزت افزائی کروانے کو انہیں یہ کیسے بتا دیتا کہ کایاپلٹ واقعی ہوئی تو ہے مگر اس کی نہیں بلکہ کامیابی کے محض پہلے ہی ق پر پاؤں دھرتے کے ساتھ ہی اس زیتون بی بی کی کہ جسے نہ اب سکینہ کے بنا کسی شرط کے اسے بخوشی اپنا لینے سے کوئی دلچسپی باقی رہی تھی اور نہ ہی عبدالرحیم جیسے لوزر سے۔

یہ وہ الفاظ تھے کہ جو نئی نئی ملنے والی کامیابی کے نشے میں چور اولیو نے کل ہونے والی ملاقات میں اس

www.pklibrary.com

کے منہ پر بڑی زور سے دے مارے تھے..... اور وہ جو غالباً اب تک کسی خواب غفلت کے زیر اثر تھا، لگنے والی اس چوٹ پر ایک دم جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آیا تو دیکھا کہ سامنے اولیو نہیں بلکہ آئینہ دھرا ہے اور حقیقت کے اس آئینے میں منعکس خود اس کا بظاہر خوش نما وجود اندر سے کوئی اولیو سے کم کریہہ تو نہیں تھا۔ وہ بھی تو اس کی طرح صرف اپنی ذات کے متعلق سوچنے والوں میں سے تھا۔ اسے بھی تو اولیو کی طرح خود سے جڑے رشتوں کے احساسات کی چنداں پروا نہیں تھی اور یہ وہ سچائی تھی جو آشکار ہو کر اسے مضطرب و پشیماں کر گئی تھی۔ اولیو کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانے کے بعد اسے خود پر افسوس ہو رہا تھا کہ یہ بھی میری پسند.....

اولیو پر تو وہ جواباً اسی وقت تف بھیج آیا تھا مگر دل سے بڑا شرمندہ تھا، پشیمان تھا کہ اس جیسی لڑکی کے لیے اتنے دن ماں کو پریشان کیے رکھا اور وہ اس وقت سکینہ کو اپنے تائب ہو جانے کا مژدہ جاں فزا سنانے ہی کی خاطر ان کے کمرے کی جانب بڑھا تھا کہ اندر سے آتی سکینہ کی ممتا سے لبریز آواز نے اسے مزید پچھتاووں کے دلدل میں دھکیل دیا۔ یعنی کہ اتنی اچھی ماں ہے میری اور.....

"جیسے بھی ہوئی۔" اب وہ کوئی ایسا ہی بے عقل نہیں تھا کہ اپنا راز از خود سر محفل فاش کر دیتا اسی لیے بڑے محتاط انداز سے بولا۔ "پر ہو تو گئی اور میں یہ جان گیا کہ مجھے اولیو تو ہزاروں مل سکتی ہیں پر ایسی پیاری ماں نہیں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گی۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے عبدالرحیم۔" سکینہ یہ سن کر تڑپ گئیں۔

"وہی جو سچائی ہے امو۔" اس جذباتی لمحے کے زیر اثر طہور بھی لب کشا ہوئی۔ "میں ایکسپریسو نہیں اسی لیے کبھی آپ کو بتا بھی نہ پائی کہ میری زندگی میں آپ کا مقام کیا ہے۔ میرے لیے تو میری ماں، میرا باپ جو کچھ بھی ہیں آپ ہی ہیں امو جان۔" وہ ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر عقیدت سے چومتی ہوئی بولی۔ "میرا بھلا آپ سے بڑھ کر کون سوچ سکتا ہے۔ اگر آپ کو اظفر میرے لیے ناموزوں لگے ہیں تو ٹھیک ہے مجھے نہیں جوڑنا ان سے کوئی رشتہ۔"

چلو جی عبدالرحیم اگر تائب ہوا تھا تو وہ بھی یقیناً تائبہ ہو چکی تھی۔

"نہیں میری بچی نہیں۔" سکینہ تیزی سے نفی میں سر ہلا کر گلوگیر آواز میں بولیں۔

"بس ذرا وہ بچہ دل کو کچھ ٹھکا نہیں..... پر میں راضی ہوں تیری خوشی میں۔"

"لیکن اب میں راضی نہیں ہوں امو جان۔"

(کیوں کہ میں جان چکی ہوں کہ وہ حساب کتاب میں ماہر شخص ساری زندگی محبت صرف اپنی ذات ہی سے کرے گا اسے پرستش کی چاہ ہے پر میں داسی نہیں)

اور یہی سچ تھا۔ تب ہی اس نے اظفر کی دعوت ظہرانہ ٹھکرا دی تھی۔ کہ جس گاؤں جانا ہی نہیں اس کے کوس گننے کا فائدہ۔

☆☆☆

"بات کی تھی میں نے عبدالرحیم اور طہور سے۔" دو چار روز بعد سکینہ بڑے بشاش سے لہجے میں پورے اعتماد سے فون پر عبدالرحمن صاحب سے محو گفتگو تھیں۔

"یعنی میں پھر ٹکٹ کروالوں اس ماہ کی پندرہ کا۔" عبدالرحمن صاحب اعلا درجے کی بے صبری سے یوں بولے گویا یقین واثق ہے کہ فریقین کی جانب سے ضرور ہاں ہی کی گئی ہوگی۔

"خدایا عبدالرحمن صاحب۔" سکینہ ان کے اتاؤلے پن پر بگڑ کر بولیں۔

"پہلے میری پوری بات تحمل سے سن تو لیں۔"

"تحمل سے۔" وہ چونکے۔ "اچھا یعنی اب تم مجھے یہ بری خبر سنانا چاہتی ہو کہ دونوں نے انکار کر دیا۔"

"خدا کا واسطہ ہے عبدالرحمن صاحب! آپ کو۔" سکینہ زچ ہو کر بولیں۔ "کہ آپ اپنی جانب سے اندازے مت لگایا کریں۔ ارے میں تو ابھی آپ کو یہ بتانے والی تھی کہ ماشاء اللہ میرے دونوں بچے اس قدر فرماں بردار ہیں کہ اس بارے میں کوئی بھی فیصلہ کرنے کا کلی اختیار دونوں مجھے سونپ چکے ہیں۔ (اپنی کر کے منہ کی جو کھانا پڑی)۔

www.pklibrary.com

اور بھئی میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک عبدالرحیم ڈھنگ سے کوئی کام شروع نہیں کر دیتا اس وقت تک میں طہور سے اب اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گی۔ بچی بے چاری مروت میں خاموش رہے اور دل ہی دل میں یہ سوچے کہ ہوں نا بن ماں باپ کی۔ اسی لیے اٹھا کر مجھ جیسی اعلا نوکری پیشہ کو اپنے نکھٹو سے بیاہ دیا۔

"کہہ تو تم بھی ٹھیک رہی ہو۔" چند ثانیے توقف کے بعد عبدالرحمن صاحب گمبھیرتا سے بولے۔ "بچی کے دل میں یہ بات آ تو سکتی ہے۔ پر عبدالرحیم تو شہزادہ ہے۔ وہ کوئی کام کیوں کرنے لگا۔"

"کیوں نہیں کرے گا۔ بالکل کرے گا بلکہ یہ بات میری طہور ہی نے تو سمجھائی ہے اسے کہ..... کہ....."

(اپنے شوق کی تکمیل کی جدوجہد بھی ساتھ ہی ساتھ کرتے رہو مگر اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاؤ)

"کہ کے آگے بھی تو کچھ بولو۔" عبدالرحمن صاحب بے چینی سے گویا ہوئے تو سکینہ نے عبدالرحیم کے شوق جنون یعنی اداکاری وغیرہ کا ذکر مصلحت کے تحت حذف کرتے ہوئے بقیہ بات بتا دی۔

"واہ سکینہ بیگم۔" بالآخر موگیمبو خوش ہو کر بے ساختہ بولا۔ "یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی تم نے کہ وہ سپر اسٹور کھولنے پر رضامند ہو گیا ہے۔"

"ہاں الحمدللہ۔" سکینہ سرشاری سے بولیں۔ "میں جانتی تھی کہ طہور کی بات وہ ضرور سمجھ لے گا کہ ماشاءاللہ وہ سمجھاتی ہی اتنا عمدہ ہے اور دیکھیں وہی ہوا بس اب آپ پہلی فرصت میں ادھر آنے کی تیاری کریں کیوں کہ میں چاہتی ہوں کہ وہ جو کچھ بھی کرے آپ کی نگرانی میں کرے۔"

"ایک بات کہنا چاہتا ہوں تم سے۔" یک لخت خاموشی کے بعد دوسری جانب سے ان کی محبت و عقیدت سے لبریز آواز سنائی دی۔

"جی۔" سکینہ چونک کر ایک دم سیدھی ہو بیٹھیں کہ دیکھیں اب وہ کیا کہتے ہیں۔ "کہیں۔"

"تم بہت اچھی ہو اپنا خیال رکھنا۔" کہتے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا تھا۔

اور سکینہ کا چہرہ اووف..... روئے زمین پر اس وقت اگر کوئی حسین چہرہ موجود تھا تو بلاشبہ یہی تھا۔

"پھر دیکھا تو نے دونوں کے سامنے بے چاری دکھیاری بننے کی اداکاری کا نتیجہ۔" فون بند کرتے ہی ساتھ بیٹھی ان کی باتیں سنتی خالہ بول اٹھیں۔ "کیسے جھٹ سے قابو میں آ گئے دونوں..... ایسے ہی تھوڑی زمانہ میرے قیمتی مشوروں کا گرویدہ ہے۔ تیرے سامنے حمید مجھے روز فون کر رہا ہے کہ اماں بس اب واپس آ جاؤ۔ تمہارے بغیر گھر کاٹ کھانے کو دوڑ رہا ہے پر میں تیرے مارے ادھر بیٹھی تھی۔ پر آج اطمینان ہو گیا۔

انہوں نے سکینہ کے گل و گلزار چہرے پر ایک پیار بھری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ "کہ ماشاءاللہ سے یہ اونٹ ہم نے اپنی مرضی کی کروٹ پر بٹھا ہی لیا۔"

"تو اور کیا کرنی میں خالہ۔" سکینہ بولیں۔ "جب بچے کنوئیں میں گرنے چلے ہوں تو انہیں بچانے کی حتی المقدور کوشش تو مجھے کرنی ہی تھی۔"

"ہاں تو اور کیا۔" خالہ نے پہلے تو زور و شور سے ان کی تائید میں سر ہلایا پھر قدرے نزدیک ہو کر راز دارانہ لہجے میں پراسراریت سے بولیں۔

"ویسے سچ بتا تو سنگھار میز کے آئینے میں ان دونوں کا عکس دیکھ لینے کے بعد جان بوجھ کر بے ہوش ہوئی تھی نا؟" خالہ کی آنکھوں میں بلا کی معنی خیزی تھی سکینہ بوکھلائیں۔

"شش خالہ..... آہستہ تو بولیں۔" وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی ہوئی جلدی سے بولیں۔ "ہاں یہ تو ہے کہ میں نے دونوں کو باہر کھڑے ہو کر اپنی بات سنتے دیکھ لیا تھا مگر بے ہوش تو..... آپ بھی کمال کرتی ہیں بھلا میں اداکاری کر سکتی ہوں؟"

☆

www.pklibrary.com

''امی! ذرا جلدی کریں کہیں میں لیٹ نہ ہوجاؤں۔'' اریبہ کی آواز کانوں میں پڑی تو خدیجہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

''تم بیٹھو، میں ناشتہ لگاتی ہوں۔'' خدیجہ نے بیٹی کو دیکھ کر دل ہی دل میں اس کی نظر اتاری۔ کیمن شرٹ اور کالے ٹراوزر میں میک اپ سے عاری چہرے کے ساتھ اریبہ خوب نکھری نکھری اور خوش لگ رہی تھی۔

وقت تو ابھی کافی زیادہ تھا مگر اریبہ جلدی جانا چاہتی تھی کیونکہ آج اس کا یونیورسٹی کا پہلا دن تھا۔

ایسا ہی ایک دن تھا جب خدیجہ بھی اسی طرح تیار ہورہی تھی۔ وقت تو جیسے ''شاہین'' کی رفتار سے اڑا تھا اور آج اس کی بیٹی اریبہ اس کی جگہ کھڑی تھی۔ اریبہ کو یونیورسٹی اور عنایہ کو کالج بھیج کر

ثانیہ مرتضیٰ

بڑے بول

www.pklibrary.com

خدیجہ خود ناشتہ کرنے بیٹھی تو ماضی کی یادوں میں کھو گئی۔

☆☆☆

"کیا ضرورت تھی خدیجہ کو یونیورسٹی بھیجنے کی۔ اچھا خاصا پڑھ لیا تھا۔ کون سا اس نے مزید پڑھ کر ہوائی جہاز اڑانا ہے۔" تائی کی زبان نمکو کھاتے کھاتے بھی خوب چل رہی تھی۔

"بچی کا شوق تھا بھابھی آگے پڑھنے کا۔ اور تعلیم تو جتنی ہو کم ہے۔ ضروری تو نہیں کہ صرف اچھی نوکری حاصل کرنے کے لیے ہی پڑھا جائے۔ خدیجہ کے ابا نے اسے آگے پڑھنے کی اجازت دی تو میں نے بھی منع نہیں کیا۔" اماں نے تائی کو سمجھایا مگر وہ کہاں ماننے والی تھیں۔

"تعلیم ہی حاصل کرنی ہے تو گھر میں بیٹھ کر اچھی اچھی کتابیں پڑھے۔ خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ضروری ہے فالتو میں اتنا خرچا کرنے کی۔ میری بیٹیوں نے تو میٹرک کے بعد خود کہا۔ اماں ہمیں مزید آپ کا خرچا نہیں کروانا۔ پڑھنا لکھنا آ گیا یہی بہت ہے۔ ماشاء اللہ سے سلائی کڑھائی سکھا دی انہیں۔ اچھا ہوتا تم بھی خدیجہ کو کوئی ہنر سکھا دیتیں۔"

"اب پتا نہیں وجہ حسد تھی یا کچھ اور مگر تائی کو خدیجہ کا یونیورسٹی جانا ہضم نہ ہو رہا تھا۔

"بھابھی! ہنر تو ماشاء اللہ خدیجہ کے پاس بھی ہے۔ اب اللہ نہ کرے زندگی میں کوئی مشکل وقت آیا اور ڈگری پاس ہوئی تو کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑیں گے۔" اماں پتا نہیں کیوں تائی کو وضاحتیں دے رہی تھیں۔ خدیجہ نے سوچا تھا۔

"اچھا جی..... جیسے تم لوگوں کی مرضی، ورنہ اس سے پہلے تو خاندان کی کوئی لڑکی یوں لڑکوں کے ساتھ پڑھنے نہیں گئی۔ ویسے بھی آج کل کا ماحول نہیں ہے یوں لڑکیوں کو لڑکوں کے ساتھ پڑھانے کا۔ اللہ توبہ روز کیسی کیسی خبریں سننے کو ملتی ہیں۔ خیال رکھنا ذرا۔ ایسی عمر میں بھٹکتے دیر نہیں لگتی۔" تائی نے ایک اور طرح سے اماں کو ڈرانا چاہا۔

"بھابھی! کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ اللہ سب کی بچیوں کو حفظ و امان میں رکھے۔ ہمیں اللہ پر اور اپنی خدیجہ پر پورا بھروسا ہے۔ ہماری بچی ہمارا بھروسا نہیں توڑے گی۔"

اب کی بار خدیجہ کی گردن فخر سے اکڑی تھی۔ یہ اماں ابا کا بھروسا ہی تو تھا جو اسے آگے پڑھنے کی اجازت ملی تھی۔ جس دن سے خاندان والوں کو اس کے یونیورسٹی جانے کی خبر ملی تھی۔ روز کوئی نہ کوئی آ کر اماں ابا کو ڈراتا عجیب عجیب باتیں کر کے۔ البتہ کچھ ایسے بھی تھے جو بہت خوش ہوئے تھے کیونکہ ان کی بچیوں کے لیے بھی خدیجہ نے دروازہ کھولا تھا۔

☆☆☆

اور یہ اس سے تقریباً ایک سال بعد کا واقعہ تھا۔

"آپا کچھ معلوم ہوا آپ کے جیٹھ کی بیٹی کے بارے میں۔"

خالہ نے اماں سے تائی کی بیٹی نادیہ کے بارے میں استفسار کیا تھا جسے گھر سے بھاگ کر شادی کیے ہوئے ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔

"ابھی تک کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ بھائی بھابھی کے گھر میں تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔" اماں بھی بھیجی کی وجہ سے غم زدہ تھیں۔

"بس آپا۔ انسان اگر دوسروں کے بجائے اپنے گھر کے معاملات پر توجہ دے تو حالات یہاں تک پہنچیں ہی نا۔ یاد ہے آپ کو خدیجہ کے یونیورسٹی جانے پر آپ کے جیٹھ اور جیٹھانی نے کتنا واویلا کیا تھا۔ اگر اپنی بیٹی کی تربیت پر توجہ دی ہوتی تو معاملات یہاں تک نہ آتے۔ مجھے تو ویسے بھی اس کے چال چلن ٹھیک نہیں لگتے تھے۔" خالہ نے تفصیلی تبصرہ کیا تھا۔

"نا..... خالدہ ایسی باتیں نہ کر، یہ سب کچھ تو

www.pklibrary.com

اس کے نصیب میں لکھا تھا۔ میرے اپنے گھر میں بیٹی ہے، تیری بھی تو دو بیٹیاں ہیں۔ اپنی بیٹیاں ہوں تو دوسروں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ توبہ کر اللہ سے اپنی ان باتوں پر بھائی، بھابھی نے تو تربیت میں کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ یہ تو اس کی قسمت میں لکھا تھا۔ بس میں تو ہمیشہ اللہ پاک سے دعا کرتی ہوں میری اور سب کی بیٹیوں کو عزت و آبرو سے رکھے۔"

اماں ایسی ہی تھیں کسی کی بہن بیٹی کے بارے میں کوئی غلط بات نہ تو خود منہ سے نکالتیں اور نہ ہی کسی کے منہ سے سنتیں۔ ہمیشہ سب کی عزت کے لیے دعا ہی کرتی تھیں۔

دل تو خدیجہ کا بھی چاہا تھا کہ جا کر تائی کو ان کی باتیں یاد دلائے مگر اماں کی وجہ سے خاموش رہی۔ کیسے تائی نے اس کے بارے میں عجیب و غریب قسم کی باتیں کی تھیں مگر خدیجہ نے اپنے ماں باپ کی عزت کا مان رکھا تھا۔ کبھی بھی اپنی حد سے باہر جانے کی کوشش نہ کی تھی۔

ماسٹرز کرنے کے بعد ماں باپ کی رضامندی سے شادی ہوئی تو اپنی ماں کی تربیت اور نصیحتوں کو اپنے ساتھ باندھ کر لائی تھی۔ بس ایک نصیحت بھول گئی تھی ماں کی خدیجہ، شاید۔

☆☆☆

"کیسا رہا پہلا دن بیٹا۔" اریبہ گھر لوٹی تو خدیجہ نے کھانا لگاتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا امی پہلے دن ہی دو دوستیں بھی بن گئیں میری۔ بس تھوڑی تھکاوٹ ہو رہی ہے۔ کھانا کھا کر آرام کروں گی۔" کھانا کھاتے ہوئے اریبہ ماں اور بہن کو دن بھر کی روداد سنانے لگی۔

"دوست دیکھ بھال کر اپنی ہی طرح کی باحیا اور باکردار بنانا۔" خدیجہ نے بیٹی کو ہمیشہ کی طرح یاد دلایا۔

"جی جی امی! آپ پریشان نہ ہوں۔ اس سے پہلے کوئی شکایت ہوئی ہے مجھ سے۔"

"اچھا میں سوچ رہی تھی اب تو عفان کی اچھی نوکری بھی ہوگئی ہے۔ تم لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں گھر میں اکیلی بور ہوتی رہتی ہوں۔ کیوں نا عفان کے لیے پیاری سے دلہن لے آئیں۔ کیا خیال ہے تم دونوں کا۔" خدیجہ نے بیٹیوں سے رائے طلب کی۔

"خیال تو بہت اچھا ہے امی! آپ بھائی سے پوچھ لیں انہیں اگر کوئی لڑکی پسند ہے۔ ورنہ مجھے تو عائشہ بہت اچھی لگتی ہے۔" اریبہ بھائی کی شادی کا سن کر پرجوش ہوگئی ساتھ ہی ماں کو اپنی پسند کا بھی بتا دیا عائشہ اس کی پھپھو کی بیٹی تھی۔

"عفان کی پسند کا کیا کرنا ہے میں نے۔ دلہن تو میں اپنی مرضی کی اچھی طرح سے چھان بین کر کے لاؤں گی باحیا اور باکردار، عزت والی۔ کوئی دو چار دن کی تو بات نہیں یہ تو نسلوں کا سودا ہے۔ اچھے کردار کی لڑکی ہوگی تو آنے والی نسل کی تربیت بھی اچھی ہی کرے گی۔ اور یہ عائشہ کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو۔ مجھے ایسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنانا جس کی ماں کے عاشقی کے قصے پورے خاندان میں مشہور ہوں۔ خبردار جو بھائی سے اس بارے میں کوئی بات کی۔" خدیجہ نے بیٹی کو جھڑک

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناول
فصل غم کا گوشوارہ
رضیہ جمیل
منگوانے کا پتہ:
قیمت -/300 روپے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

www.pklibrary.com

دیا۔

''امی ایسے تو نہ بولیں۔ اتنی اچھی تو ہیں عائشہ باجی، آپ کو ان میں کیا برائی نظر آ گئی۔ میرے لحاظ سے تو وہ بھائی کے لیے پرفیکٹ ہے۔ اور ویسے بھی ہم کسی کے کردار کے بارے میں ایسے کیسے بول سکتے ہیں ہمیں کیا معلوم وہ شخص کیسا ہے۔'' عنایہ نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ عائشہ اسے بھی بہت عزیز تھی۔

''میں تم لوگوں کی ماں ہوں، مجھے زیادہ معلوم ہے چہرہ دیکھ کر پہچان لیتی ہوں کہ کوئی اندر سے کیسا ہے۔ الحمد للہ میں نے اپنی ساری زندگی عزت سے گزاری ہے اور تم دونوں کی تربیت بھی اچھی طرح کی ہے۔ دوبارہ کوئی عائشہ کا نام نہ لے اس گھر میں۔ سمجھ گئیں تم دونوں۔''

ماں کی باتیں سن کر دونوں ہی خاموش ہو گئی تھیں۔ عنایہ کو ماں کی باتوں میں غرور جھلکتا نظر آیا مگر ماں کے احترام میں مزید کچھ نہ بولی۔

☆☆☆

بالآخر دس ماہ کی جدوجہد اور آٹھ دس لڑکیوں کو دیکھنے کے بعد خدیجہ کو اپنے بیٹے کے لیے ''صالحہ'' پسند آ گئی تھی۔ صالحہ اپنے نام ہی کی طرح صالحہ تھی۔ لہٰذا جلد ہی خدیجہ اسے بیاہ کر گھر لے آئی تھی۔

''اللہ کا شکر ہے ایک بچے کے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اب اللہ میری اریبہ کے لیے بھی کوئی اچھا سا رشتہ بھیج دے۔'' شادی کے ہنگامے ختم ہوئے تو خدیجہ نے شوہر سے دل کی بات کہی۔ کسی وقت کی گئی دعا اچانک ہی قبول ہو جاتی ہے۔ اس بات کا یقین خدیجہ کو بھی ہو گیا تھا جب ایک دن صالحہ نے ساس سے کہا تھا۔

''آنٹی! شادی میں میری پھپھو کو اریبہ بہت پسند آئی ہے۔ وہ لوگ آپ ہاں کے آنا چاہ رہے ہیں رشتے کے لیے میں نے کہا پہلے میں آپ سے پوچھ لوں پھر انہیں آنے کا کہوں۔''

''اچھا لڑکا کیا کرتا ہے۔'' خدیجہ کو دلی خوشی ہوئی تھی بہو کی بات سن کر۔ ''حامد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر ہے۔ نہایت ہی شریف لڑکا ہے بالکل مجھے اپنے بھائیوں کی طرح عزیز ہے۔ اس کی طرف سے آپ بے فکر رہیں۔'' صالحہ نے خدیجہ کی تسلی کرائی۔

''اچھا پھر بلالو ان کو کسی دن، ویسے بھی تمہارے رشتہ دار ہیں تو اس طرف سے میں مطمئن ہوں۔'' خدیجہ نے خوشی سے اجازت دی تھی۔

''مگر آنٹی آپ پہلے اریبہ سے تو پوچھ لیں۔ اسے تو کوئی اعتراض نہیں۔''

''ارے بیٹا اریبہ سے کیا پوچھنا۔ ہمیں رشتہ پسند آ گیا تو وہ ہماری مرضی کے خلاف تھوڑی جائے گی۔ بہت فرماں بردار ہے میری بچی۔'' خدیجہ کو بیٹی پر بھروسا تھا اس لیے اسے بتانے کی بھی زحمت نہ کی۔

''ٹھیک ہے۔ پھر میں پھپھو سے کہہ دیتی ہوں کہ اس اتوار کو آجائیں۔'' صالحہ ساس سے اجازت لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

''اریبہ کل اچھے سے تیار ہو جانا۔ صالحہ کی پھپھو تمہارا رشتہ لینے آرہی ہیں۔'' خدیجہ نے عام سے انداز میں بیٹی کو کہا۔

''کیا.....'' اریبہ کے سر پر تو جیسے ماں نے بم پھوڑ دیا تھا۔

''امی! میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ انہیں منع کر دیں۔'' تھوڑی دیر بعد حواس بحال ہوئے تو اریبہ نے ماں کو منع کر دیا۔

''ہاں تو ابھی شادی کرنے کا کون کہہ رہا ہے۔ شادی تو تمہاری تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہو گی۔ ابھی تو وہ لوگ صرف رشتہ پکا کرنا چاہتے ہیں۔ خدیجہ نے بیٹی کو تسلی دی۔

''تو امی اتنی جلدی کیا ہے۔ آپ بس ان کو منع کر دیں۔'' اریبہ تنگ آ کر بولی۔

www.pklibrary.com

''جلدی کیا ہے؟ اتنا اچھا رشتہ گھر چل کر آ گیا اور اس کے نخرے ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہے۔ یہی عمر ہوتی ہے شادی کی بعد میں اچھے رشتے نہیں ملتے۔ کل اچھی طرح تیار ہو جانا۔'' اپنا فیصلہ سنا کر خدیجہ کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

''تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ وہ لوگ آنے والے ہوں گے۔'' خدیجہ کمرے میں آئی تو اریبہ اسی طرح عام سے حلیے میں موجود تھی۔

''صالحہ ادھر آؤ۔ اس کی مدد کرو تیار ہونے میں۔'' باہر سے گزرتی صالحہ کو اس نے آواز دے کر اندر بلا لیا۔

''امی میں نے آپ سے کہا ہے نا آپ ان کو منع کر دیں تو آپ کیوں زبردستی کر رہی ہیں۔'' اریبہ نے پھر ماں کو انکار کیا۔

''اریبہ میرا دماغ خراب نہ کرو۔ آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔'' خدیجہ بار بار ایک ہی بات سن کر تنگ آ چکی تھی۔

''بھابھی! امی سے کہہ دیں میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے شادی کروں گی۔'' اب کی بار اریبہ نے ماں سے نظریں چراتے ہوئے بھابھی کو مخاطب کیا تھا اور خدیجہ کو لگا کہ شاید اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

''کیا کہہ رہی ہو دوبارہ سے کہنا ذرا۔''

''امی میرا ایونی فیلو ہے ذوہیب ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ پڑھائی ختم ہونے کے بعد وہ رشتہ۔''

جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی زوردار تھپڑ اریبہ کے منہ پر لگا تھا۔

''بے حیا، اسی دن کے لیے تمہیں پال پوس کر بڑا کیا تھا کہ اپنی محبت کی داستانیں سناؤ۔ اب ایک اور لفظ نہیں سنوں گی میں جلدی سے تیار ہو کر نیچے آؤ۔'' خدیجہ کا تو بس نہ چل رہا تھا کہ اسے کچا چبا ڈالیں۔

''کیا غلط کیا ہے میں نے امی! پسند کرتی ہوں کسی کو۔ اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتی ہوں کوئی گناہ نہیں کیا۔ اور یہ حق میرا مذہب مجھے دیتا ہے۔ اگر آپ نے مجھ سے زبردستی کرنے کی کوشش کی تو میں کورٹ میرج کر لوں گی یا پھر عین نکاح کے وقت انکار کر دوں گی۔'' سرد الفاظ خدیجہ کی سماعتوں میں انڈیلتی اریبہ اسے پتھر کا کر کے باہر چلی گئی تھی۔

یہ اس کی تربیت تو نہ تھی۔ اس نے تو ہمیشہ اپنی اولاد کو اپنی حد میں رہنے اور نظریں نیچی رکھنے کا درس دیا تھا۔ تو پھر غلطی کہاں ہوئی۔ آج خدیجہ کو ماں کی بھولی ہوئی نصیحت یاد آ گئی تھی کہ اپنی بیٹیاں ہوں تو دوسروں کی بیٹیوں کے بارے میں ''بڑا بول'' نہ بولو۔ مگر خدیجہ تو صرف اپنے آپ کو عزت والا سمجھ بیٹھی تھی۔ وہ تو ایک عام انسان تھی اپنے آپ کو سب سے زیادہ باعزت سمجھا تو اللہ نے اس کی بیٹی کو سامنے لا کھڑا کیا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی بیٹیوں کو مشکوک نظروں سے دیکھتی رہی اور اپنی بیٹی کی مشکوک حرکتوں کو محسوس ہی نہ کر سکی۔

خدیجہ نے تو یہی سوچا تھا کہ جیسے سنبھل کر زندگی اس نے گزاری تھی اس کی بیٹیاں بھی اسی طرح گزار لیں گی مگر اس کے پیچھے تو اس کی ماں کی عاجزی اور دعائیں تھیں جو وہ خدیجہ کے علاوہ دوسری بچیوں کے لیے بھی کرتی تھیں۔

خدیجہ کو خود پر فخر تھا۔ پھر یہ فخر غرور میں بدلا اور کب یہ غرور تکبر میں بدلا اسے معلوم ہی نہ ہوا تھا۔ آج اس کے بولے گئے ''بڑے بول'' نے اسے چھوٹا کر دیا تھا۔

www.pklibrary.com

عالیہ بخاری

خوشی کی محبت

کچن سے اڑتی خوشبو مزے دار تھی۔

خوشی نے گہرا سانس لے کر کچن میں جھانکا۔

کاؤنٹر پر پورا شاہی دسترخوان کھلا تھا۔

مسالا لگی چکن، کٹی ہوئی رنگ برنگی سبزیاں، بڑی سی چھلنی میں زردے کے لیے ابالے ہوئے زعفرانی رنگ میں رنگے چاول۔

گھی میں کڑکڑاتی ہوئی الائچی اور دار چینی کی خوشبو..... اماں کی ساری توجہ کھانا پکانے پر مبذول تھی۔

خوشی نے چند لمحے دروازے میں رک کر اس توجہ اور محنت دونوں ہی کو بہت محبت سے دیکھا۔

"پھر کوئی آ رہا ہے کیا؟"

"تم آج پھر اتنی دیر سے اٹھیں۔ وقت دیکھا ہے، بارہ بجنے کو ہیں۔" اماں کے انداز میں خفگی تھی۔

"آج میں تمہیں اٹھانے نہ آ سکی، کام زیادہ تھا لیکن خود بھی تو انسان کو خیال ہونا چاہیے نا۔ اب بچی تو نہیں ہو۔"

خوشی نے بڑے صبر سے ان کی ساری بات سنی۔

"بہت دیر کی اٹھی ہوئی ہو اماں! فرزین باجی نے اپنی وارڈ روب ٹھیک کرنے میں لگایا ہوا تھا پھر اتنا ڈھیر تھا کپڑوں کا استری کرنے کے لیے۔ میرے تو کندھے دکھ رہے ہیں، سچ میں۔"

سادہ سے انداز میں کہتے ہوئے وہ کیتلی میں چائے کا پانی ڈالنے لگی۔

ان کا دل کچھ دکھ سا گیا۔

ناولٹ

www.pklibrary.com

''بھلا کپڑے کہیں بھاگے جا رہے تھے۔ بچی کو کچھ چائے ناشتہ تو کر لینے دیتیں۔''

وہ صرف سوچ ہی سکیں، کچھ کہنے کا حق نہ ان کے پاس تھا اور نہ ہی خوشی کے پاس۔

''کچھ ناشتہ کر لو، آدھا دن ہو گیا ہے۔ خالی پیٹ چائے پینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

خوشی سے زیادہ شاید انہوں نے خود کو خوش کرنا چاہا تھا۔

''بھوک نہیں ہے اماں! اب دوپہر کا کھانا ہی کھالوں گی۔ چند منٹ کے لیے آپ کا پتیلا اتار رہی ہوں۔ ویسے ہے کیا اس میں۔''

''نرگسی کوفتے؟''

''خدا کی پناہ۔ کیا صبح اٹھتے ہی کھانا پکانے میں لگ گئی تھیں آپ۔ اور سب کچھ اکیلے ہی.....''

www.pklibrary.com

خوشی کو افسوس ہونے لگا، بلاوجہ ہی اتنا ٹائم اوپر لگا دیا ورنہ کچھ نہ کچھ مدد کرنے کے لائق تو تھی ہی۔

"وہ پکانا کون سا مشکل ہے۔ میں تو ویسے بھی جھٹ پٹ پکا لیتی ہوں چار چیزیں۔"

"کوئی جھٹ پٹ نہیں پک جاتیں چار چیزیں۔ وقت بھی لگتا ہے اور محنت بھی۔ اور پھر آپ کون سی کسی افسانے کی ہیروئن ہیں۔"

"پکانے والے پکا لیتے ہیں، افسانے میں بھی اور زندگی میں بھی۔ تمہاری چائے کا پانی ابل رہا ہے، اس کی خبر لو۔"

ہلکی سی بے زاری سے کہتے ہوئے وہ فریج سے جیم کی بوتل نکال لائیں۔

"چائے کے ساتھ ایک آدھ ڈبل روٹی کا سلائس ہی لے لو۔ کچھ تو پیٹ میں جائے۔"

اماں دل کے ہاتھوں مجبور تھیں مگر اس سے بھی کہیں زیادہ قسمت کے ہاتھوں۔

طلعت بھابھی کا چھاپہ ہمیشہ کی طرح بروقت تھا۔

"یہ بھی کوئی وقت ہے چائے پینے کا بھلا۔ جب دیکھو پارٹی چل رہی ہوتی ہے کچن میں۔ تمہارے لاڈ پیار نے لڑکی کو بالکل چٹورا کر دیا ہے بشریٰ! برا مت ماننا۔"

ان کے پاس برا ماننے کا آپشن بھی نہیں تھا۔ محض سر ہلا کر رہ گئیں۔

"لڑکی ذات ہے۔ اس طرح وقت بے وقت کھاتی رہے گی تو وزن ہی بڑھے گا اور ساتھ میں چہرے کی رونق بھی جاتی رہے گی۔"

خوشی نے ایک ہلکی سی نگاہ اماں پر ڈالی۔

ان کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔

اس کا دل دکھ سے بھرنے لگا۔

ہاتھ میں تھامی جیم کی بوتل انہوں نے کاؤنٹر پر رکھ دی تھی۔

انہیں قدم قدم پر لاچار اور شرمندہ دیکھنا روز کا قصہ تھا لیکن وہ آج تک عادی نہیں ہو سکی تھی۔

ایسے ہر موقع پر آنکھوں میں آنسو آنے ہی لگتے تھے۔ مزید رکتی تو وہ آنسو چہرہ بھگو سکتے تھے۔ سو کپ اٹھا کر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔

"دیکھا، ذرا جو اثر ہو خوشی پر کسی بات کا۔ ڈھیٹ ہو گئی ہے۔ ورنہ چائے کا کپ یہیں چھوڑ جاتی۔ میں ہی پی لیتی، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"میں آپ کو بنا دیتی ہوں دوسرا کپ۔"

انہوں نے خوشی کی غلطی کی تلافی کرنا چاہی۔

"نہیں، بس رہنے دو۔ اس طرح ہر وقت چائے بنتی رہے گی تو کھانا کب پکے گا۔ روزی کو تو آتے ہی کھانا چاہیے ہوگا بے چاری ناشتہ کب کرتی ہے۔ یہ تو ہمارے گھر کے ہی چولہے ہیں، جب ہی تو کچن کا خرچا آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔"

وہ جاتے جاتے بھی جتنا جتا سکتی تھیں، اس میں کمی نہیں کی.....

بشریٰ یوں ہی چند لمحے گم صم سی کھڑی رہیں۔

اس بڑے سارے کچن میں جو خدا کی دی گئی نعمتوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان کا اور خوشی کا کھانا اضافی خرچا تھا۔ جس کا احسان کندھوں پر بھاری بوجھ کی طرح پڑا تھا برسوں سے۔

جولاکھ کوشش کے باوجود بھی ذرا ہلکا نہ ہوتا تھا۔

اب تو کندھے بھی شل ہو چکے تھے اور اعصاب بھی۔

"پتا نہیں خوشی کہاں تھی۔"

انہوں نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا۔ اکثر وہ وہیں بیٹھی ہوتی تھی لیکن آج وہاں نہیں تھی۔

☆☆☆

چائے ٹھنڈی اور تلخ تھی۔

"وھت....."

ایک سانس میں پورا کپ ختم کر کے خوشی نے خود کو ہی سرزنش کی۔

ایسا بھی کیا ایموشنل ہونا۔ یہاں بیٹھ کر تقدیر

www.pklibrary.com

کے فلسفے پر آنسو بہانے کے بجائے اسے اماں کا ہاتھ بٹا لینا چاہیے تھا۔ جو نہ جانے کن خاص الخاص مہمان کے سواگت کی تیاری میں تھیں۔

وہ اٹھنے ہی لگی تھی، تب ہی شاہی سواری سامنے کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور سیدھی آ کر پورچ میں رک گئی۔

"روزی آپا!"

خوشی نے تھکی تھکی سی سانس لی اور وہیں رک کر ان سب کے گاڑی سے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

ودخادمائیں، دو انتہائی بدتمیز بچے اور پھر آخر میں اپنے بے تحاشا وزن کو سنبھالتی ہوئی روزی۔ ان کی سرخ و سفید رنگت گہرے میک اپ میں ڈوب کر اور بھی سرخی مائل ہو رہی تھی۔

فراخ دلی کے ساتھ استعمال کی گئی جیولری اور ہمیشہ کی طرح ایک دم نیا جوڑا پہنے وہ دور سے ہی بہت قیمتی قیمتی لگ رہی تھیں۔ خوشی کو نہیں یاد تھا کہ اس نے انہیں کبھی ذرا سے بھی عام حلیے میں دیکھا ہو یا کبھی کوئی جوڑا ہی وہ دوبارہ پہن کے یہاں آئی ہوں۔

دونوں بچوں نے گاڑی سے اترتے ہی ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔

چھ سالہ جڑواں دونوں بھائی دل بھر کر بدتمیز تھے۔ اپنا پنا ٹیبلٹ سنبھالے ایک دوسرے کے بال نوچنے میں مصروف۔

دونوں مددگار لڑکیاں انہیں چھڑانے میں بالکل ناکام ہو رہی تھیں۔

خوشی کے چہرے پر خود بخود مسکراہٹ آ رکی۔ کچھ دیر پہلے کی کلفت کو بھول کر وہ بہت دلچسپی سے یہ تماشا دیکھنے لگی۔

تب ہی روزی کی نگاہ مسکراتی ہوئی خوشی پر پڑی۔

"خوشی! وہاں سے کھڑی کیا دیکھ رہی ہو، آ کر بچوں کو نہیں سنبھالا جاتا کیا تم سے۔"

وہ اس کی مسکراہٹ پر بری طرح تپی تھیں۔

"السلام علیکم روزی آپا!"

وہ اب تک خوشی کی بے ضرر مسکراہٹ پر خفا تھیں۔ اس لیے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔

"آفرین ہے تم پر۔ دیکھ بھی رہی ہو کہ میرے بچے کس طرح گتھم گتھا ہو رہے ہیں اور تم تماشا دیکھ رہی ہو، خوش ہو رہی ہو انہیں تکلیف میں دیکھ کر۔"

"خدا نہ کرے، میں کیوں خوش ہونے لگی روزی آپا! آپ بھی نا بس....."

مارے کوفت کے وہ بات ادھوری چھوڑ کر بچوں کو الگ کرنے لگی۔ وہ دونوں بھی کچھ نیکی کی گھڑی میں تھے جو انہوں نے خوشی کی بات مان لی۔ روزی اتنی دیر میں بچوں کی طرف سے مطمئن ہو کر اندر جا چکی تھیں اور ان کے ساتھ آئی لڑکیاں بھی موقع غنیمت جان کر سامنے والے برآمدے میں جا کر بیٹھ گئی تھیں۔

خوشی بچوں کو لے کر اندر چلی آئی۔ سامنے کمرے میں روزی براجمان تھیں اور آتے ہی نہ جانے کہاں کہاں کے قصے چھیڑے بیٹھی تھیں۔

کھلے ہوئے دروازے سے انہیں اپنے بچے خوشی کے ساتھ خوش نظر آ رہے تھے۔ سو وہ بھی مطمئن تھیں کسی حد تک۔ خوشی بہرحال ان کے بچوں کو اچھی طرح سنبھال لیتی تھی۔

"اس روز جو عورتیں آئی تھیں فرزین کو دیکھنے، کوئی جواب آیا وہاں سے۔"

طلعت مامی نے مایوسی سے انکار میں سر ہلایا۔

"تو آپ پوچھ لیتیں زاہدہ باجی سے فون کر کے، وہی لائی تھیں ان لوگوں کو۔ کچھ تو کہا ہوگا ان سے۔ یوں ہی خاموش ہو کر مت بیٹھ جایا کریں، ایسے موقعوں پر خود ہی بڑھ کر بات بنانی پڑتی ہے۔"

"عجیب سا لگتا ہے، خود سے پوچھنا۔ اگر انہیں دلچسپی ہوگی تو خود بات بڑھائیں گے۔ ہماری لڑکی

www.pklibrary.com

کون سا گری پڑی ہے جو ہم ہلکے پڑیں۔"

طلعت مامی کے ساتھ بات بات میں ہتک عزت کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا تھا اور اس وقت تو بات شاید اتنی غلط بھی نہیں تھی، لیکن روزی آپا جدید دور کی پروردہ تھیں اور اپنی روشن خیالی پر بجا طور پر ناز بھی کرتی تھیں۔

"آپ کی دقیانوسی سوچ نے ہی یہ وقت دکھایا ہے امی! فرزین کی عمر نکل رہی ہے۔ کچھ وقت اور گزر گیا تو امید بھی ختم ہو جائے گی اس کی شادی کی۔ کچھ اندازہ ہے آپ کو۔"

"اللہ نہ کرے، اب اتنی بری بات تو نہ نکالو منہ سے روزی! کوئی نہ کوئی اچھا رشتہ مل ہی جائے گا فرزین کا بھی۔ تمہاری بھی تو شادی ہوئی نا، اتنے اچھے گھر میں۔ خیر سے راج کر رہی ہو۔"

روزی کے چہرے پر فخر اور غرور کی چمک سی پھیلی۔

"میری بات اور تھی امی!"

ذرا سا رک کر انہوں نے دل ہی دل میں خود پر ناز کیا۔

"مجھے تو عارف نے خود ایک فنکشن میں دیکھ کر پسند کیا تھا۔ ان کے گھر والے مجھے دیکھنے نہیں بلکہ بات پکی کرنے ہی آئے تھے اور اس سے پہلے بھی میرے رشتے ہی آئے تھے، مسترد نہیں ہوئی تھی میں۔"

طلعت الجھن بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"کہنا کیا چاہ رہی ہو؟"

"صاف بات ہے امی! میرے لیے تو میری بہن لاکھوں میں ہے، لیکن دنیا صرف ظاہری حسن دیکھتی ہے۔ میں خوب صورت تھی اور فرزین بہت معمولی شکل و صورت کی ہے، اوپر سے بدمزاجی۔ لوگوں میں گھلنا ملنا بھی نہیں آتا اسے۔"

طلعت دل ہی دل میں قائل ہو رہی تھیں، آخری بات سے متفق نہیں تھیں۔

"مزاج تو تم دونوں کا ایک سا ہی ہے۔ تم بھی تو دو ماہ بعد ہی سسرال والوں سے الگ ہو گئی تھیں روزی! تم کون سا مل جل کر رہی ہو۔"

"اف! بات کیا ہو رہی ہے اور آپ کہاں لے گئیں۔ میں نے کہا نا، میرا معاملہ بالکل الگ ہے۔ مجھے کسی بات کے لیے ایفرٹ نہیں کرنی پڑتی ہے ماشاء اللہ۔ لیکن فرزین کے لیے بہت کچھ کرنا پڑے گا۔ جب ہی یہ نیا پار لگے گی۔"

خوشی اور بچوں کا مشترکہ قہقہہ ٹھیک اسی وقت گونجا تھا۔ روزی نے بہت کوفت سے اس طرف دیکھا اور چند لمحوں کے لیے نگاہ جیسے وہیں منجمد ہوئی تھی۔

کارٹون نیٹ ورک دیکھتے ہوئے خوشی کی ہنسی اتنی ہی بے ساختہ تھی، جیسی دونوں بچوں کی۔

"یہ خوشی تو دن بہ دن اور بھی خوب صورت ہوتی جا رہی ہے۔ نگاہ نہیں جمتی ہے کم بخت کے چہرے پر۔ اسے تو سامنے نہیں آنے دیا تھا آپ نے ان لوگوں کے۔"

"کیسے منع کر دیتی۔ چائے پانی تو اسے ہی کرنا تھا۔ فرزین کے بس میں ہے کیا۔" وہ کچھ بے زار ہو رہی تھیں اس موضوع سے۔ روزی نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔

"کتنی بار منع کیا ہے آپ کو مگر آپ نہیں سنتیں۔ خوشی کے ہوتے ہوئے کون پسند کرے گا فرزین کو۔ اسی لیے ہر رشتہ واپس چلا جاتا ہے۔ اتنی حسین لڑکی کے سامنے فرزین بالکل ہی دب جاتی ہے اور پھر عمر میں بھی سات سال بڑی ہے وہ خوشی سے۔"

"اچھا اب بس کر دو اور یہ سب فرزین کے سامنے مت کہہ دینا۔ بہت برا لگے گا اسے۔ میری بچی میں کوئی کمی نہیں اور خوشی سے کیا مقابلہ۔ لوگ صرف شکل نہیں، حیثیت بھی دیکھتے ہیں۔ خوشی اور اس کی ماں ہمارے ٹکڑوں پر زندگی گزار رہے ہیں، اس بے

www.pklibrary.com

سہارا یتیم سے کسی کو کیا ملنا ہے۔ سب کو اندازہ ہوتا ہے اور خوشی کا تو رشتہ کب کا طے ہے۔"

جو بات سب سے پہلے یاد دلائی تھی، وہ خود انہیں بھی آخر میں یاد آئی۔

شہر کی کسی پرانی آبادی میں رہنے والی خوشی کی منہ بولی خالہ اور ان کا بیٹا اتنے ہی غیر اہم تھے، جتنا گھر میں جان توڑ محنت کر کے دو وقت کی روٹی کھانے والی بشریٰ اور خوشی۔

"میری مانیں تو جلد سے جلد رخصت کر دیں خوشی کو۔ طلعت چچی سے کہلوا دیں ان لوگوں کو کہ چار لوگ لے کر آ جائیں نکاح کے لیے اور جہیز وغیرہ بھی دے دیں گے اچھا بھلا۔ کوئی لاکھ کی تو زکوٰۃ ہی ادا کرتی ہوں۔ خوشی کی شادی میں لگا دیں گے تو زیادہ ثواب ملے گا۔ ہے تو یتیم نا...... اور پھر سگے چچا کی بیٹی بھی۔ دین میں بھی پہلا حق مفلس اور لاچار رشتے داروں کا ہی ہے۔"

روزی خلاف فطرت جاتے ہوئے اپنی نیک دلی کا مظاہرہ کر رہی تھیں کہ عجیب بناوٹی بناوٹی سی لگنے لگی تھیں۔

اپنے طور پر بڑا ثواب کما کر وہ فرزین سے ملنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جو انہیں سلام تک کرنے نہیں اتری تھی اوپر کی منزل سے۔

طلعت کی نگاہ یوں ہی بے دھیانی میں خوشی پر جمی تھی۔

"کہتی تو روزی ٹھیک ہی ہے۔ ویسے بھی خوشی کرتی ہی کیا ہے۔ گھر تو سارا بشریٰ نے سنبھالا ہوا ہے۔ خوشی تو یوں بھی بس جان کا جلاپا۔"

انہیں بے کار میں ہی غصہ آنے لگا۔

خوشی ان کے جذبات سے قطعی لاتعلق ہو کر روزی آپا کے بچوں کو چھم چھم چھم کھیلنا سکھا رہی تھی اور مسکراہٹ جیسے اس کے چہرے پر جم ہی گئی تھی۔

"توبہ ہے۔"

☆☆☆

فرزین صبح ہی صبح خوشی سے کپڑوں کا ڈھیر استری کروا کر اور اپنی بڑی ساری وارڈ روب ٹھیک کروانے کے بعد تھک کر چور ہو رہی تھی۔ اپنی دانست میں اس نے آج مہینے بھر کا کام کر لیا تھا۔

روزی محنت کرنے والی نہیں تھیں، سو متفق ہو گئیں۔

"اچھا کرتی ہو جو خوشی کے ذمہ لگاتی ہو کام۔ ورنہ وہ کرتی ہی کیا ہے۔ بشریٰ چچی کے لاڈ پیار میں بگڑی ہوئی ہے۔"

فرزین اتنی تھکی ہوئی تھی کہ ہر بات کا جواب دینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

بیڈ پر آدھا درجن تکیوں کے انبار سے ٹیک لگاتے ہوئے پھر سے نیم دراز ہو چکی تھی۔

اس کے چہرے پر ہر وقت پھیلی بے زاری نے چہرے کے نقوش کو عجیب سی سختی عطا کر دی تھی۔

"گھر سے نکلا کرو، لوگوں سے ملا جلا کرو۔ تیار ہو کر باہر آیا جایا کرو، بلکہ گھر میں بھی تیار رہا کرو۔ یاد ہے نا، میں کتنا تیار رہتی تھی شادی سے پہلے گھر میں بھی۔"

"جاتی تو ہوں ہر دوسرے دن کسی مال کا چکر لگانے۔ کچھ اچھا لگتا ہے تو خرید لیتی ہوں اور کہاں جاؤں۔"

"میرا مطلب تھا، کسی سہیلی کے گھر یا پھر دوستوں کے ساتھ کہیں کھانا کھانے، چائے پر جایا کرو۔ پرانی دوستوں سے ملنے میں بہت مزا آتا ہے۔ یادیں تازہ ہوتی ہیں۔"

ان کا مشورہ فرزین کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوا۔

"میری دوستوں کے پاس پرانی یادیں تازہ

سرورق کی شخصیت

ماڈل ---- ایشا نور، فوزیہ خادم

میک اپ ---- روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ---- موسیٰ رضا

www.pklibrary.com

کرنے کا وقت نہیں ہے روزی آپا! وہ اپنے حال میں جی رہی ہیں اور بہت خوش ہیں۔ ان کی فیملی مکمل ہے۔ شوہر..... بچے سب ہی کچھ ہے ان کے پاس۔ کبھی ملنے کا اتفاق ہو تو ایسے رحم بھری نگاہوں سے دیکھتی ہیں کہ مجھے خود پر شرم آنے لگتی ہے۔ جیسے شادی نہ ہونا میرا کوئی بہت بڑا جرم ہے۔"

فرزین کے لہجے کی تلخی نے اسے تڑپا کر رکھ دیا۔

"ارے دفع کرو ایسی بدبخت سہیلیوں کو، جنہیں ذرا بھی تمیز نہیں۔ اللہ نے چاہا تو سب سے اچھا دولہا تمہیں ہی ملے گا۔ جل جل کر مریں گی ساری، دیکھ لینا۔"

فرزین نے دل ہی دل میں بڑی رقت سے آمین کہا اور بہت شکر گزار نظروں سے روزی آپا کو دیکھا۔

☆☆☆

صبح چمکیلی اور خوش گوار تھی۔

خوشی نے گارڈن کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں کے پردے ہٹا کر ساری کھڑکیاں کھول دیں تو چمپا کے پھولوں کی دل فریب خوشبو سے بوجھل ہوا کے جھونکے اندر تک چلے آئے۔

خوشی نے ایک گہرا سانس لیا۔

خوشبو کا یادوں کے ساتھ پرانا تال میل۔

چند لمحوں کے لیے وہ کہاں سے کہاں پہنچی تھی۔

"پتا ہے خوشی! تمہارا نام اگر چمپا ہوتا تو تم پر زیادہ سوٹ کرتا۔"

چمپا کے بڑے سارے جھنڈ کے تلے کین کی پرانی کرسی پر بیٹھے عفان نے اس روز کہا تو وہ کچھ برا مان گئی۔

"کیوں، کیا میری رنگت اتنی ہی سفید اور پیلی ہے، خدانہ کرے۔"

نہیں....." وہ بہت سکون سے مسکرایا۔ "اس لیے کہ تم میں بھی ان ہی کی خاصیت ہے۔" وہ ذرا رکا۔

"یہ بھی آہستہ آہستہ اپنا جادو جگاتے ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے اپنا اسیر کر لیتے ہیں، تمہاری طرح۔"

"خوشی.....خوشی....."

اندر سے کسی نے پکارا تھا۔

اسی سکھ بھری یاد سے نکل کر وہ واپس حال میں آئی جو اتنا مہربان نہیں تھا۔

"تمہارے بڑے چچا کب سے چائے مانگ رہے ہیں، کسی اور کا نہ سہی، ان ہی کا خیال کر لیا کرو۔"

"بھول گئی تھی طلعت چچی! سوری۔"

وہ تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی۔

بڑے چچا اپنی اسٹڈی میں تھے، اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائے۔

"اچھی تو ہو خوشی بیٹا! کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔" جب وہ ان کے قریب چائے کا کپ رکھ رہی تھی تو انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہ لمحے بھر کے لیے تھم گئی۔ یہ محبت بھرا لمس اسے اپنے مرحوم باپ کی کی یاد دلاتا تھا۔

"جی بڑے چچا! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

وہ آنسو چھپاتے چھپاتے مسکرانے لگی۔

بڑے چچا نے نگاہ چرائی تھی۔

ایسے ہر لمحے میں جب وہ خوشی کو زبردستی مسکراتا دیکھتے، خود سے ضرور ہی شرمندہ ہوتے تھے۔ اپنے مرحوم چھوٹے بھائی کی اس اکلوتی بچی کو وہ زیر کفالت تو رکھے ہوئے تھے لیکن حق ادا نہیں کر پائے تھے۔

اور جو روز قیامت وہ ان سے پوچھ بیٹھا کہ بھائی صاحب میری خوشی تو آپ کے حوالے کی تھی نا.....

انہوں نے گھبرا کر اپنے بٹوے میں سے کچھ روپے نکال کر خوشی کو تھمائے۔

"یہ رکھ لو۔"

"نہیں بڑے چچا! میرے پاس ہیں۔"

اسے ان سے اس طرح چوری چھپے پیسے لینا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔ لیکن ان کی بھی مجبوری تھی۔ طلعت چچی جیسی دبنگ بیوی کے سامنے دینے کی

www.pklibrary.com

ہمت کب کی کھو چکے تھے۔

"ابو کی پینشن کافی ہوتی ہے میرے اور امی کے لیے۔ سچ میں۔"

وہ انہیں چپ دیکھ کر جلدی جلدی مطمئن کرنے لگی تو انہیں اس پر بہت پیار آیا۔

"اللہ نصیب اچھے کرے۔ مجھے پتا ہے، تمہیں ضرورت نہیں۔ بس میری خوشی کے لیے رکھ لیا کرو اور آج تو تم اپنی خالہ کے ہاں جارہی ہو۔ تیار نہیں ہوئیں ابھی تک۔"

"ہم۔۔۔ خالہ کے ہاں جارہے ہیں؟ پر مجھ سے تو نہیں کہا اماں نے؟"

"کام میں لگی رہتی ہیں بے چاری، بھول گئی ہوں گی۔ جاؤ، تیار ہو جاؤ۔ اچھا ہے ذرا چینج ہو جائے گا تم لوگوں کے لیے۔ بہت دن سے کہیں نہیں نکلے ہو۔"

"جی!" دل میں اٹھتی مسرت کی لہر نے اس کے چہرے کو اور بھی گل رنگ کیا تھا۔

"تو جانے کی تیاری کرو۔"

"جی بڑے چچا!" مسکراتی ہوئی وہ تیزی سے باہر چلی گئی۔

بڑے چچا سوچ بھری نظروں سے دروازے کے ہلتے ہوئے پردے کو دیکھے گئے۔

"میں نے بشریٰ سے کہہ دیا ہے کہ ان لوگوں سے کہہ دے کہ آ کر تاریخ لے لیں۔ ہمارا بوجھ بھی ہلکا ہو۔ کب تک بٹھائے رکھیں خوشی کو اپنے سر پر۔ ہم پر اپنی بیٹی کا فرض باقی ہے ابھی، اسی کی فکر کھائے جاتی ہے۔"

رات جب وہ سونے کے لیے لیٹ رہے تھے تو طلعت چچی نے انہیں آگاہ کیا تھا۔

"اللہ مالک ہے۔"

☆☆☆

لکڑی کے دروازے پر تازہ تازہ ہرا وارنش ملا پینٹ پھیر دیا گیا تھا۔ سو خوب چمک رہا تھا۔ کھلے دروازے سے خوشی اور اماں اندر چلی آئیں۔

چمپا کے جھنڈ کے نیچے بچھی کین کی پرانی کرسی خالی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس وقت عفان گھر پر نہیں ہوتا ہے، خوشی کو مایوسی ہوئی تھی۔

کیاری کے پاس قطار میں رنگ کے خالی ڈبے رکھے تھے۔

"لگتا ہے گھر میں رنگ کرایا ہے رقیہ باجی نے۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے نا۔" اماں وہیں رک کر تعریفی نظروں سے دیکھنے لگیں۔ جو بات وہ کرنے آئی تھیں اس کے لیے بھی یہ ایک اچھا شگون تھا۔

خوشی ہلکے سے مسکرادی۔

رقیہ خالہ کا پرانی طرز کا یہ بڑا سا گھر اس کے خوابوں کا محل تھا۔ اس گھر سے اس کا مستقبل وابستہ تھا۔ رنگ ہونے یا نہ ہونے سے اس گھر کے حسن میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

رقیہ خالہ ان دونوں کو دیکھ کر بے حد خوش تھیں۔ خوشی کو کتنی ہی بار گلے لگا کر پیار کیا۔

"میری بچی...... میری شہزادی......"

اماں بڑی طمانیت سے مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھیں۔ اپنی طویل بیوگی کا سارا دکھ وہ خوشی کا محفوظ مستقبل دیکھ کر بھولنے لگی تھیں۔

ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر خوشی باہر آ گئی۔

گھر میں پرسکون سی خاموشی پھیلی تھی۔

"کیسا عافیت بھرا ماحول ہے، نہ طلعت چچی کی گھورتی نگاہیں اور طنزیہ جملے اور نہ ہی فرزین کے پے در پے حکم۔"

وہ اس وقت بالکل بھی اداس نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن پھر بھی دل پر غبار سا چھانے لگا۔

"دھت......" اس نے سر جھٹک کر خود کو کمپوز کیا تب ہی عفان بھی آ گیا۔

"تم......"

خوشی کی یہاں موجودگی اتنی حیران کن تھی کہ چند لمحوں کے لیے تو اس سے بولا ہی نہیں گیا۔

"جب ہی میرا دل اتنی شدت سے مجبور کر رہا

www.pklibrary.com

تھا گھر لوٹنے کے لیے۔ کیونکہ تم یہاں موجود تھیں۔ اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ۔"

"عجیب راہ ہے، جو صرف میرے آنے پر کھلتی ہے۔ خود تو تم خیر خبر بھی نہیں لیتے ہو عفان! کتنا ہی وقت گزر جائے تمہاری بلا سے۔" وہ گلہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

"جب ہی تو کہتا ہوں کہ اپنے پاس موبائل رکھا کرو، پھر دیکھو میں کتنی باتیں کروں گا روزانہ۔ یہاں تک کہ تم تنگ آجاؤ گی مجھ سے..... مگر تم سنو تب نا۔ یار! آج کل بچے بچے کے ہاتھ میں فون ہے۔"

عفان کو سچ مچ اس بات کا بہت دکھ تھا کہ خوشی کے پاس کوئی موبائل فون نہیں اور یہ کہ تحفے میں بھی قبول نہیں کرتی تھی۔

طلعت چچی کی طرف سے خوشی پر موبائل فون رکھنے کی پابندی تھی۔ ان کے خیال میں اسے اس کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ گھر میں لینڈ لائن موجود تھی، وہ جہاں چاہے بات کرلے۔

لیکن وہ نہیں کرتی تھی تو اس کی مرضی..... وہ بری الذمہ تھیں۔

"تمہارا فون کب سے لاکر رکھا ہے، سم بھی ڈال دی ہے، لے کر آتا ہوں۔"

اس کی خاموشی عفان کو نیم رضا مندی لگی۔ کمرے میں جانے کے لیے مڑنے لگا تھا کہ خوشی کو ایک بار پھر اسے منع کرنا پڑا۔

"پلیز رہنے دو عفان! میں نہیں لے سکتی۔ کتنی بار کہا ہے نا۔"

"کیوں؟"

"بس اچھا نہیں لگتا۔ چھوڑو نا اس بات کو۔"

وہ چند لمحے بہت غور سے خوشی کو دیکھے گیا۔

"چلو..... چھوڑ دیا۔ صرف تمہارے آنے کی خوشی میں۔" وہ دونوں ایک ساتھ مسکراتے تھے۔

"تمہارا رزلٹ کب آئے گا عفان!"

"بس آنے والا ہے، دو چار دن میں۔ سن تو یہی رہے ہیں۔ تم دعا تو مانگ رہی ہو نا۔"

"ان شاء اللہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوجاؤ گے۔ جاب کے ساتھ شام کی شفٹ میں پڑھنا آسان تو نہیں تھا۔ مگر تم نے کرلیا عفان! کتنے فخر کی بات ہے۔"

"یہ سب تمہارے لیے ہے خوشی! اچھی تعلیم ہوگی تو جاب بھی اچھی مل جائے گی اور جاب اچھی ہوگی تو ہماری زندگی بھی بہت بہتر ہوجائے گی۔ کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہونے دوں گا تمہیں۔ بس دیکھتی جاؤ۔"

"ایسا ہی ہوگا ان شاء اللہ..... لیکن....." وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

عفان نے کچھ بے تابی سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن کیا؟"

"کمی چیزوں کی نہیں ہوتی عفان! چیزیں آسانی اور آسائشیں ہوتی ہیں لیکن رشتے اور محبت اصل زندگی ہیں۔ بس ان میں کمی نہ ہو، یہی خوش نصیبی ہے۔" عفان لاپروائی سے ہنسا تھا۔

"یہ تو پہلے ہی موجود ہیں نا تمہارے پاس۔ ادھر دیکھو۔"

خوشی سے محض پل بھر ہی دیکھا گیا۔

عفان کی محبت کو کسی دعوے یا دلیل کی ضرورت نہیں۔

"کمی تو آسائشوں کی ہے یار! دنیا کی ہر نعمت تمہارے لیے درکار ہے مجھے۔ اور سب سے پہلے تو یہ گھر بدلنا ہے۔ بہت جلد ہم کسی پوش علاقے میں اچھا سا اپارٹمنٹ لیں گے۔ میں پلاننگ کررہا ہوں زبردست سی۔"

"لیکن میں تو اسی گھر میں رہنا چاہتی ہوں عفان! مجھے تو یہی گھر اچھا لگتا ہے۔ کس قدر اپنائیت ہے یہاں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے گھر بدلنے کی۔ میں تو نہیں رہوں گی تمہارے اپارٹمنٹ میں جا کر۔"

خوشی سنجیدہ تھی اور تھوڑی سی ناراض بھی۔ عفان کی بات اسے بالکل اچھی نہیں لگی۔

www.pklibrary.com

''ابھی تم جذباتی ہو رہی ہو، میں کون سا ابھی گھر بدلنے جا رہا ہوں۔ ابھی تو اتنے پیسے بھی نہیں ہیں اور اس گھر کی تو اتنی ویلیو بھی نہیں کہ اسے بیچ کر میں کوئی من پسند فلیٹ خرید سکوں، بعد میں دیکھیں گے۔''

''نہ بعد میں نہ ابھی..... ہم ہمیشہ اسی گھر میں رہیں گے عفان! اتنی سی بات تو ماننی پڑے گی تمہیں۔''

عفان نے کچھ بے بسی سے خوشی کی طرف دیکھا۔

وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی اور اس خفا خفا سے انداز میں اور بھی دل میں اُترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

عفان کو ہار ماننے میں ذرا دیر نہیں لگی۔

''اچھا نا جیسے تمہاری مرضی۔ میں تو تمہارے لیے ہی چاہتا ہوں۔ اگر تم خوش نہیں ہو تو پھر فائدہ ہی کیا..... ہم یہیں رہیں گے بس۔ اب تو خوش ہو جاؤ۔'' اور وہ خود ہی مسکرا دی۔

''میں نے امی اور ابو سے کہہ دیا ہے کہ وہ بس میرا رزلٹ آتے ہی دو چار ماہ بعد کی تاریخ لے لیں۔ ایک جاب تو میں کر رہا ہوں، شادی ہونے تک دوسری ۔ بھی مل جائے گی اللہ نے چاہا تو..... لیکن اب شادی ملتوی نہیں کرنی۔''

وہ اتنا پُریقین تھا کہ کوئی ہلکا سا خدشہ بھی ان دونوں کے بیچ سر اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ خوشی نے جانا کہ وہ دنیا کی سب سے خوش قسمت ترین لڑکی ہے۔

اندر کمرے میں ان دونوں بے حد سادہ دل اور پرخلوص منہ بولی بہنوں نے ایک دوسرے کے گلے لگ کر اس محبت بھرے رشتے کی مکمل تصدیق کی تھی۔

خوشی اور اماں، دونوں ہی بہت خوش اور مطمئن واپس لوٹی تھیں۔ محرومیوں اور مجبوریوں سے گزرتی زندگی میں اب نیا روشن باب کھلنے کو تھا۔

☆☆☆

اس بار روزی کا چکر پورے ایک ہفتے بعد لگا۔ کپڑوں سے بھرا ایک بڑا سا بیگ ساتھ لائی تھیں جس میں سے نکالے گئے کپڑوں کی اب جوش و خروش سے نمائش جاری تھی۔

''میں نے تو سنتے ہی کہ لڑکے والے جلدی شادی کے لیے تیار ہیں، اپنے اسٹور روم کے سارے بکسے کھنگال ڈالے۔ پتا نہیں کب کب کے رکھے ہوئے کپڑے نکل آئے۔ کچھ کو تو پہننا بھی نصیب نہیں ہوا اور آٹھ دس تو بغیر سلے ہی رکھے تھے۔ مجھے تو لگتا ہے اب چار چھ ہی نئے خریدنے پڑیں گے خوشی کے لیے۔''

''میرے پاس بھی رکھے ہیں اور فرزین سے کہوں گی وہ بھی نکال دے گی۔ چلو کپڑوں کی فکر تو دور ہوئی۔ یہ جوڑے تم اب اپنے درزی سے خوشی کے ناپ کے کروا دینا۔''

طلعت چچی کو کافی اطمینان ہوا تھا۔ اچھا خاصا خرچا بچا تھا۔

''میرا درزی بہت مہنگا ہے امی! میری کام والی کی بہن سلائی کرتی ہے، اسے بھجوا دوں گی۔ وہی کر دے گی کانٹ چھانٹ۔ بے چاری بیوہ ہے۔ اچھا ہے اس کی مدد بھی ہو جائے گی۔''

''اللہ ہمیشہ تمہیں شاد و آباد رکھے۔ کیسا اچھا دل ہے جو ہر وقت دوسروں کی بھلائی کا ہی سوچتی ہو، ورنہ تو آج کل نفسا نفسی کا وہ عالم ہے کہ خدا کی پناہ۔''

چچی کو بیٹی پر بے حد پیار آیا۔

''اچھی اولاد بھی صدقہ جاریہ ہوتی ہے۔''

''میں نے تو عارف سے بھی کہہ دیا کہ اس سال کی ساری زکوٰۃ ہم خوشی کی شادی پر ہی لگائیں گے۔ وہ کچھ ہچکچا رہے تھے۔ کہنے لگے کہ خوشی تو تمہاری بہن ہے، اس کا تو ویسے ہی بہت حق بنتا ہے۔ زکوٰۃ میں سے دینا اچھا نہیں لگتا۔ پر میں نے قائل کر ہی لیا انہیں۔''

''بہت اچھا کیا۔ اب پیسے درخت پر تو لگ نہیں رہے کہ زکوٰۃ الگ ادا کریں اور شادی کا بوجھ

www.pklibrary.com

الگ اٹھائیں۔ بس اپنے باپ کے سامنے ذکر نہ کرنا ورنہ انہیں ضرور برا لگ جائے گا۔'' طلعت چچی نے تاکید ضروری سمجھی۔

تب ہی فرزین اندر آئی۔ باہر بچوں کے مچائے ہوئے شور وغل نے اس کا موڈ خراب کر رکھا تھا۔

''آؤ، تم بھی دیکھ لو۔ روزی خوشی کی شادی کے لیے جوڑے لائی ہے اسے دینے کے لیے۔ کس قدر قیمتی کپڑے ہیں سارے۔''

آخری بات شاید انہوں نے خود کو مطمئن کرنے کے لیے کہی۔ فرزین نے اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔

''اف..... کب کب کے پرانے کپڑے نکال کر لے آئی ہیں آپ روزی آپا! کب سے جمع کر رہی تھیں خوشی کا جہیز۔''

بات میں بے زاری اور طنز دونوں ہی تھے لیکن روزی آپا ہنس کر برداشت کر گئیں۔

''ہاں تو نئے اور برانڈڈ تمہارے لیے لوں گی، جب تمہارا وقت آئے گا خیر سے۔ پھر دیکھنا میری خریداری، ایک سے ایک کپڑا ہوگا۔''

''کمال ہے، آپ کو اب بھی امید ہے میری شادی کی۔ ہاں مل بھی سکتا ہے، کوئی بڑی عمر کا طلاق یافتہ..... رنڈوا..... بال بچوں والا۔'' وہ زرارگی۔

طلعت اور روزی دونوں ہی کے دل پر چوٹ لگی تھی۔

''اللہ نہ کرے جو ایسا ہو اور تم میں کون سی کمی ہے فرزین! لاکھوں میں ایک ہو۔ صاحب حیثیت، صاحب جائیداد، پڑھی لکھی۔''

''لیکن رشتہ یتیم، مسکین..... محض انٹر پاس خوشی کا طے ہو گیا پہلے..... اور آپ کی صاحب حیثیت بہن یوں ہی بیٹھی رہے گی ہمیشہ اسی گھر میں۔''

کمرے میں ایک دم ہی سناٹا چھا گیا تھا۔

فرزین نے بمشکل خود کو سنبھالا اور تیزی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔ طلعت چچی رونے لگی تھیں۔

''نہ ابھی خوشی کی شادی کی بات چھیڑتی نہ فرزین کا دل دکھتا۔ میں بھی بے کار میں تمہاری باتوں میں آ گئی۔ جب تک فرزین کی نہ ہوتی خوشی کا نمبر بھی نہیں آنا چاہیے تھا۔ صاف بات ہے، میں منع کر دوں گی خوشی کے سسرال والوں کو، آج نہ آئیں۔''

روزی آپا نے بے زاری سے ماتھے کو چھوا۔

''حد کرتی ہیں آپ بھی۔ فرزین جذباتی ہو رہی ہے امی! پر آپ تو سمجھ دار ہیں۔ خوشی کو بیچ میں سے ہٹائیں گی تو فرزین کا راستہ صاف ہوگا نا اور خوشی جس معمولی حیثیت کے گھرانے میں جا رہی ہے، ویسے لڑکے تو دس مل جاتے ہیں۔ ہماری فرزین کے لیے تو شہزادہ آئے گا شہزادہ..... یقین رکھیے۔''

طلعت چچی نے بڑی ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

☆☆☆

لڑکے والوں کو آج شام ہی آنا تھا۔

کچن میں کام کرتی ہوئی اماں نے ایک بار پھر صاف ہوئی پلیٹوں چمچوں کو پھر سے صاف کیا۔

ان کا کتنا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عفان اور گھر والوں کو کھانے پر روکتیں لیکن طلعت چچی نے صاف کہہ دیا تھا کہ بس چائے پر دو چار چیزوں کا انتظام کافی ہوگا۔ تاریخ ہی تو طے کرنی تھی۔ یہ تو ان کا بڑا پن تھا کہ وہ خوشی کی ہونے والی سسرال کو اتنی عزت دے رہی تھیں ورنہ تاریخ تو فون پر بھی دی جا سکتی تھی۔

پتا نہیں خوشی بھی تیار ہوئی تھی، اب تک یا نہیں۔

وہ اسے دیکھنے کے لیے باہر نکلی ہی تھیں کہ طلعت چچی نے انہیں روکا۔

''بشریٰ! خوشی کو سمجھا دینا کہ زیادہ تیار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کوئی سادہ سے کپڑے پہن لے۔''

''جی!'' وہ کچھ سمجھیں، کچھ نہیں۔ لیکن یہ اندازہ ضرور ہوا تھا کہ طلعت چچی سخت غصے میں ہیں اور غصہ بھی وہ جس کا مصلحتاً اظہار بھی نہیں کر پا رہیں۔

''گھر میں میری فرزین بھی ہے، اصولاً تو پہلے اس کا حق بنتا تھا لیکن ہم نے تمہارا اور خوشی کا خیال کیا، جیسا ہمیشہ کرتے آ رہے ہیں۔''

''آپ کے اور بھائی صاحب کے احسانات

www.pklibrary.com

کے سہارے ہی ہم ماں کی بیٹی بسر ہوئی ہے طلعت بھابھی! آپ کے علاوہ ہمارا ہے ہی کون اس دنیا میں۔ خدا فرزین بیٹی کے بھی بہت بلند نصیب فرمائے ان شاء اللہ۔ میں ہر نماز میں دعا کرتی ہوں اس کے لیے۔ وہ بھی تو میری بیٹی ہے۔"

"خیال بھی رکھنا چاہیے بشریٰ! کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے فرزین کے دکھے ہوئے دل کو اور تکلیف پہنچے، محرومی کا احساس بڑھے گا میری بچی میں۔"

"خدا نہ کرے، آپ بتادیں مجھے کیا کرنا ہے۔" وہ اس پہیلی کو بوجھ نہیں سکیں تو صاف پوچھ لینا ہی مناسب سمجھا۔

"خوشی کو سمجھا دو کہ بننے سنورنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی بھی سادہ سا جوڑہ پہن لے۔ اسے بنا ٹھنا دیکھ کر بے چاری فرزین کو تو دکھ ہی ہوگا نا۔"

کوریڈور سے آتی خوشی نے ان کا حکم سن لیا تھا، سو واپس پلٹ گئی۔

آنکھوں میں لگے کاجل کو رگڑ کر صاف کرتے ہوئے اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ کاجل چہرے پر پھیل چکا تھا۔ رگڑنے سے یا آنکھوں سے بہتے آنسوؤں سے۔

خوشی نے واش بیسن کا نل پورا کھولا اور کتنا ہی پانی چہرے پر بار بار ڈالتی رہی۔

اب کوئی ہلکا سا نشان باقی نہیں تھا۔ بہت ارمانوں سے پہنا ہوا پچھلی عید کا جوڑا بدل کر بالکل سادہ سا ہلکے رنگ کا سوٹ پہنا اور بالوں کو سمیٹ کر باندھ لیا۔

"اب شاید ٹھیک ہے۔" خود کو بے تاثر سے انداز میں دیکھتے ہوئے اس نے مطمئن ہونا چاہا۔

باہر ہلچل سی محسوس ہو رہی تھی، شاید عفان اور اس کے والدین آپہنچے تھے۔

☆☆☆

فرزین نے صرف تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے ہلکا سا پردہ ہٹا کر نیچے جھانکا۔

عفان نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی تھی، یہ چھوٹی سی گاڑی وہ خاص طور پر آج اپنے قریبی دوست سے لایا تھا۔

"دیکھیں تو سہی بے چاری خوشی کے لیے کون گلفام آیا ہے۔"

عفان کی آج پہلی بار اس گھر میں آمد ہوئی تھی۔ گاڑی سے مٹھائی کے ——— ٹوکرے نکال کر عفان مڑا تھا۔

فرزین نے بے یقینی سے دیکھا۔

آنے والا گلفام نہ سہی، اچھا بھلا ہیرو تو یقیناً تھا۔

فرزین بے چین ہو کر بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہاتھ مارا ہے بڑی چچی اور ان کی بیٹی نے۔ ویسے تو بڑی بے چاری سی بنی رہتی ہیں۔ اور اندر ہی اندر" فرزین کا دل بھر آنے لگا۔

اپنی کم نصیبی کا وہ دکھ اسے ہر وقت ستاتا تھا۔ کب کا کم ظرفی میں بدل چکا تھا۔ اس بات کا اسے احساس ہی نہیں تھا، شاید اسے بھی وہاں نیچے ہی ہونا چاہیے تھا۔

فرزین بے چین سی ہو کر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

نیچے لاؤنج میں خوش گوار سی چہل پہل شروع ہو چکی تھی جبکہ گھر والوں نے بہت حیرت اور رشک سے عفان کو دیکھا اور اسی رشک اور حسد کے ساتھ خالو کرامت نے اس وسیع و عریض خوب صورت گھر کو۔ جہاں وہ صرف اور صرف عفان کے مجبور کرنے پر چلے آئے تھے۔

"کاش عفان نے اس خوشی کے بجائے اس گھر کی بیٹی سے رشتہ جوڑا ہوتا تو آج ان کو یہاں ملنے والا پروٹوکول ہی کچھ اور ہوتا۔ انہیں بیٹے پر رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا اور بیوی پر بھی۔

روزی آپا نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔

www.pklibrary.com

''یعنی کہ حد ہی ہوگئی، ایسی بھی کیا بے خبری۔''

''بڑی مدت بعد ملاقات ہو رہی ہے، میں تو ایک نظر میں عفان میاں کو پہچان بھی نہیں پایا، ماشاء اللہ۔''

بڑے چچا کی خوشی اور اطمینان فطری تھا۔

''مگر یہ اتنا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں تھی، آپ لوگوں کو۔'' ان کا اشارہ مٹھائی اور پھلوں کی بڑی تعداد پر تھا۔

خالہ انکساری سے مسکرا دیں۔

''خوشی بھی تو دُہری ہے بھائی صاحب۔ ایک ماشاء اللہ شادی کی تاریخ لینے کی اور دوسری عفان کے امتحان پاس کرنے کی۔ ماشاء اللہ ایم بی اے مکمل ہوگیا ہے اس کا۔'' طلعت کے حلق میں اچانک ہی کچھ اٹک گیا۔ ایسی کھانسی شروع ہوئی کہ سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

عفان نے بے چینی سے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ خوشی اب تک نظر نہیں آئی تھی۔

رقیہ نے عفان کی بے چینی کو فوراً ہی محسوس کیا تھا۔

''خوشی کہاں ہے؟ اسے بھی تو بلا لو نا بشریٰ!''

اماں نے گھبرا کر طلعت چچی کو دیکھا۔ قدم قدم پر ان ہی کی اجازت ضروری تھی۔

''ہمارے ہاں لڑکیاں سسرال کے سامنے نہیں آتیں، جب تاریخ رکھ لی جائے۔''

''ارے، پر یہ تو گھر کی بات ہے۔ خوشی کسی غیر کے پاس نہیں، اپنی خالہ کے ہاں رخصت ہو کر جائے گی۔ اس کا اپنا گھر ہے وہ..... لاؤ، میں خود مل لیتی ہوں۔''

وہ اٹھنے لگی تھیں کہ طلعت نے انہیں روک لیا۔

''میں نے کہا نا ابھی رہنے دیں۔ خوشی کو خود بھی اچھا نہیں لگے گا، ویسے بھی.....'' کچھ کہتے کہتے وہ رک سی گئیں۔

روزی آپا کی ساری توجہ عفان کی خاطر مدارت پر تھی۔ انہیں رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا کہ خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ سو اس کا ازالہ ضروری تھا۔

''اب آپ لوگ رات کا کھانا کھا کر جائیے گا۔''

عفان کو شدید بے زاری نے آگھیرا تھا۔ چائے کا آدھا پیا ہوا کپ رکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''معاف کیجیے گا، مجھے ایک فون کرنا ہے۔''

''ہاں، ادھر گارڈن میں جا کر آرام سے بات کرلو۔ کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔''

روزی آپا نے سوچی سمجھی بے تکلفی جتائی۔

واقعی کوئی ضروری کال کرنی ہوگی اور خوشی کے پاس تو فون تھا ہی نہیں، جو انہیں کوئی اندیشہ لاحق ہوتا۔ اماں اپنے ہونے والے داماد کی اس درجہ پذیرائی پر بے حد خوش تھیں اور احسان مند بھی۔

''کتنا بڑا دل ہے طلعت بھابھی اور روزی کا۔ لو بتاؤ، اتنا سارا کھانا باہر سے آرڈر کروایا ہے۔ یا اللہ جلد سے جلد فرزین کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ بھیج دے۔''

انہوں نے بہت دل سے دعا کی اور کام میں مصروف ہوگئیں۔

ادھر باہر گارڈن میں دھیمی روشنیاں اور خوشبو بھری ٹھنڈک تھی۔ عفان نے ایک تعریفی نگاہ اطراف میں ڈالی۔

اس نے یہ گھر آج پہلی بار اندر سے دیکھا تھا۔ خوشی کے بڑے چچا ٹھیک ٹھاک پیسے والے تھے۔ ان کا گھر، اس کی آرائش اور گھر والوں کے تیور سب ہی اس بات کی گواہی دے رہے تھے۔

اس بڑے گھر کے کسی گوشے میں خوشی اس سے چھپی بیٹھی تھی۔

مگر کہاں؟

تب ہی وہ اسے نظر آ ہی گئی۔

شاید اس طرف ان کے کچن کا دروازہ تھا، جسے کھول کر خوشی کسی کام سے باہر آئی تھی۔

''خوشی!'' وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

www.pklibrary.com

''تم یہاں کیا کر رہے ہو عفان! اندر جاؤ نا پلیز۔'' وہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ ''کوئی دیکھ لے گا؟''

آج کے دن کے حوالے سے کوئی خوشی نہ اس کے حلیے سے ظاہر تھی، نہ چہرے سے۔ عفان کو تو وہ اچھی خاصی افسردہ سی لگی تھی۔ شاید روئی بھی تھی۔

عفان کو غصے اور دکھ کی ملی جلی سی کیفیت نے گھیرا۔

''یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔ اس سے زیادہ برا کوئی اور رنگ نہیں ملا تھا تمہیں پہننے کے لیے۔ لگ رہا ہے آج ہماری شادی کی بات نہیں ہو رہی، کوئی بہت بڑا سوگ کا دن ہے۔ لگتا ہے تمہیں تو ذرا بھی خوشی نہیں ہے۔''

وہ جو پہلے ہی بمشکل خود کو سنبھال رہی تھی۔ عفان کی ناراضی پر بالکل ہی ہمت ہار بیٹھی۔

''میری بات کا جواب دو خوشی! یہ کس بات کا سوگ منا رہی ہو تم..... اندر وہ سب کتنے خوش ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تمہارے بڑے چچا کے گھر والے اتنے خوش مزاج اور محبت کرنے والے ہوں گے۔ اور ایک تم.....''

وہ اس کی مستقل خاموشی اور آنسو دونوں ہی سے چڑ رہا تھا۔

خوشی نے گھبرا کر جلدی جلدی آنسو صاف کرنا چاہے۔

''ایسا نہیں ہے عفان! غلط سمجھ رہے ہو تم، میں تو بس ویسے ہی.....''

''کیا ویسے ہی..... یے کار کے بہانے میں ہمدردی سمیٹنے کی عادت ہے تمہیں۔ حد ہوتی ہے خوشی۔ کم از کم آج تو یہ سب نہ کرتیں۔ میرا ہی خیال کر لیتیں۔ پتا نہیں کیا کیا سوچ کر آیا تھا میں..... اور.....'' عفان کی بات مکمل نہ ہو سکی۔

''تم یہاں ہو عفان! وہاں سب کھانے پر انتظار کر رہے ہیں!'' روزی نے بہت نرمی سے عفان کو مخاطب کیا اور رنگے ہاتھوں پکڑ لینے والی نگاہوں سے خوشی کو دیکھا تھا۔

''کاش وہ ان کاٹتی ہوئی نگاہوں سے کہیں چھپ سکتی۔'' خوشی نے کسی اسم کے زور پر غائب ہونے کی شدت سے آرزو کی۔

''سوری..... بس میں آ ہی رہا تھا۔''

عفان کی آواز دھیمی تھی۔ خوشی پر آیا غصہ اتنی جلدی ٹھنڈا نہیں ہو سکتا تھا۔

''کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے عفان، جلدی کرو بھئی!'' بڑی سالی ہونے کے ناتے انہوں نے عفان کا بازو بے تکلفی سے تھاما اور مڑتے مڑتے ایک زہریلی نگاہ پھر سے خوشی پر ڈالی۔

وہ اسی طرح سہمی کھڑی رہی کتنی ہی دیر۔

اطراف کا سناٹا گہرا ہو رہا تھا۔

اور اندر ڈائننگ روم میں بہت پر جوش مہمان داری جاری تھی۔

روزی آپا نے بچی سنوری فرزین کو ٹھیک عفان احمد کے سامنے بٹھایا تھا۔

''میری پیاری چھوٹی بہن فرزین۔ بہت شرمیلی اور سادہ طبیعت ہے۔ اس کے لیے بھی کوئی اچھا رشتہ مل جائے۔'' خالو کرامت اور رقیہ خالہ سے تعارف کراتے ہوئے انہوں نے خاص طور پر یہ الفاظ کہے تھے۔

''اللہ نصیب اچھے کرے۔'' رقیہ خالہ نے سادگی سے دعا دی تو خالو کرامت پہلو بدل کر رہ گئے۔ ''بے وقوف عورت اچھے نصیب کی دعا دینے کے بجائے اس خوش بخت کا رشتہ لیا ہوتا عفان سے تو ہم سب کے مقدر کھل جاتے۔''

کھانے کے بعد کافی کا دور چلتا رہا۔ روزی، فرزین اور عفان کے بیچ نہ جانے کون سی دل چسپ باتیں چھڑی تھیں جو بار بار ملی جلی ہنسی گونج رہی تھی۔

''خوشی کو بھی بلا لیتے اندر سے تو وہ بھی ہنس بول لیتی، سب کے ساتھ۔''

رقیہ اور اماں کو کئی بار اس کا خیال آیا۔

''خوشی باجی کے سر میں درد تھا۔ وہ تو کب کی

www.pklibrary.com

جا کر سو گئی ہیں اپنے کمرے میں۔" روزی کی میڈ نے روزی کا پڑھایا ہوا سبق مہارت سے ان لوگوں کی روانگی کے وقت پڑھا تو عفان تلملا کر رہ گیا۔

"تو گویا اسے بالکل بھی پروا نہیں تو پھر اسے بھی فرق نہیں پڑتا۔"

☆☆☆

کمرے میں زرد سا دن اترا ہوا تھا۔

خوشی یوں ہی بلا مقصد کھڑکی کے شیشے پر نگاہ جمائے باہر دیکھے گئی۔

روزی آپا اور فرزین بہت تیار ہو کر کہیں جا رہی تھیں۔

ان کے ہر انداز میں بڑی غرور بھری بے فکری ہمہ وقت چھلکتی تھی۔ اور خوشی کو ان پر رشک آتا ہی رہتا تھا۔

پر اس وقت خالی خالی نگاہوں سے انہیں گاڑی میں بیٹھا دیکھے گئی۔

روزی آپا کل رات یہیں رک گئی تھیں۔ یہ بات اسے ابھی انہیں دیکھ کر پتا چلی۔

ان کی دونوں مدد گار لڑکیاں ان کے بچوں کو سنبھالنے میں بے حال ہوئی جا رہی تھیں۔

شاید وہ ساتھ جانے کی ضد میں زیادہ اودھم مچا رہے تھے۔

ذہن زیادہ دیر کسی ایک چیز پر نہیں سوچ رہا تھا۔

"گاڑی کے نکل جانے کے بعد بڑا گیٹ بند ہو چکا تھا۔

اماں اسی اثناء میں اس کے اور اپنے مشترکہ کمرے میں آئی تھیں۔

"بہت بڑا دل ہے طلعت بھابھی اور روزی کا۔ تمہارے سسرال والوں کے سامنے بچھی جا رہی تھیں۔ ایسا بہترین کھانا منگوایا کسی بڑے ہوٹل کا کہ خوشبو سے سارا گھر مہک رہا تھا۔ میں تمہارے لیے بھی لے کر آئی تھی ان لوگوں کے جانے کے بعد لیکن تم سو چکی تھیں۔ کہو تو ابھی لے آؤں۔ بہت رکھا ہے۔"

"کیا شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے اماں!" بہت سنجیدگی سے اس نے ان کی طرف دیکھا۔

اماں کو اس سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ گڑبڑا سی گئیں۔ "نہیں ابھی نہیں ہوئی۔ بعد میں کہلوا دیں گے مشورہ کر کے طلعت بھابھی نے یہی کہا ہے ان سے۔"

"کیوں اب کیا مشورہ لینا ہے۔ وہ لوگ تو تاریخ لینے آئے تھے۔ لیتے اور چلے جاتے۔ کیا ضرورت تھی رات گئے تک بٹھانے کی انہیں۔"

"تمہاری اور میری خاطر کیا ہے خوشی اتنی محبت اتنی خاطر تواضع کہ۔"

"اچھا بس رہنے دیں۔" وہ دوبارہ کل خرچ کیے جانے والے پیسوں کی تفصیل نہیں سننا چاہتی تھی۔ رہ کیا گیا اور کیا نہیں اس کی حقیقت بھی صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

"اتنا بدگمان نہیں ہوتے خوشی! اور وہ بھی اپنے محسنوں سے، بھائی صاحب اور بھابھی سر پر ہاتھ نہ رکھتے تو ہم دونوں ماں بیٹی دربدر ہو جاتے۔ توبہ کرو ناشکرا پن گناہ ہے....."

خوشی نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

ساری عمر وہ پتا نہیں کس کس بات پر توبہ کراتی رہی تھیں جو غلطیاں اس نے کی تھیں اور جو سرے سے کہیں درج نہ تھیں ان پر بھی۔

اس نے ہلکے سے سر ہلا یا۔ تو وہ مطمئن ہو کر باہر نکل گئیں۔

"جو گھٹن اس کے اندر پل رہی ہے۔ اس پر وہ کس سے بات کرے بھلا!"

جواب میں صرف وہی ایک نام آتا تھا۔ اس نے ہاتھ لبوں پر رکھا۔

☆☆☆

"عفان! عفان!" کرامت خالو کی آواز میں واضح قسم کی جھلاہٹ تھی۔

"تم سن بھی رہے ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"سامنے بیٹھا ہوں تو سن ہی رہا ہوں نا ابا....."

www.pklibrary.com

اس کی لاتعلقی پر قرار تھی۔

"تو پھر تمہیں کیا لگتا ہے۔ وہ لوگ خوشی کو بھی جائیداد وغیرہ میں سے کچھ حصہ وصہ دیں گے یا نہیں۔ آخر اتنے پیسے والے ہیں۔ کوئی پلاٹ، فلیٹ، کچھ تو ہوگا۔" رقیہ خالہ چائے لے کر آرہی تھیں۔ چڑھ ہی گئیں۔

رات سے یہی موضوع خالو کرامت بار بار چھیڑ رہے تھے

"بتا بھی دیا ہے پھر بھی۔" وہ ناگواری سے بڑبڑائیں۔ طلعت کے حالات پوشیدہ نہیں ہیں ہم سے کرامت صاحب! اس کے شوہر جوانی میں ہی گزر گئے تھے آپ کے سامنے کی بات ہے۔ کچھ نہیں چھوڑا انہوں نے خوشی اور طلعت کے لیے۔ کرائے کا گھر تھا ان کا پھر کیوں بار بار ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"

وہ ذرا جوشر مندہ ہوئے ہوں، بولے۔

"اپنے خاندان کے لیے سوچنا ہر انسان کا حق ہے۔ باپ نہ سہی تایا تو ہیں ناسر پر۔ اتنے سال سے وہی ہیں سرپرست۔ صاحب حیثیت ہیں اگر بات کی جائے تو شاید۔....."

"وہ کچھ نہیں دیں گے۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں، ان کا سب کچھ۔ ان کی دونوں بیٹیوں کے نام ہے یہ بات ذہن نشین کرلیں آپ بھی۔"

"تو ٹھیک ہے پھر تم عفان کا رشتہ ان کی بیٹی کے لیے دے دو۔ ہمارا عفان انہیں پسند آگیا ہے۔ صاف لگ رہا تھا فوراً مان جائیں گے۔"

عفان نے بہت چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ خوشی سے کتنا بھی ناراض سہی۔ کرامت خالو کی بات بے حد بری لگی تھی۔

"ابا آپ ....." غصے میں جو کچھ بھی کہنا چاہ رہا تھا۔ گیٹ پر بجتی بیل کی وجہ سے ادھورا رہ گیا۔

"حد کرتے ہیں آپ بھی۔ یہ بات عفان کے سامنے کرنے کی تھی کیا۔ کتنی پرانی منگنی ہے اس کی اور ویسے بھی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا ہمارا کوئی جوڑ ہے کیا؟" رقیہ نے دھیمی آواز میں سرزنش کی۔

عفان سامنے صحن میں گیٹ کھول رہا تھا کرامت خالو کی نگاہ سامنے جمی ہوئی تھی۔

"جوڑ ابھی تک اوکے نہیں بھی تھا تو اب بن رہا ہے۔ سامنے دیکھ لو خود ہی۔" وہ اور بھی پراعتماد تھے روزی اور فرزین دونوں کو عفان کے ساتھ اندر آتا دیکھ کر رقیہ بوکھلا گئیں۔

"ابھی کل رات ہی تو ہم ہو کر آئے ہیں پھر اتنی جلدی ملاقات!"

سوزیادہ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا اپنی شدید امارت کا منہ بولتا اشتہار بنی وہ دونوں بہنیں اگلے ہی منٹ برآمدے میں پہنچیں اور کسی قیمتی خوشبو کی مہک نے چمپا کے پھولوں کی دھیمی سی مہک کو یکسر مٹا ڈالا تھا۔

کرامت خالو نے مارے ممنونیت کے صاف ستھری کرسیوں کو پھر سے پاس پڑا ہوا کپڑا اٹھا کر صاف کر دیا تھا۔

"بیٹھیں گے نہیں۔ عفان کو لینے آئے تھے۔ کل آپ سب کو تحفے نہ دے سکے۔ آج وہی لینے جارہے ہیں۔ عفان ساتھ ہوگا تو پسند کرنے میں آسانی رہے گی۔"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں۔ جاؤ عفان تیار ہو جاؤ!" خالو کرامت کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "اٹھو۔ جلدی!"

"مگر اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے قطعی۔ اور اگر ضرورت ہے بھی تو وہ لوگ خود بھی لاسکتی ہیں۔"

عفان کا احتجاج کمزور ثابت ہو رہا تھا اور وہ کمزور ترین!

"یہ کس درجہ بداخلاقی اور بدتہذیبی ہے اس کی۔" خالو کرامت کا بس چلتا تو اسے ان لوگوں کے سامنے ہی دو جھانپڑ ضرور۔ رسید کرتے۔

جتنی دیر میں وہ کپڑے تبدیل کر کے واپس برآمدے میں آیا۔ اپنائیت کی فضا اور بھی گہری ہو چکی تھی۔

"سی ویو پر فرزین کے لیے تیار ہونے والے

www.pklibrary.com

بنگلے میں پینٹ کا کام چل رہا ہے۔ کوئی دیکھ بھال کے لیے نہیں ہے۔ ٹھیکے دار کم بخت پتا نہیں بے ایمانی کر کے کتنے پیسے بنا رہا ہے کرامت خالو..... کتنا اچھا ہو اگر آپ تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر وہاں اپنی نگرانی میں کام کرا دیں۔ احسان ہوگا آپ کا۔"

روزی اتنی رقت سے کہہ رہی تھیں کہ خالو کرامت کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"کس قدر مجبور ہیں بے چاری اور دنیا والے کس درجہ عیار کہ شریف لوگوں کو لوٹ لوٹ کر کھا رہے ہیں کیا فائدہ اپنوں کا اگر ایسے وقت میں بھی کام نہ آسکیں۔ انہوں نے فی الفور حامی بھری اور آج ہی سے یہ حامی بھر کر ذمہ داری سنبھالنے کا عہد کیا۔

فرزین نے ایک مسکراتی سی گہری نگاہ عفان پر ڈالی جو رقیہ خالہ سے دبے دبے لہجے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ دن کے اجالے میں اس کی آنکھوں اور بالوں کا رنگ رات کی نسبت زیادہ دل کش تھا۔

"وہ بلاشبہ اتنا ہینڈسم ہے کہ جس کے ساتھ ہوگا اس کے لیے قابل رشک ہوگا۔"

فرزین کے دل سے اپنی شادی کی تاخیر کا غم کل رات سے ہلکا پڑنے لگا تھا۔

ساری شادی شدہ سہیلیوں کے سامنے وہ عفان کا ہاتھ تھام کر کس فخر سے جا کر کھڑی ہوگی سوچ کر ہی اس کی گردن میں اکڑاؤ آرہا تھا۔

"چلو بھئی بچو..... دیر مت کرو۔"

خالو کرامت والے محاذ کو سر کر کے روزی آپا نے شفقت سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"جی آپا! چلیں نا۔ وہ تو عفان ہی دیر کر رہے ہیں۔" فرزین نام لیتے ہوئے ہلکا سا شرما بھی گئی تھی۔

"اس دیر سویر کی تو اب عادت ڈالنی ہوگی ہم سب کو۔ عفان تو اب فیملی کا حصہ بن رہا ہے آخر....."

وہ گیٹ سے نکلنے تک اپنی ہی کہے گئیں۔

"یہ ہوتا ہے اپنا پن۔ دیکھا رقیہ بیگم۔" خالو کرامت کا چہرہ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اس شہر کا باسی تھا۔

اور یہاں کی چمک دمک اور جگہ جگہ بنے عالی شان شاپنگ مالز بھی قطعی نئے نہیں تھے۔ وہ اکثر یہاں آتا رہتا تھا اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں کے فوڈ کوریٹ میں۔ لیکن ان بڑے ناموں والے برانڈز سے اتنی تفصیلی شاپنگ کا تجربہ بالکل نیا تھا۔

بنا ہاتھ روکے فرزین اور روزی ایک کے بعد ایک چیز نکلوا رہی تھیں۔

خریداری کا حجم بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ ان کے ساتھ آنے کی اپنی ساری جھنجلاہٹ بھولنے لگا تھا۔

"اور خود کو اتنا امیر امیر سا محسوس کرنا بھی کیسا سرور بھرا احساس ہے۔" ٹرائل روم میں خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے عفان نے بہت سکون محسوس کیا تھا۔

"عفان!" فرزین پکار رہی تھی۔

وہ جلدی سے باہر نکل آیا۔

"بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ بہت سوٹ کر رہی ہے آپ پر یہ شرٹ۔ پیک کروا لیتی ہوں۔"

اس کی تعریفی نگاہ عفان پر سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ جھینپ سا گیا۔

"رہنے دیں۔ پہلے ہی بہت لے لی ہیں بس کافی ہیں!"

"یہ طے کرنا آپ کا نہیں میرا کام ہے کہ کیا کچھ کافی ہوگا!" فرزین لاپروائی سے کہتی ہوئی کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔

عفان نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

آج کا دن سمجھوتوں کا تھا۔

یا پھر ایک بڑے سمجھوتے کی طرف جاتے تیز قدم۔

روزی آپا ان دونوں کو چھوڑ کر کافی دیر پہلے فوڈ کوٹ میں جا بیٹھی تھیں خود ساختہ تھکن کا بہانہ کر کے جا بیٹھی تھیں۔ فرزین بے حد خوش تھی اور اس خوشی میں عفان کو لے کر پورے مال کے کئی چکر لگا ڈالے تھے

www.pklibrary.com

کوئی پرانی دوست، کوئی جاننے والا یا کوئی دیکھ لے ان دونوں کو ایک ساتھ۔

سہیلیوں کو جلا کر راکھ کرنے کی خواہش کب کی حسرت میں بدل چکی تھی۔ آج بھی حسرت ہی رہی۔

''روزی آپا انتظار کر رہی ہوں گی فرزین۔''

عفان کے احساس دلانے پر فرزین کو رکنا ہی پڑا۔

''اچھا ہی ہوا دیکھتیں تو نظر ہی لگاتیں۔ اللہ نے بچایا۔'' اپنے ملال کو کم کرنے کے لیے اس نے خود کو تسلی دی۔

شام ڈھل رہی تھی جب ان لوگوں نے عفان کو اس کے گھر کے گیٹ پر اتارا۔

''آپ لوگ آئیں نا۔ چائے تو پی لیں۔''

اپنے ساتھ لائے بے تحاشا شاپرز کو سنبھالتے ہوئے اس نے بہت گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ فرزین تو اترنے بھی لگی تھی لیکن روزی آپا نے روک دیا۔

''پھر آئیں گے عفان!''

آج کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

ویسے بھی جو وہ چاہتی تھیں۔ اس میں کامیابی کا امکان اب روشن تھا۔

☆☆☆

اگلے کئی دن تیزی سے گزرتے چلے گئے۔

روزی آپا آتیں اور فرزین کو ساتھ لے کر دن بھر کے لیے چلی جاتیں۔ کسی کسی دن وہ نہیں بھی آتیں تو فرزین خود ہی تیار ہو کر گاڑی لے کر چلی جاتی۔

خوشی سارا دن بے چین سی گھر میں ہی پھرتی رہتی۔

کچن سے لاؤنج، لاؤنج سے گارڈن اور پھر پچھلے احاطے کی طرف مڑتی اس کا منڈیر پر جہاں عفان سے آخری ملاقات ہوئی تھی۔

اس بار وہ اتنا ناراض ہو گیا تھا کہ پلٹ کر خبر ہی نہیں لی تھی۔ خوشی کی آنکھیں اور بھی زیادہ جلنے لگیں۔

بہت سوچ کر بھی خوشی کو اپنی غلطی سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی۔

تیار نہ ہونے اور ان لوگوں کے سامنے نہ آنے کا حکم طلعت چچی کا تھا۔ سو اسے ماننا ہی تھا۔

عفان کو کون سمجھاتا مگر۔

''اماں رقیہ خالہ کے ہاں چلیں آج۔''

اس روز ڈھیٹ بن کر اس نے کہہ ہی دیا تو اماں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''کیا بے تکی بات ہے۔ اب تمہارا وہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ یاد ہے نا اس روز طلعت بھابھی نے منع کر دیا تھا سامنے آنے سے بھی۔''

''سارا فساد اسی دن کا تو ہے!'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

''طلعت بھابھی کو بتا چلا کہ تم وہاں گئی ہو تو انہیں بہت برا لگے گا۔ میں انہیں ناراض نہیں کر سکتی۔''

ناراض تو وہ بھی عفان کو نہیں کر سکتی تھی لیکن کر بیٹھی تھی اور اس کے بارے میں سوچ سوچ کر دل دماغ سب ہی ماؤف ہوتے جا رہے تھے۔ اور یہی حال رہا تو اس نے بمشکل ہی خود کو کمپوز کیا۔

''کسی کو پتا نہیں چلے گا اماں۔ بس تھوڑی سی دیر میں آجائیں گے۔ میرا بہت دل گھبرا رہا ہے۔ کچھ بات کرنی ہے عفان سے۔''

''کیسی بات!'' اماں ایک دم سے مشکوک ہو گئیں۔ ''کچھ کہا ہے کیا عفان نے تمہیں۔''

''بتا دوں گی آپ کو۔ لیکن پلیز چلیں۔ بس تھوڑی دیر کے لیے۔''

خوشی اتنی بے بسی سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ اس بار وہ منع نہیں کر سکیں۔

''اچھا کرتی ہوں بات طلعت بھابھی سے۔ کچھ بہانا کرنا پڑے گا۔ تم بھی بس مجھے اسی طرح پریشان کرتی رہتی ہو۔ خیریت کے ساتھ رخصت ہو کر اپنے گھر چلی جاؤ تو میں بھی سکون کا سانس لوں!''

سارا ملبہ خوشی پر ڈال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

www.pklibrary.com

دل میں ہلکی سی کھٹک ان کے بھی تھی۔
اس دن کے بعد کوئی فون، کوئی پیغام نہیں۔ تاریخ کا معاملہ بھی ابھی تک لٹکا ہوا تھا۔
اماں نے کیا کہہ کر اجازت لی۔ خوشی کو اس سے سروکار نہیں تھا۔
اس نے تو رکشہ میں بیٹھ کر بڑا سکون بھرا سانس لیا تھا۔
"خدا کرے کہ عفان گھر پر ہی ہو۔" گرم ہوا کے جھونکوں سے بکھرتے ہوئے بال سمیٹتے ہوئے اس نے دعا کی۔

☆☆☆

گیٹ خلاف معمول کرامت خالو نے کھولا تھا۔
وہ شاید کہیں جارہے تھے۔ لیکن آج سے قبل اتنے اچھے کپڑے تو انہوں نے کبھی عید بقرعید پر بھی نہیں پہنے تھے۔ بالکل نئی پشاوری چپل اور ہاتھ میں بندھی قیمتی گھڑی۔ پہلی نگاہ میں وہ اتنے ہی معزز لگ رہے تھے جیسے بڑے چچا۔
خوشی دوسرے ہی لمحے اپنے تجزیہ پر شرمندہ ہو کر رہ گئی۔ کتنی غلط بات تھی۔ کیا طلعت چچی کے گھرانے کے زیر سایہ پل کر وہ بھی لوگوں کو ان کے ظاہری حلیے سے جج کرنے کی عادی ہوچکی ہے۔
وہ انہیں اچانک دیکھ کر پہلے تو کنفیوژ ہوئے اور پھر خفا ہونے لگے۔
"اس قدر گرمی میں گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ بھی رکشہ میں۔ یہ بھی کوئی سواری ہے۔"
گھر کے آگے چمچماتی نئی گاڑیاں دیکھ کر انہیں جو غرور سا محسوس ہوا تھا۔ اس کو اچانک ہی ٹھیس لگی تھی۔ خوشی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ان کے آنے پر خفا ہیں یا پھر رکشہ پر۔
اماں شرمندہ سے لہجے میں انہیں کچھ صفائی دینے کی کوشش کررہی تھیں۔ لیکن کرامت خالو کی پیشانی کے بل گہرے ہوتے جارہے تھے۔

"رقیہ......رقیہ بھئی دیکھو ذرا۔"
پہلی بار خوشی کو لگا جیسے وہ اور اماں کرامت خالو کے دروازے پر کھڑے ڈھیٹ قسم کے بھکاری ہوں جن سے نمٹنے کے لیے وہ رقیہ خالہ کی مدد چاہ رہے تھے۔
"اسے یہیں سے واپس پلٹ جانا چاہیے شاید۔"
اس نے اماں کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن تب تک وہ اندر داخل ہوچکی تھیں۔
"آؤاب کھڑی کیا ہو؟"
سر جھکائے اندر جاتے ہوئے خوشی نے چپکے سے اپنی آنکھوں کو خشک کیا۔
"یہ بڑی مصیبت تھی۔ بات بے بات آنسو"
لیکن یہاں دکھانے کا اور بھی بہت سامان تھا۔
کرامت خالو تو فوراً ہی نکل گئے تھے۔ انہیں سی ویو جانا تھا۔ جس کے لیے پرائیویٹ ٹیکسی منگوائی تھی۔
چمپا کے جھنڈ کے نیچے عفان کی کرسی پر دھول جمی تھی وہ اس پر بیٹھنا چھوڑ چکا تھا۔ صاف ظاہر ہورہا تھا۔ عجیب سا خالی پن تھا اس جگہ۔ وہ یوں ہی چند لمحے دیکھے گئی۔
رقیہ خالہ ہمیشہ کی طرح محبت سے ملیں خوشی کو گلے لگا کر انہوں نے ڈھیروں دعائیں دے ڈالیں۔ پھر بھی کچھ کمی تھی۔
خوشی نے بہت غور سے ان کی طرف دیکھا۔ لیکن رقیہ خالہ نگاہ چرا گئیں۔
"یہ کرامت بھائی سی ویو کیوں گئے ہیں وہاں تو کوئی رشتے دار بھی نہیں رہتا۔ کہیں نوکری کرلی ہے کیا!"
اماں سادگی سے پوچھ رہی تھیں۔
رقیہ خالہ نے شکر کیا کہ کرامت خالو جاچکے ہیں ورنہ اس ایک بات پر وہ کتنا فساد اٹھا سکتے تھے۔
"کچھ کام تھا وہاں اس لیے گئے ہیں!" رقیہ خالہ نے کوشش کر کے بہت سرسری سا انداز اپنایا اور فوراً ہی

www.pklibrary.com

بات بدل دی۔

''خیریت تو ہے نا بشریٰ۔ اچانک ہی آ گئیں۔ اور خوشی کو کیسے آنے دیا انہوں نے۔''

''طلعت بھابھی کو نہیں پتا کہ ہم یہاں آئے ہیں۔ بس یہ خوشی پریشان ہو رہی تھی۔ اس کی ضد پر آنا پڑا۔''

رقیہ بچپن کی سہیلی تھیں۔ ان سے ہر بات بلا جھجک کر لیتیں بس۔ لیکن اس وقت کچھ شرمندگی سی ہو رہی تھی۔ تھا تو آخر بیٹی کا سسرال ہی۔

''اب چپ کیوں بیٹھی ہو تم۔ بولو نا کیا کہنا تھا کیا بات کرنی تھی عفان سے۔'' انہیں گم صم بیٹھی خوشی پر غصہ آنے لگا۔

رقیہ کی سوالیہ نگاہ خوشی کے چہرے پر جمی تھی۔ سادے دھلے دھلائے چہرے پر فکر مندی اور دکھ نمایاں تھا۔ آج اس کی آنکھیں کاجل سے بھی عاری تھیں۔

''کچھ نہیں رقیہ خالہ، ایسے ہی بات کرنی تھی عفان سے۔'' وہ نگاہ نیچی کیے آہستگی سے بولی۔

آج جب بھی وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھیں دل پر بوجھ سا بڑھتا محسوس کر رہی تھیں۔

''عفان تو گھر پر نہیں ہے بیٹا..... مجھے بتا دو کیا بات ہے۔''

''کچھ نہیں.....'' اس نے دھیمے سے کہا۔ اور باہر نکل آئی۔

''کوئی لڑائی ہو گئی ہے شاید۔ بچپن سے یہی حال ہے بات بات پر لڑتے تھے دونوں۔'' اماں بے فکری سے مسکرا دی تھیں۔ ''خیر شادی ہو جائے گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں نے تو طلعت بھابھی کو کہہ دیا ہے کہ اگلے ماہ کی چوبیس تاریخ ٹھیک رہے گی۔ وہ ذرا بھائی صاحب سے مشورہ کر لیں گی۔''

رقیہ خالہ سے جواباً مسکرایا بھی نہ گیا۔ یوں ہی سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

خوشی دبے قدموں چلتی ہوئی عفان کے کمرے کے دروازے پر آ کر رکی۔ دروازہ پورا کھلا ہوا تھا کمرے میں افراتفری کے ساتھ دل فریب سی مہک پھیلی تھی وہ یقیناً بہت جلدی میں نکلا تھا۔

خوشی نے آگے بڑھ کر آہستہ آہستہ چیزوں کو سمیٹنا شروع کیا۔ ڈریسنگ ٹیبل پر بہت مہنگے پرفیوم رکھے تھے۔ دوا ابھی تک کھلے بھی نہیں تھے۔ خوشی نے ایک اٹھا کر پرائس ٹیگ دیکھا۔

عفان کی تنخواہ میں ایسی دل کھول کر خریداری کی گنجائش ہرگز ہرگز — نہیں تھی۔

اس نے پرفیوم واپس رکھ کر ایک گہری سانس لی۔ ماحول اب تک مہک رہا تھا۔

خوشی نے بیڈ پر پھیلے ہوئے کپڑوں کے ہینگر سمیٹے اور الماری کی طرف بڑھ گئی۔

الماری کھلی ہوئی تھی۔ وہ کپڑے ہینگ کرنے لگی تو اندازہ ہوا کہ عفان کی پرانی الماری میں نئے کپڑوں کی بہار آئی ہوئی ہے۔

عفان کے گھر میں سب یہ اچانک اتنے خوش ذوق کیسے ہو گئے۔ حیرت اس پر اور ان کی حیثیت بدلنے پر زیادہ تھی۔

وہ گم صم سی اس گتھی کو سلجھا رہی تھی کہ باہر کچھ آہٹ سی ہوئی۔ خوشی الماری بند کر کے باہر نکل آئی۔

سامنے برآمدہ اور صحن ویسے ہی خالی تھا۔

خاموش اور پرسکون۔

اسے اس پرانے بنے ہوئے سادہ سے گھر سے بے حد محبت تھی۔ اور یہاں آ کر رہنا نوعمری کا اولین خواب کتنے سال ہو گئے تھے اس کا اور عفان کا رشتہ طے ہوئے۔

اس نے انگلیوں پر حساب لگایا

ایک نہ دو پورے آٹھ سال

''خوشی!'' اماں باہر آ گئی تھیں۔ ''چلو اب دیر ہو گی تو طلعت بھابھی کتنے ہی سوال کر ڈالیں گی۔''

''مگر ابھی تو.....'' اس نے امداد طلب نگاہوں سے رقیہ خالہ کو دیکھا۔ وہ عفان کے آنے تک رکنا

www.pklibrary.com

چاہتی تھی۔

لیکن آج رقیہ خالہ نے بھی رکنے کے لیے ایک بار بھی نہیں کہا۔ جیسے وہ چاہتی ہوں کہ یہ لوگ جلد سے جلد چلے جائیں۔

"رقیہ خالہ! عفان سے کہیے گا کہ....." وہ کہتے کہتے رک گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا پیغام بھجوائے۔

"خوشی۔" اماں گیٹ پر پہنچ چکی تھیں۔ آج خلاف معمول رقیہ خالہ نے انہیں ایک بار بھی رکنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ شاید وہ خود چاہ رہی تھیں کہ وہ لوگ جلدی واپس چلی جائیں۔

"خدا حافظ بیٹا۔" رقیہ خالہ کی آواز دھیمی تھی۔

"خدا حافظ۔" اس نے ہلکے سے کہا اور گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک الوداعی نگاہ گھر پر ڈالی۔

سامنے چمپا کا جھنڈ بن کی پرانی کرسی پر جمی دھول اور گھر میں پھیلے سناٹے نے اسے خدا حافظ کہا۔

☆☆☆

رکشہ انہیں گلی میں ہی مل گیا تھا۔

"اب دیکھنا طلعت بھابھی کتنے سوال کریں گی۔ گھر کے کام کا الگ حرج ہوا۔ غصہ تو انہیں آئے گا ہی نا۔ تمہاری ضد کی وجہ سے مجھے ان سے باتیں سننا پڑیں گی۔" اماں جھنجلائی ہوئی تھیں اور ان کا غصہ بنتا بھی تھا۔

خوشی نے ایک گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرنا چاہا۔ لیکن اس کی سانس چند پل کے لیے تھم سی گئی کچھ فاصلے سے گلی میں مڑتی ہوئی گاڑی میں فرزین اور عفان تھے۔

اور جس حق اور بے تعلقی سے عفان گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ بڑا ہی مغنی خیز تھا۔

خوشی نے اتنے فاصلے سے بھی عفان کے چہرے کی مسکراہٹ اور سکون کو صاف محسوس کیا تھا۔

گاڑی سامنے سے گزر کر جا چکی تھی۔ پھر بھی خوشی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

اس کا رخ عفان کے گھر کی طرف تھا۔

سو ایسا ہے کہ رقیہ خالہ نے انہیں روکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ایک بات سمجھ میں آئی تو بہت سی خود بخود ہی سمجھ میں آنے لگیں۔

معزز دکھتے کرامت خالو، عفان کی ڈریسنگ ٹیبل پر سجے قیمتی پرفیوم، نئی شرٹیں، رقیہ خالہ کا گریز۔

"سب ہی ایک زنجیر کی کڑیاں تھیں تو یہ بات ہے" اس نے خود کو سمجھانا چاہا لیکن آنکھوں میں ریت سی بھرتی جا رہی تھی۔

اماں ان کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑی تھیں ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ "عفان تو گھر پر تھا ہی نہیں اور ہم تو آدھ گھنٹے بھی نہیں بیٹھے تھے وہاں۔ بس غلطی ہوگئی کہ آپ سے ذکر نہیں کیا۔ معاف کر دیں۔"

"نمک حرامی کی بھی حد ہوتی ہے۔ ارے میرا نہیں تو اپنے بڑے چچا کا ہی خیال کر لیتی یہ خوشی بدبخت۔ آج آجائیں یہ پھر بتاتی ہوں انہیں۔ بڑی ہمدردی ہوتی ہے انہیں بیوہ بھاوج اور یتیم بھتیجی سے۔ پتا تو چلے اصلیت۔"

خوشی کی بند ہوتی آنکھوں نے طلعت چچی کے چہرے کے نقوش کو بگڑتے اور پھیلتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے ساتھ ہی رہے سہے حواس بھی جاتے رہے۔

"خوشی!"

اماں کی درد بھری چیخ اس کے کانوں نے نہیں سنی تھی۔

☆☆☆

"توبہ..... اللہ معافی! شکر ہے جو ہم ایسے نہیں۔ یہ خوشی تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکل گئی ہے امی۔" روزی آپا نے بہت تاسف کے ساتھ تجزیہ کیا۔

"سارا فرق تربیت کا ہے بیٹا۔ ہماری بچیاں اس لیے بے مثال ہیں۔"

طلعت چچی نے بڑے ابا کو آتا دیکھ کر دانستہ اونچی آواز میں کہا لیکن وہ اتنے فکر مند تھے کہ کسی اور طرف دھیان نہیں دے رہے تھے۔

"ہفتہ ہو گیا ہے لیکن خوشی کی طبیعت نہیں سنبھل

www.pklibrary.com

رہی ہے۔ سب ٹیسٹ بھی ٹھیک آئے ہیں لیکن بچی تو جیسے بستر سے ہی لگ گئی ہے۔"

"اور اس کی ماں، بیٹی کی پٹی سے..... ہفتے بھر سے سارے کام کاج چھوڑ رکھے ہیں!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"ڈاکٹر آب وہوا کی تبدیلی کا کہہ رہے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں خوشی اور بشریٰ بھابھی کو چند ہفتوں کے لیے کوئٹہ والے کاٹیج میں بھیج دوں خوشی پر اچھا اثر پڑے گا۔"

روزی آپا کی آنکھیں کسی خیال کے تحت چمکی۔

"بہت اچھا سوچا ہے آپ نے ابا۔ ضرور بھیج دیں کوئٹہ۔"

طلعت چچی نے ہکا بکا ہو کر روزی آپا کو دیکھا۔

"کیسی بے تکی بات کی تھی دونوں باپ بیٹی نے۔"

"اتنا پروٹوکول۔"

"آب وہوا بدلے گی تو بے چاری خوشی کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا اس سے اچھی کیا بات ہوگی۔" بڑے چچا کو روزی آپا کی تائید سے بڑا اطمینان ہوا تھا۔

فیصلہ ہوا تو سارے انتظامات بھی جھٹ پٹ ہونے لگے۔

"ہم کوئٹہ کیوں جا رہے ہیں اماں!"

اس نے خالی خالی نظروں سے اماں کو بیگ تیار کرتے دیکھ کر سوال کیا۔

"بھائی صاحب ہمیں کوئٹہ والے کاٹیج میں بھیج رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"وہاں تمہاری طبیعت بالکل اچھی ہو جائے گی۔ ماحول بدلے گا۔ آب وہوا بدلے گی۔ اچھا لگے گا" وہ دانستہ مسکرائیں۔

مگر وہ اسی طرح خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔

"مگر قسمت..... وہ تو نہیں بدل سکتی اماں، چاہے کہیں بھی چلے جاؤ۔ وہ تو ہمارے ساتھ ہی رہے گی نا۔ پھر کیا فائدہ....."

وہ اتنی پر یقین تھی کہ ان کی بچی کھچی ہر اچھی امید بھی رخصت ہونے لگی۔

"ایسا نہیں سوچتے اور خدا نہ کرے جو تمہاری قسمت خراب ہو۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد اپنے گھر کی ہو جاؤ گی۔ خوش آباد رہو گی بیٹا۔" اپنے لہجے کا کھوکھلا پن انہیں خود بھی محسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہ یہ بھی نہ کہتیں تو کیا کہتیں۔ "کوئی وہم نہ کرو۔"

"جی اچھا!" اس نے صرف اتنا ہی کہا اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔

گارڈن کی طرف اترتی ٹھنڈی سیڑھیوں پر اسے بیٹھے ہوئے کتنی ہی دیر ہو گئی۔

آسمان پر چاند روشن تھا۔

اور اسی روشنی میں خوشی نے گیٹ سے عفان کو اندر آتے دیکھا۔

گو اب کوئی خوش فہمی باقی نہیں تھی۔ پھر بھی اس کا دل ایک بار تو زور سے دھڑکا ہی تھا۔

اس نے خود کو سرزنش کی اور اٹھنے لگی تھی کہ وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔

"خوشی! کیا ہوا ہے، بیمار ہو گیا؟"

سرسری پوچھی گئی اس خیریت میں خیال یا کسی فکر کا ہلکا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔

پھر وہ بھی بمشکل ہی اپنے آنسوؤں پر قابو رکھ سکی۔

"نہیں تو۔"

"وہ فرزین نے بتایا تھا کہ تم گر گئی تھیں شاید۔"

وہ جانتا تھا پھر بھی ایک بار بھی پوچھنے نہ آیا۔

خوشی کا بے ساختہ گلہ کرنے کو دل چاہا۔

"لیکن بھلا کیوں!"

وہ پورے وقار سے مسکرائی۔

"ہاں پیر سلپ ہو گیا تھا۔ مگر اب بالکل ٹھیک ہوں۔ تم فرزین سے ملنے آئے ہو نا عفان! وہ اندر ہو گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

چاند کی روشنی بھی اس کے چہرے کی زردی کو کم کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

عفان نے پل سے بھی کم وقت میں خود کو کمزور

www.pklibrary.com

پڑتا محسوس کیا۔

''عفان.....عفان!'' فرزین نے اسے دیکھ لیا تھا اور اس کی پکار میں بے تابی اور جھنجلاہٹ تھی۔

عفان کی نگاہ خوشی کے چہرے پر جمی تھی۔

عفان کو لگا شاید وہ مسکرائی ہے۔

پتا نہیں اس مسکراہٹ کو مسکراہٹ کہا بھی جاسکتا ہے۔

''عفان!''

فرزین کی آواز میں اس بار تحکم تھا۔

خوشی اندر جا چکی تھی۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ تم سے۔ سچ بتانا۔'' فرزین تیز چل کر آئی تھی اور نہ جانے اتنی سی دیر میں کیا کیا فرض کر چکی تھی۔ ''مظلوم بن کر ہمدردی سمیٹنا خوب آتا ہے بشریٰ چچی اور خوشی کو۔ حالانکہ امی اور ابو ان دونوں کا اتنا خیال رکھتے ہیں کہ کسی شے کی کمی نہیں ہے۔ اب یہی دیکھ لو خوشی نے ضد باندھ رکھی ہے کہ اسے فریش ہونے کے لیے کوئٹہ بھیجا جائے۔ کراچی میں اس کا دل نہیں لگ رہا ہے۔''

طلعت چچی کی دونوں بیٹیاں اپنی والدہ ہی کی زبان میں بات کرنے کی عادی تھیں۔

''ہزاروں کا خرچا ہے مگر اسے کیا پروا!''

عفان کو طلعت چچی اور ان کی بیٹیوں کی درد مندی پر کئی دن پہلے یقین آچکا تھا۔ سو فرزین کو اسے قائل کرنے کے لیے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔

اس کی دوست کی ویڈنگ اٹینڈ کرنی تھی۔ جس میں آج وہ عفان کو ساتھ چلنے پر تیار کر چکی تھی اور ایکسائٹمنٹ کے مارے برا حال تھا۔

آج کسی کی نگاہ اور زبان پر اس سے سوال نہ ہوگا اور نہ ہمدردی، الٹا وہی سب کو جلا کر خاک کرنے والی تھی سو وقت سے پہلے جانا چاہتی تھی۔

عفان نے چاہا بھی کہ وہ اندر جا کر سب کو سلام کرے لیکن فرزین جلدی میں تھی۔

عفان سے بڑھ کر کوئی دوسرا لڑکا آج کی پارٹی میں نہیں ہوگا فخر و غرور سے فرزین کے سارے وجود پر سرشاری سی تھی۔ عفان اس کے لیے کسی بڑے اعزازی میڈل کی مانند تھا۔ اس رات کی دعوت میں۔

''اتنا ہینڈسم لڑکا اب تک کہاں چھپا کر رکھا تھا فرزین کیا اس کا انتظار کر رہی تھیں ابھی تک؟''

''اسے کہتے ہیں دیر آئے درست آئے۔ یہ فرزین تو بہت قسمت والی نکلی۔''

''ارے تم نے دیکھا فرزین کا ہونے والا منگیتر اس کے ساتھ تو کھڑی بھی اچھی نہیں لگ رہی ہے۔ پتا نہیں اس لڑکے نے کیا دیکھا فرزین میں۔''

''صرف پیسہ اور سی ویو کا گھر!''

لڑکیوں کا مشترکہ قہقہہ ایک میز پر سے ابھرا تھا تقریب کے اختتام پر جب وہ فرزین کو اس کے گھر چھوڑ رہا تھا تو نگاہ بے ساختہ ہی ان سیڑھیوں کی طرف اٹھی جہاں آتے سے خوشی کو دیکھا تھا۔ جہاں اب نیم اندھیرا۔

وہ نہیں جانتا تھا کہ اگلی صبح وہ یہاں سے چلی جائے گی بہت سارے دنوں کے لیے۔ سب پر سے بوجھ اتار کر۔

☆☆☆

ماحول پر بوجھل سی خاموشی تھی۔

کرامت خالو نے سخت سی نگاہ سامنے بیٹھے رقیہ اور عفان پر ڈالی۔

''تو پھر کیا فیصلہ ہے تم لوگوں کا۔''

''فیصلہ تو برسوں پہلے ہو چکا ہے کرامت صاحب! خوشی سے باقاعدہ بات پکی کی تھی عفان کی۔ اور یہ خود اسے بہت پسند کرتا ہے۔ سب جانتے ہیں!'' رقیہ کتنے ہی دن سے اپنے موقف پر تھیں۔ لیکن دن بہ دن ان کی آواز کمزور تر ہوتی جا رہی تھی۔

''تو جوانی میں کہیں بھی دل آجاتا ہے۔ لڑکوں کا لیکن شادی کرتے ہوئے دس بار سوچ لینا اچھا ہوتا ہے اور منگنی تو کی ہی اس لیے جاتی ہے نا کہ آخری فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ پسند بدل جاتی ہے تو لڑکی بھی بدل جاتی ہے۔ کون سی بری بات ہے۔ خوشی نہ سہی فرزین سہی۔ ہمیں تو گھر بسانا ہے اپنے بیٹے کا۔''

''خدا کا خوف کریں کرامت صاحب۔ کسی بھی بچی

www.pklibrary.com

کو اس طرح ٹھکرانا ظلم ہے۔ اگر خوشی کی جگہ ہماری بیٹی ہوتی تو اس کے ساتھ یہ سلوک برداشت کرتے کیا آپ!''

''جب میرے ہاں بیٹی ہے ہی نہیں تو پھر میں کیوں الٹی سیدھی باتیں فرض کر کے اپنا دل کمزور کروں بے کار میں ہی!''

خالو کرامت تلملا ہی گئے۔

''اور یہ تم چپ ہو کر کیوں بیٹھے ہو۔ سمجھاؤ اپنی ماں کو تم فرزین سے شادی کرنا چاہتے ہو۔''

''کیونکہ اس میں تمہاری اور ہم سب کی بہتری ہے۔ لے جا کر دکھاؤ اسے وہ گھر، جہاں ہم عیش و آرام کی زندگی گزاریں گے۔''

''ایک بار سوچ لیں کرامت صاحب۔ اس پرائے گھر میں کیا واقعی زندگی گزر سکتی ہے۔ مجھے نہیں لگتا۔ طلعت اور اس کی دونوں بیٹیاں حد درجہ تنگ دل اور خود غرض عورتیں ہیں۔ ساری عمر بشریٰ اور خوشی کے ساتھ جو ظلم روا رکھا ہے وہ.....''

''یہ سب جھوٹ ہے..... لڑکیاں اتنی باادب اور محبت کرنے والی ہیں۔ سر آنکھوں پر بٹھاتی ہیں اور.....''

باہر بیل ہو رہی تھی۔ عفان خاموشی سے اٹھ کر جا چکا تھا۔

چند منٹ بعد ہی واپس آیا تو تکرار اور بھی بڑھ چکی تھی۔

عفان نے ڈاک سے آیا وہ کھلا لفافہ ان دونوں کے بیچ میز پر رکھا۔ اور ایک گہری سانس لی۔

''کیا ہے یہ!'' کرامت خالو حد درجہ بے زار ہو رہے تھے۔

''روزی آپا کے شوہر نے مجھے اپنی فیکٹری میں جی ایم کی پوسٹ پر اپائنٹ کر دیا ہے۔ اسی ہفتے سے جوائن کرنا ہے۔'' عفان کے لہجے میں اعتراف جرم کی کیفیت تھی۔

کرامت خالو نے جھپٹ کر وہ کھلا ہوا لفافہ اٹھایا۔ رقیہ خالہ نے آنسو بھری نگاہوں سے عفان کو دیکھا۔ لیکن وہ نگاہ چرا کر کرامت خالو کی طرف دیکھنے لگا۔

بعض اوقات ترجیحات کے الٹ پھیر میں چند لمحے ہی لگتے ہیں۔

اس کے بعد کسی بھی بحث تکرار کی گنجائش نہیں رہتی۔ سو یہی ہوا۔

☆☆☆

فضا میں بدلتے موسم کی آہٹ تھی۔

وہ جب یہاں سے گئی تھیں تو گرمیاں تھیں۔ مگر اب ہوا میں ہلکی سی خنکی محسوس ہو رہی تھی۔ خوشی اور اماں جب ٹیکسی سے اتریں تو بڑے چچا کے گھر کے گارڈن اور سیڑھیوں پر نرم سی دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور پورچ خالی تھا۔

''چلو شکر ہے خیریت سے پہنچ گئے۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے واپس آ کر۔'' انہوں نے محبت سے خوشی کی طرف دیکھا تو وہ نرمی سے مسکرا دی۔

اس کی صحت بہت اچھی نہ سہی کچھ تو بہتر ہوئی تھی لیکن آنکھوں میں جمی اداسی پہلے سے بھی گہری تھی۔ گھر والے موجود نہیں تھے۔

''ہمارے آنے کی اطلاع بھی تو نہیں تھی نا کسی کو۔'' اماں کی سادگی انہیں ایسے ہی خوش فہمی میں رکھتی تھی، حالانکہ اطلاع ہوتی بھی تو کون سا کسی نے رک جانا تھا۔

کچن میں روزی آپا کا رکھوایا ہوا شیف کھانا پکا رہا تھا اور اس کا مددگار لڑکا برتن دھو رہا تھا۔

اپنی جگہ پر کسی اور کا قبضہ دیکھ کر اماں کو دکھ تو ہوا لیکن پھر دل کو تسلی سی دے لی۔

ان کے اور خوشی کے آرام کی خاطر ہی تو یہ خرچا بڑھایا گیا ہے۔

نئے آدمی سے انہوں نے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا اور لاؤنج میں چلی آئیں۔ خوشی سامان رکھنے شاید اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

صفائی کرنے والی لڑکی سامنے ڈسٹنگ کر رہی تھی انہیں دیکھ کر مسکرانے لگی۔

''آپ نے تو بڑے دن لگا دیے آنٹی۔ شادی میں بھی نہیں آئیں۔''

www.pklibrary.com

اماں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"کس کی شادی میں بھلا۔"
"فرزین باجی کی شادی میں۔ اور کس کی۔"
"فرزین کی شادی۔ یہ کیا کہہ رہی ہو تم کب ہوئی شادی اس کی۔"
لڑکی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"لیجیے آپ کو یہ بھی نہیں پتا۔"
"پچھلے ہفتے ہی تو ہوئی ہے بہت دھوم دھام سے۔ بہت مزہ آیا سب کو۔"
"اچھا!" اماں کی مسکراہٹ پھیکی تھی۔
"بھائی صاحب اور طلعت بھابھی نے اتنی بڑی خوشی میں شریک بھی نہ کیا۔ خیر"
"اللہ خوش آباد رکھے۔"
"اپنے دولہا کے ساتھ ملک سے باہر گئی ہیں گھومنے کے لیے۔ دس پندرہ دن میں آئیں گی یا پھر مہینے میں۔"
لڑکی کے پاس بتانے کے لیے مکمل رپورٹ تھی۔
"فرزین دلہن بن کر تو پیاری لگ رہی ہوگی۔ ماشاءاللہ۔" وہ محبت سے پوچھنے لگیں۔
"بس ٹھیک لگ رہی تھیں لیکن عفان بھائی بہت اچھے لگ رہے تھے۔ سب کہہ رہے تھے دولہا بہت اچھا ہے۔ سچ پوچھیں تو فرزین باجی کے ساتھ اچھے نہیں لگ رہے تھے۔"
اماں دم بخود اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اندر کمرے میں اپنا سامان رکھتی ہوئی خوشی نے اخباروں کے ڈھیر پر — بچے ہوئے شادی کارڈ کے ادھورے بنڈل کو حیرت سے دیکھتے ہوئے اٹھایا تھا۔
"فرزین ہمراہ عفان۔"
چمکتے ہوئے خوب صورت کارڈ پھسل کر خوشی کے قدموں میں گرے تھے۔ گھر کے داخلی گیٹ سے گاڑی طلعت چچی اور روزی آپا کو لے کر اندر داخل ہو رہی تھی۔

☆☆☆

شام ڈھلے۔ اماں کمرے میں آئیں۔ ان کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ نہ معلوم کتنے آنسو بہائے تھے اور کتنے دل میں اتارے تھے۔

عذر، جواز، معذرت کچھ بھی تو نہیں تھا وہاں سوائے ڈھٹائی اور غرور کے۔
نہ انہیں اپنے کسی فعل پر شرمندگی تھی اور نہ ہی دوسرے کے لیے ہمدردی۔
اگر لڑکا اور اس کے والدین خود آکر خوشی سے رشتہ توڑ کر فرزین کے لیے درخواست گزار ہوئے تھے اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔
"نہیں لگتی ہوگی انہیں خوشی اپنے بیٹے کے معیار کے مطابق۔ یہ بات تمہیں سمجھنی چاہیے بشریٰ۔"
طلعت چچی نے مختصر اور جامع الفاظ میں جو سمجھانا چاہا۔ وہ اماں کی سمجھ میں تو آ گیا تھا لیکن خوشی کو کس طرح سمجھایا جائے۔
یہ سوال خون کے آنسو رلا رہا تھا۔
کمرے میں روشنی مدھم تھی۔ پہلی نگاہ میں تو اماں کو لگا کہ وہ سو چکی ہے۔ شاید سفر کی تھکن کی وجہ سے۔" انہیں تھوڑا سا اطمینان ہی ہوا تھا۔ لیکن وہ جاگ رہی تھی۔
"اماں..... کہاں تھیں آپ۔ میں کب سے آپ کا انتظار کر رہی تھی!"
اس کے چہرے پر سکون تھا اور آنکھیں ستاروں کی مانند چمک رہی تھیں۔
اماں کو آج سے پہلے وہ اتنی خوب صورت کبھی نہیں لگی تھی ان کی نگاہ اس کے چہرے پر جم سی گئی۔
"کیا دیکھ رہی ہیں۔" وہ پھر مسکرائی۔
اماں نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔ گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا لگ رہا تھا۔
"پانی پی لیں۔" وہ کیسے بے خبر رہ سکتی تھی۔
"ہوں!" انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگایا۔
اسے حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اپنے طور ہمت جمع کرنے کی یہ ایک ناکام سی کوشش تھی۔
وہ عفان سے کتنی محبت کرتی تھی یہ بات ان سے بڑھ کر کون جان سکتا تھا۔
اس کی محرومیوں بھری زندگی کی واحد خوشی۔

www.pklibrary.com

''اکلوتی تمنا!''

کیا کوئی ان ماں بیٹی جیسا مفلس بھی ہوسکتا ہے۔

آخری پونجی بھی چھن جانے کے بعد والا خالی پن ہولناک تھا۔

آج صبر اور نیاز مندی کے سارے سبق جو وہ خود کو دیتی آئی تھیں۔ ہاتھ باندھ کر دور جا کھڑے ہوئے تھے۔

خوشی ان کی طرف کروٹ لیتے ہوئے اپنا بازو ان کی کمر کے گرد ڈالتے ہوئے قریب ہوئی۔

''خوشی!'' بڑی دیر بعد انہوں نے ہمت کی تھی۔

''بیٹا! مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' انہوں نے پوری ہمت سے تمہید باندھی۔ ''عفان کے بارے میں۔'' اس کے ریشمی بالوں میں ہلکے سے ہاتھ پھیرتے ہوئے۔

وہ اگلے پل کا اندازہ کر رہی تھیں۔

کیا گزرے گی اس پر بھلا!

خوشی کا چہرہ بالوں سے ڈھک رہا تھا۔

''خوشی!''

اماں نے ہلکے سے پھر پکارا۔ لیکن وہ سو چکی تھی۔ کمرے کی کھڑکی سے نظر آتا چاند زرد ہو رہا تھا اور آسمان پر گدلا سا غبار پھیلا تھا۔

خوشی کے تکیے پر سے عفان اور فرزین کی شادی کا جھلملاتا کارڈ جھانک رہا تھا۔

تب ہی اماں کا دل بہت خوف زدہ انداز میں زور سے دھڑکا تھا۔

☆☆☆

موسلا دھار برستی بارش میں بڑے گیٹ سے گاڑی اندر آئی تھی اور عفان بہت تیزی سے نکل کر دوڑتے قدموں کے ساتھ اندر کی طرف بڑھا تھا۔

طلعت چچی نے بے تابی سے عفان کے عقب میں نگاہ دوڑائی۔ ان کی بیٹی فرزین دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ ایک دم ہی پریشان ہوئیں۔

''عفان..... عفان!''

انہوں نے اسے روک کر فرزین کا پوچھنا چاہا۔ مگر وہ انہیں بڑی حقارت سے نظر انداز کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

طلعت چچی نے بمشکل ہی خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا۔ تب ہی گاڑی سے فرزین برآمد ہوتی دکھائی دی۔

ملازم اس کے بیگ اٹھا کر لا رہے تھے اور خود وہ جس برے حلیے میں تھی۔ اسے دیکھ کر دل دکھ رہا تھا۔

''یہ..... یہ کیا حال بنالیا ہے تم نے اور یہ عفان..... کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا۔''

فرزین خالی خالی نظروں سے دیکھے گئی۔

''بولتی کیوں نہیں ہے فرزین! عفان نے کچھ کہا ہے تو مجھے بتاؤ۔ ارے اتنا سب کچھ اس لیے نہیں دیا کہ.....''

''بدترین پچھتاوے سے گزر رہا ہے وہ مجھ سے شادی کر کے، آپ کے پیسے نے اس کی آنکھیں خیرہ کی تھیں امی!''

فرزین کی آواز میں ہلکی سی لرزش آ رہی تھی خود کو کمپوز رکھنے کے لیے اسے رکنا پڑا۔

''لیکن اس کا دل..... ہم بھول گئے تھے کہ اللہ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ عفان کا دل خوشی کی امانت تھا۔ سو وہ اپنے ساتھ لے گئی۔ میرے لیے کچھ نہیں چھوڑا اس نے، فلاش کر گئی۔'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''میں پہلے بشریٰ چچی سے خوشی کی تعزیت کرلوں!'' اس کی آواز کسی سرگوشی کی مانند تھی۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے وہ آگے بڑھ گئی۔

سامنے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

بشریٰ چچی سارے زمانے سے بے نیاز قرآن پاک کی تلاوت میں محو تھیں۔ فرزین نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور دوسری کمرے کی چوکھٹ کے ساتھ لگ کر کھڑے عفان پر جس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

یکا یک ہی اس کی ساری ہمت جواب دے گئی اور وہ وہیں فرش پر بیٹھ کر رونے لگی۔

www.pklibrary.com

نرمین اسکول میں پڑھنے والی ایک غریب لڑکی ہے۔ اس کا باپ شکر قندی اور مونگ پھلی کی ریڑھی لگاتا ہے۔ بیوی کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنی دکان منشی اکرم کے پاس گروی رکھتا ہے اور سود بھرتا ہے۔

نرمین اور افشاں اسکول سے واپسی پر باتیں کرتی آتی ہیں، راستے میں مراد کا رکشہ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس میں بیٹھ کہتی ہے، میں تو رکشہ چلاؤں گی۔ اسی وقت سامنے والے گھر کا دروازہ کھلتا ہے، مراد کے باہر نکلنے پر دونوں بھاگ جاتی ہیں۔ نرمین اپنا بیگ بھول جاتی ہے۔

گھر پہنچ کر بیگ کا خیال آتا ہے۔ وہ ماں سے کہتی ہے کہ کتا پیچھے لگ گیا تھا، بیگ گر گیا راستے میں۔ فرخ کے ہمراہ ثمینہ اسے بیگ لینے بھیجتی ہے لیکن وہاں رکشہ نہیں ہوتا۔ فرخ کہتا ہے کہ وہ لا دے گا، رکشہ والا اس کا استاد ہے۔

مراد اس کا بیگ گھر دے جاتا ہے لیکن بیگ کھولنے پر اسے نرمین کا نام پتا چل جاتا ہے۔ وہ نرمین کے بہن بھائی کو پیسے دیتا ہے مونگ پھلی کھانے کے لیے۔

وہ فرخ کے گھر جاتی ہے۔ فرخ کے کمرے کے دروازے میں آٹومیٹک لاک لگا ہوا ہے، وہ بند ہو جاتا ہے۔ نرمین ایک دم چیختی ہے۔ ثمرین جو بہن کو بلانے آتی ہے اس کی چیخ سن کر گھر سے باہر نکلتی ہے، جہاں خالہ آ رہی تھیں، وہ ان کو بتاتی ہے۔

راحت جبیں

زندگی ہم سے گریزاں ہو گئے

www.pklibrary.com

منشی اکرم، انور حسین کے گھر آتا ہے جہاں نرمین کو دیکھ کر اس کی نیت پھسل جاتی ہے۔ وہ اس کو پانچ سو روپے دے کر جاتا ہے اور انور حسین سے اس کا رشتہ مانگتا ہے۔ انور حسین انکار کر دیتا ہے۔
ہوٹل میں مراد کو انور حسین ملتا ہے، وہ اسے اپنے رکشہ پر گھر چھوڑ دیتا ہے۔

pklibrary.com

www.pklibrary.com

نرمین افشاں اور ان کی امی کے ساتھ بازار جاتی ہے جوتا خریدنے، وہاں مراد اسے دیکھتا ہے وہ جس چیز کو دیکھتی ہے، ہاتھ میں لے کر وہ سب خرید کر اس کے گھر دے جاتا ہے۔

افشاں رکھ لیتی ہے لیکن نرمین ڈر کے مارے ثمینہ کو سب بتا دیتی ہے۔

مراد کاکے سے کہتا ہے کہ وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ کاکا کہتا ہے کہ وہ اور منشی رشتہ لے جائیں گے۔

ملک صاحب کی بیٹی کی شادی میں پھاتا اور رشیداں کام کر رہی ہیں۔

ثریا کو تھرکتا دیکھ کر رشیداں کو غصہ آیا ہے۔

نرمین پانچ سو کی ٹیوشن پڑھانے لگتی ہے۔ انور حسین ثمینہ کے منع کرنے کے باوجود اجازت دے دیتا ہے۔ وہ نمبردار کے گھر بھی ہو آتا ہے۔

ثریا ملک صاحب کے گھر سے کھانا چوری کر کے لے کر آتی ہے۔ وہاں اس کی ملاقات بشیر سے ہوتی ہے۔

رشیداں کو ملک صاحب کے گھر سے چاول ملتے ہیں۔ رفیق اسے گالیاں بکتا ہے۔

مراد کو بخار ہو جاتا ہے۔ کاکا اسے دیکھنے آتا ہے اور مشورہ دیتا ہے کہ اسے اب شادی کر لینی چاہیے۔ وہ انور حسین کی بیٹی نرمین کا کہتا ہے۔ کاکا رشتے کے لیے منشی کو لے جانے کا بھی کہتا ہے۔ منشی ہامی بھر لیتا ہے۔

مراد اور کاکا، انور حسین کے گھر منشی کا انتظار کر کے چلے جاتے ہیں۔ منشی بھی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسے پتا چلتا ہے کہ مراد کو بھی یہیں آنا تھا تو وہ انور حسین سے کہتا کہ تو نے یا تیری بیٹی نے مراد کو پھنسایا ہے۔

مراد منشی کو گھونسا مارتا ہے۔ اس کی ناک سے خون نکلتا ہے۔ کاکا زبردستی مراد کو لے جاتا ہے منشی بھی دھمکیاں دیتا چلا جاتا ہے۔

مراد فرخ کو بتاتا ہے کہ وہ نرمین کے لیے رشتہ لے گیا تھا۔ اور منشی کا بھی بتایا ہے۔ فرخ صدمے سے وہاں سے آ جاتا ہے۔

ثریا بشیر سے ملنے باغ میں جاتی ہے وہ دوبارہ رشتہ لانے کی بات کرتا ہے۔

رشیداں ثریا کے لیے رشتہ دیکھتی ہے وہ لوگ آئے بیٹھے تھے کہ ثریا بشیر سے مل کر آتی ہے وہ انکار کر کے چلے جاتے ہیں۔ افشاں نرمین کو زبردستی مراد کی گلی سے لے کر آتی ہے مراد کے ملنے پر اسے خوش خبری سناتی ہے کہ نرمین کے ابا مراد کو ہاں کہنے والے ہیں۔

فرخ اپنی ماں سے نرمین کی بات کرتا ہے وہ اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیتی ہیں۔ وہ غصے میں نرمین کے گھر جاتا ہے جہاں افشاں اسے نرمین کی شادی کی خبر سناتی ہے۔

منشی انور حسین سے پورے پیسے دینے کا کہتا ہے۔ وہ پریشان گھر آتا ہے ثمینہ اسے کہتی ہے کہ فوراً مراد سے نرمین کا نکاح کر دو، انور حسین منشی سے کچھ وقت مانگ لیتا ہے۔

رفیق رشیداں سے کہتا ہے کہ اسے اسپتال لے جائے۔ کیوں کہ اس کے زخم پک رہے تھے۔ نرمین ٹیوشن پڑھانا چھوڑ دیتی ہے۔ مراد گھر پہنچتا ہے تو اس کا سامان باہر پڑا ہوتا ہے۔

کاکا اس کے گھر میں رنگ و روغن کروا دیتا ہے۔ فرخ نرمین کو مراد سے شادی نہ کرنے کا کہتا ہے۔ نرمین اسے گھر سے بھگا دیتی ہے۔ دروازے پر مراد آتا ہے۔ اس وقت ثمینہ اور افشاں کی امی بھی آ جاتی ہیں۔ مراد بچوں کے لیے سیرالے کر آتا ہے۔ ثمینہ کہتی ہے کہ نرمین وہ تیرا بہت خیال رکھے گا، بڑے دل والا ہے۔ وہ ثمینہ سے نرمین کو بازار لے جانے کا کہتا ہے۔ افشاں اور اس کی امی کے ساتھ ثمینہ، نرمین کو بھیج دیتی ہے۔ اسی دوران منشی آ جاتا ہے، ثمینہ اسے دروازے سے ہی ٹرخا دیتی ہے۔ منشی کو گلی سے نکلتے ہوئے مراد کا رکشہ نظر آتا ہی، وہ انتقامی کارروائی کا سوچتا ہے۔

www.pklibrary.com

رشیداں کے ٹوکنے پر شریا اس پر گرم چائے پھینک دیتی ہے۔ رفیق کے زخم سڑ جاتے ہیں۔ رشیداں اس کے بھائی کو بلاتی ہے، وہ اسے لاہور لے جاتا ہے لیکن رفیق مر جاتا ہے۔

نرمین کے گھر میں بارات کے استقبال کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ نرمین دلہن بن چکی تھی۔ انور حسین بارات کا انتظار کر رہا تھا کہ کاکا آ کے بتاتا ہے کہ مراد کو پولیس پکڑ لے گئی۔

چھٹی قسط

جہاں جہاں کاکے کی آواز گئی، وہیں سب بت بن گئے تھے۔

''پ..... پولیس.....'' انور حسین کے لبوں سے اگلے الفاظ نہ نکلے۔ جیسے کسی نے دونوں ہاتھوں میں گردن دبوچ لی ہو۔ باورچی خانے میں ثمینہ کے ہاتھ سے اسٹیل کا گلاس چھوٹا اور ٹن ٹن بجتا جا کر چولہے سے ٹکرایا۔ خود وہ لڑکھڑا کر دیوار سے جا لگی تھی۔

''پاگل ہو گیا ہے، مراد کا پولیس سے کیا تعلق؟''

کاکے نے اب وہاں بیٹھے منشی کو دیکھا تو ٹھٹک سا گیا۔

''منشی صاحب! آپ یہاں؟''

''کیوں؟ کیا یہاں داخلہ ممنوع تھا۔ میں تو یہاں تیرے یار کی شادی میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ اب تم نئی کہانی سنا رہے ہو۔'' منشی نے بڑی تسلی سے مٹھی میں دبے سگریٹ کا لمبا کش لگایا۔

''کیا کہہ رہے ہو کاکا! پولیس مراد کو کیوں لے گئی؟'' انور حسین حواس باختہ سا بولا۔

''ابھی تو کچھ پتا نہیں، مجھے تو کسی نے بتایا ہے کہ پولیس والے زبردستی مراد کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔'' کاکے کے خود ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔

''نموآپی..... نموآپی..... مراد بھائی کو پولیس پکڑ کر لے گئی۔''

بچوں نے پھولی سانسوں کے درمیان بتایا۔ خواتین باہر لپکیں۔ اپنی سیلفی لیتی افشاں نے مڑ کر دلہن کو دیکھا۔

وہ یوں پیلی پڑ گئی تھی، جیسے کسی نے روح کھینچ لی ہو۔

''نرمین.....!''

افشاں کی آواز سے اس کے مردہ اعصاب جھنجھنا گئے۔ وہ شرارہ سمیٹتی تیزی سے دروازہ کی طرف لپکی۔

''پولیس ایویں تو نہیں اٹھا لیتی، آخر کچھ تو کیا ہوگا؟'' منشی نے زہر اگلا۔

''منشی صاحب! تمہیں بھی پتا ہے، وہ ایسا لڑکا نہیں ہے۔ انور بھائی! چلو میرے ساتھ، ہمیں پتا کرنا ہے۔ کون سے تھانے میں ہے، کیوں لے کر گئے ہیں۔''

انور حسین کی نظر کمرے کے دروازے میں دلہن بنی کھڑی متوحش سی نرمین پر گئی تو کھڑے قد سے چارپائی پر گر گیا۔

''ابو.....'' وہ بے اختیار بھاگتی ہوئی آئی۔

نوعمری کا بانکپن، اس پر دلہے کا روپ۔

''ماشاءاللہ۔'' منشی اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ تب ہی ٹکر ٹکر باپ پر جھکی خیام کی رباعی کو لفظ لفظ حفظ کرتا رہا۔ خدیجہ خالہ کے اندر طیش کی لہر اٹھی۔ گندی نظر کی بدبو بہت دور تک جاتی ہے۔

''انور بھائی! ہمت کرو۔ اس طرح ہاتھ پیر چھوڑنے سے کچھ نہ ہوگا۔ ہمیں مراد کا پتا کرنا ہے۔'' کاکے نے

www.pklibrary.com

انور کو جھنجھوڑ دیا۔

"کاکے! میری نرمین کا کیا ہوگا؟"

"انور بھائی! پولیس لے کر گئی ہے، اسے پھانسی تو نہیں چڑھا دیا۔" کاکا جھنجھلا گیا۔

"اللہ نہ کرے۔" نرمین نے تڑپ کر کاکے کو دیکھا۔

"اوہ پگلی! کیوں فکر کرتی ہے۔" منشی نے جلتی ہوئی سگریٹ دور پھینکی اور تسلی دینے والے انداز میں نرمین کی پشت سہلائی۔

"میں ہوں نا..... دیکھ لوں گا سب....."

خدیجہ خالہ چیل کی طرح جھپٹیں، اور نرمین کا بازو کھینچ کر لے گئیں۔

منشی کھسیانا سا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

☆☆☆

وہ کب سے تھانے کے برآمدے میں لکڑی کے کھردرے بنچ پر بیٹھا تھا۔ مضطرب، بے چین..... ہر گزرتے لمحے میں غصہ بے بسی میں ڈھلنے لگا۔ وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ مگر سپاہی نہ اسے اٹھنے دیتے، نہ بتاتے کہ اسے یہاں لایا کیوں گیا ہے۔ جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"کسی کو پتا بھی نہیں ہوگا کہ میں کہاں ہوں؟ سب بارات کا انتظار کر رہے ہوں گے اور اب....." اس نے بے بسی سے کرتے کا بٹن کھولا، آستین چڑھائیں۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے اور کسی نے پانی کا گھونٹ تک نہیں دیا تھا۔

"بھائی! مجھے اتنا تو بتا دو کہ مجھے یہاں کیوں لائے ہو، میں نے کیا کیا ہے؟" وہ یہ سوال سینکڑوں بار ان سے پوچھ چکا تھا۔

"صاحب آ کر بتائیں گے۔" جواب اب بھی وہی تھا۔

"بتایا نہیں، راؤنڈ پر گئے ہیں۔" کیسا تحقیر آمیز لہجہ تھا جو اس وردی کا مرہون منت تھا۔ ورنہ اس دبلے پتلے سپاہی کو وہ ایک پھونک دے دیتا۔

صاحب کی تشریف آوری مغرب سے ذرا پہلے ہوئی۔ ایک بھی نگاہ غلط اس پر ڈالے بغیر وہ کمرے میں چلے گئے۔

"بھائی! صاحب سے بات کروا دو۔ جب میں نے کچھ کیا نہیں تو مجھے اس طرح کیوں روکا ہوا ہے۔"

"اوہ ذرا دم تو لے، ہو جائے گا تیرا فیصلہ بھی۔ ٹیس ٹیس کر کے میرا سر کھا لیا ہے۔"

"تو کیا کروں، آج میرا نکاح تھا اور میں یہاں....."

"ہیں....." سپاہی نے مڑ کر پہلی بار اسے غور سے دیکھا۔

"لڑکی بھگا کر لایا تھا۔"

"نہیں نہیں....." مراد گڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ "سب کی رضامندی سے ہو رہا تھا۔"

"بیٹھا رے اوئے۔ پھدک پھدک کر کیوں کھڑا ہو جاتا ہے۔"

ایک ایک لمحہ بھاری تھا۔

"کیا گزری ہوگی گھر والوں پر۔ انہوں نے تو یہ بھی خبر نہ ہوگی، میں ہوں کہاں؟ کم بختوں نے ایک فون تک نہیں کرنے دیا.....

اور نرمین.....!"

www.pklibrary.com

نرمین کے خیال نے یوں بے چین کیا کہ وہ تڑپ کر دوبارہ کھڑا ہو گیا۔ سپاہی نے جھنجھلا کر گالی بکنا چاہی کہ صاحب کو آتا دیکھ کر سیلوٹ مار بیٹھا۔

وردی میں ملبوس صاحب ہدایات دیتا واپس جا رہا تھا۔ اب کے مراد سے رہا نہ گیا۔

"سر! پلیز مجھے بتائیں تو یہاں کیوں بند کیا ہے؟ آخر میں نے کیا کیا ہے۔"

صاحب نے رک کر مراد کو غور سے دیکھا پھر سپاہی سے پوچھا۔

"اسے کس چکر میں لائے ہیں؟"

سپاہی نے بصد احترام جھک کر صاحب کے کان میں سرگوشی کی۔ صاحب نے ہنکارا بھر کے مراد کو سرتاپا دیکھا۔ مراد کے رگ و پے میں بے چینی سرایت کر گئی۔

"ٹھیک ہے..... بند کروا سے، صبح دیکھتے ہیں۔"

"سر! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میری بات تو سنیں، میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ مجھے اس طرح بند نہیں کر سکتے۔" مراد چلا اٹھا۔ ادھوری رہ جانے والی گریجویشن کی ڈگری اس کے اندر بولنے لگی، اپنے حقوق شدت سے یاد آئے۔

"اسے بتاؤ، یہ اپنی بارات میں نہیں کھڑا۔ یہ تھانہ ہے تھانہ....."

سپاہی اسے دبوچ کر اندر لے گئے اور ایک کمرے میں بند کر دیا۔

حوالات نہیں کمرے میں۔ یہ تھانہ صدر نہیں تھا۔ ذیلی علاقے کی چھوٹی سی برانچ تھی۔ جو ایک گھر کو کرایے پر لے کر بنائی گئی تھی۔

مگر مراد کا علاقہ تھانہ صدر کی حدود میں تھا۔ پھر اسے یہاں کیوں لایا گیا۔

☆☆☆

دل کے چرخے پر ابھی رو پہلے خواب کاتنے شروع ہی کیے تھے کہ دھاگا ٹوٹ گیا۔ وہ ٹوٹے دھاگے کا سرا ہاتھ میں پکڑے حیران پریشان تھی۔ ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی مگر ہلنے کا یارا نہ تھا۔ اس کی بارات نہیں آئی تھی۔

افشاں نے بمشکل اسے کپڑے بدلنے پر آمادہ کیا۔ ہاتھ منہ دھلایا۔ بچوں نے اسی خوشی میں جلیبیاں سموسے اور بریانی کھائی اور نئے کپڑے بدلے بغیر سو گئے کہ ابھی ان کی نمو آپا انہیں چھوڑ کر نہیں جا رہی۔ رات نے اپنا دامن سمیٹا تو چڑیوں کی معصومانہ چہر..... چوں..... چوں نے آنے والے دن کی روشنی کے ساتھ اٹکھیلیاں شروع کر دیں۔

ثمینہ نے کروٹ موڑ کر انور حسین کو دیکھا۔ وہ ساری رات ایک پل کو نہیں سویا تھا۔

"چائے لاتی ہوں۔" دکھتے وجود کو سمیٹ کر ثمینہ اٹھی اور قدم گھسیٹتے کچن تک آتے اس کے نتھنوں سے چائے کی خوشبو ٹکرائی۔ وہ دروازے کی طرف پشت کیے چائے پیالیوں میں نکال رہی تھی۔

"میں بنا لیتی۔"

"بن گئی ہے۔ ابو جی کو دے آئیں۔" اس نے دو پیالیاں ٹرے میں رکھیں۔ کھڑی ہوئی اور ٹرے ماں کی طرف بڑھاتے نظر نہیں اٹھائی تھی مگر ماں نے اسے غور سے دیکھا۔ کل دلہن بن کر کیسی شہزادی لگ رہی تھی اور آج پیلی پھٹک ہو رہی تھی۔

ٹرے پکڑتے ہاتھ لرز گئے تو نرمین نے ٹرے سنبھال لی۔

"وہ آ جائے گا..... پولیس کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" ثمینہ نے نرمین سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

www.pklibrary.com

''کیا پتا؟ ہم کون سا اسے اس طرح جانتے ہیں۔'' دل نے بہت زور سے چٹکی کاٹی۔

وہ اپنی پیالی لے کر کمرے میں آ گئی۔ بچے ایک دوسرے سے چمٹے سو رہے تھے۔ وہ اپنے پلنگ کی طرف آئی جس کی پشت پر اس کا شرارہ سوٹ بے یار و مددگار پڑا تھا۔ نرمین نے آہستہ سے اس کی کامدار سبز پٹی کو چھوا، اس سے کہیں زیادہ نرمی سے مراد نے اس کا کندھا چھو کر اس کی پسند پوچھی تھی۔

نرمین نے گھبرا کر دوپٹا چھوڑ دیا۔

غریب کی بیٹی کو خوشیاں راس نہیں آتیں۔ تقدیر نے ثابت کر دیا تھا۔

☆☆☆

صحن میں منشی بشیر کی مکروہ آواز دھمال ڈال رہی تھی۔ وہ آج بھی اپنے ساتھ بہت کچھ لایا تھا حالانکہ اس کے لائے سامان کو ابھی تک کسی نے آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا تھا۔

''بندہ رشتہ کرنے سے پہلے کچھ آگا پیچھا ہی دیکھ لے۔ بس اکیلا لڑکا دیکھا اور پھسل گئے۔ اب پتا نہیں تم پھسلے تھے یا تمہاری بیٹی۔''

انور حسین تڑپ گیا مگر سر نہ اٹھا سکا۔ منشی سرہانہ بغل تلے دبائے چارپائی پر بیٹھا گویا اس کی حالت سے حظ اٹھا رہا تھا۔

پلنگ پر بیٹھی نرمین نے ماں کو دیکھا۔ وہ دروازے کے ساتھ لگی انگلیاں مروڑتی منشی کے لفظوں کا زہر پی رہی تھی۔ نرمین کے پاس بیٹھی خدیجہ خالہ نے دانت پیستے منشی کو کئی گالیوں سے نوازا۔

''جلد بازیوں کے انجام دیکھ لیے نا۔''

''وہ ایسا لڑکا نہیں تھا۔'' انور بڑبڑایا۔

''تب ہی موٹر سائیکل چوری کرتا تھا۔''

نرمین نے سہارے کے لیے خدیجہ خالہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''سب پتا کروالیا ہے۔ ساری رات پھرتا رہا ہوں۔ پولیس تو نجانے کب سے اس کے پیچھے تھی اور پتا نہیں کون کون سی وارداتیں کی ہوں گی اور شکر کرو، بیٹی کا ابھی نکاح نہیں ہوا تھا۔ ایسے انجان لوگوں کا کیا پتا۔ نکاح کر کے لے جاتا اور آگے کہیں بیچ دیتا۔''

منشی کی آواز دانستہ بلند ہوئی اور شمینہ کے قدموں سے زمین کھینچ کر لے گئی۔ نرمین نے لپک کر ماں کو سہارا دے کر بٹھایا۔

''کاکے نے بڑا یقین دلایا تھا۔'' انور حسین کی آنکھوں کی بے بسی چہرے پر بہنے لگی۔

''اس ہوٹل والے کی بات پر اعتبار کر لیا۔ جس ہوٹل پر رات بھر جوا کھیلا جاتا ہے۔'' منشی نے کاکے کو موٹی سی گالی دی۔

''اب بتا تیرے ہاتھ کیا آیا؟ لڑکی کی بدنامی، جگ ہنسائی۔ اب کون بیاہنے آئے گا۔ جب لوگوں کو پتا چلے گا کہ لڑکی کی تو بارات ہی نہیں آئی۔ تیری بیٹی کے بارے میں باتیں ہوں گی۔ یہ کون پوچھے گا کہ لڑکا بدمعاش تھا۔''

انور حسین نے اکڑوں بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈھانپ لیں۔ اس کا جسم ہچکولے کھا رہا تھا۔

''چہ..... چہ.....'' منشی نے مصنوعی تاسف سے انور حسین کو اور پھر کمرے کی طرف دیکھا۔ جہاں کہ آہٹیں، بڑبڑاہٹیں اور سسکاریاں بتاتی تھیں، تیر ضرورت سے زیادہ نشانے پر جا لگا ہے۔ رقص بسمل جاری تھا۔ بس بسم اللہ پڑھ کر چھری پھیرنے کی دیر تھی۔ منشی نے بسم اللہ پڑھ کر چھری انور حسین کی گردن پر رکھ دی۔

www.pklibrary.com

''مجھے تیرا احساس ہے انور۔'' وہ انور کی طرف جھکا۔ ''مان جا..... میں اب بھی تیری عزت ڈھانپ دوں گا۔''

انور نے ہاتھ ہٹا کر منشی کو بے بسی سے دیکھا۔

منشی نے انور کے کندھے سے صافہ اٹھا کر انور کے آنسو صاف کیے۔

''اب بھی تیری بیٹی سے نکاح کے لیے تیار ہوں۔ بس تو ہاں کہہ دے، پانچ منٹ میں سارا انتظام ہو جائے گا۔''

انور حسین کا جسم سُن سا ہو گیا۔ اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہ بچا تھا۔

☆☆☆

''کاکا! یہ سب جھوٹ ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ تو مجھے جانتے ہیں۔ میں نے تو زندگی میں کبھی کوئی چیز نہیں چرائی۔ یہ سب میرے خلاف سازش ہے۔''

حیران پریشان، متوحش سے مراد کی آنکھیں رتجگے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ صاحب ابھی تھانے تشریف نہیں لائے تھے اور سپاہی کو چار پیسے دے کر یہ ملاقات ممکن ہوئی تھی۔

''یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ عین نکاح سے پہلے مجھے اٹھوایا گیا ہے۔'' کاکے نے تلخی سے کہا۔

''مگر کیوں؟ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔'' مراد جھنجھلا گیا اور دوسرے لمحے کچھ کلک ہوا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ اس نے کس کا کیا بگاڑا ہے۔ اس نے بے یقینی سے کاکے کو دیکھا۔

کاکے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں اس منشی کی جان لے لوں گا۔''

''چپ..... پہلے ہی تھانے میں بیٹھے ہو۔'' کاکے نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا۔

''وہ اتنی گھٹیا حرکت کیسے کر سکتا ہے؟'' مراد نے دانت پیسے۔

''کیونکہ وہ خود گھٹیا ہے۔ کل سے انور کے گھر کے پھیرے ختم نہیں ہو رہے۔''

کاکے نے نفرت بھرے لہجے میں کہا تو مراد نے بے چینی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

''کاکا کچھ کریں، انور کے گھر جائیں، اسے سمجھائیں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ لوگ زیادہ دیر مجھے یہاں بند نہیں رکھ سکیں گے۔ انہیں بتائیں یہ سب منشی نے کیا ہے۔''

''تو فکر نہ کر، میں کچھ کرتا ہوں۔ ابھی ان کم بختوں نے پیسے کھائے ہیں۔ اس لیے کوئی بات نہیں سن رہے۔''

''کچھ نہ کریں، بس نرمین کے گھر جائیں۔ انہیں بتائیں کہ میں بے گناہ ہوں۔ بہت جلد واپس آؤں گا۔ کہیں..... کہیں وہ لوگ مجبور نہ ہو جائیں۔''

کاکا، مراد کو ڈھیروں تسلیاں دیتا انور کے گھر آیا۔

مگر اسے دیر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

نیم کے درخت پر کوّے شور مچا رہے تھے اور یہ اس گھر کی واحد آوازیں تھیں جو گھنی خاموشی میں چھید کر رہی تھیں۔ ثریا کمرے سے باہر آئی، اس نے جوڑا بدل لیا تھا۔ بال بھی بنا لیے تھے اور باپ کی تازہ تازہ موت کے احترام میں لپ اسٹک نہیں لگائی تھی۔ ثریا نے چور سی نظروں سے نیم کی چھایا میں بچھی چارپائی پر لیٹی رشیداں کو دیکھا۔ سفید دوپٹا اس کے منہ پر تھا۔ پاس پیڑھی پر بیٹھی چارپائی سے ٹیک لگائے افصی نے آج بہت دنوں کے

www.pklibrary.com

بعد اردو کی کتاب کھول لی تھی۔

"حق ہا..... ابا کیا گیا۔ گھر کی ساری رونق ہی لے گیا۔"

ثریا نے بآواز بلند کہا تو اقصیٰ نے اپنی ہنسی کتاب میں چھپالی۔ رفیق کی آہ و بکا ثریا کو رونق لگنے لگی تھی۔ یعنی مرحوم اچھا انسان تھا۔ ثریا نے دوپٹا کھول کر اوڑھا، اقصیٰ چونکی ہوئی۔ رفیق کے نویں کے ختم کے بعد وہ پہلی بار گھر سے نکلنے کو تیار تھی۔

"آپا! کہاں جارہی ہیں۔"

"گھر بیٹھے بیٹھے میرا دماغ خراب ہورہا ہے۔ ذرا سکینہ تک جارہی ہوں اور ویسے بھی تیری ماں عدّت میں ہے۔ میں نہیں۔" جھنجھلا کر کہتی وہ دہلیز پار کرگئی۔ رشیداں نے منہ سے پلو ہٹا کر ہلتے دروازے کو دیکھا۔

"جتنا اُڑنا ہے اڑلے۔ تیرے پر کاٹنے کا انتظام کرلیا ہے میں نے۔"

"اماں! ثریا آپا سکینہ کے پاس نہیں گئیں۔" اقصیٰ نے مڑ کر ماں کو دیکھا۔

"جانتی ہوں۔"

"میں نے سنا تھا، وہ فون پر کہہ رہی تھی کہ دوپہر میں ملنے آؤں گی۔"

"اس کے پاس موبائل کہاں سے آیا؟" رشیداں نے کروٹ لی، ہاتھ سے سر کو سہارا دیتے کہنی کے بل اونچی ہوئی۔

"ابا کا موبائل اسی کے پاس ہے۔" اقصیٰ نے شکایتی انداز میں کہا۔ "ابا کی ہر چیز پر اسی کا قبضہ ہے۔"

"اس کی بیٹی جو ہوئی۔"

"ابا کے صندوق کا تالا بھی توڑ دیا تھا آپا نے۔" اقصیٰ نے اپنے تئیں دھماکا کیا۔

"اندر سے کیا نکلا؟" رشیداں نے بغیر چونکے پوچھا۔

"مجھے کیا پتا؟ مجھے تو کمرے سے نکال دیا تھا۔"

"چل، اچھا۔ جو کرتی ہے کرنے دے۔ چار دن اور آزادی منالے..... پھر تو؟"

"پھر تو....." اقصیٰ کو ماں کا لہجہ بھید بھرا لگا۔ رشیداں نے جواب نہیں دیا۔ سیدھی لیٹ کر چھدری شاخوں پر اُگتی نئی کونپلوں کو دیکھتی رہی۔ ایسی ہی کونپلیں اس کے اندر بھی پھوٹ رہی تھیں۔ جیسے اچانک سورج نکلنے اور ساری دھند چھٹ جائے۔ ایسی ہی اس کے دل و دماغ پر چھائی دھند چھٹی تھی۔ وجود پر جما کہرا پگھل گیا تھا۔ وہ کھل کر سانس لے سکتی تھی۔ کھل کر علی بخش کو یاد کرسکتی تھی۔ وہ ہلکا سا احساس جرم جو علی بخش کو یاد کرتے اس کے دل میں خودرو جھاڑی کی طرح اُگ آتا تھا کہ وہ رفیق کے ہوتے علی بخش کو یاد کیوں کرتی ہے، اب ناپید تھا۔

"اماں! میں پرائیوٹ پڑھ لوں۔"

"پڑھ لے۔"

"کتابیں لے دوگی؟" اقصیٰ نے بڑی آس سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں۔" رشیداں مسکرائی۔ اس کے میکے والے آئے تھے۔ اور رواج کے مطابق اس کی ہتھیلی پر کچھ روپے دھر گئے تھے۔ بھابی..... بھائی..... چاچے مامے.....

برادری کے اور لوگ..... پانچ پانچ سو، ہزار کے نوٹ..... ختم کا سارا انتظام تو شفیق نے اپنے بھائی کے لیے کردیا تھا۔ وہ اپنے پاس جمع پیسوں سے اقصیٰ کو کتابیں لے دے گی اور داخلہ فیس..... وہ تو محنت مزدوری کرکے جمع کرہی لے گی۔

"ہائے کٹائی کا موسم سر پر ہے۔ یہ عدت کا سیاپا نہ ہوتا تو سال بھر کے دانے ہی جمع کرلیتی۔ پر مولوی

www.pklibrary.com

صاحب نے کہا ہے، عدت مرے ہوئے شوہر کا حق ہوتا ہے۔ چل رفیق! تیرا یہ حق بھی اتاروں۔'' ماں خود سے باتوں میں مگن ہوگئی تھی۔

''اماں! میں سدرہ سے پتا کروں، کون کون سی کتابیں لینی ہیں۔'' اقصیٰ نے زور سے بازو ہلایا۔ تین گھر چھوڑ کر سدرہ نے ایف ایس سی میں داخلہ لیا تھا۔

''نہیں، اکیلے مت جانا۔ کوئی آئے گا تو ساتھ بھیج دوں گی۔''

رشیداں نے سختی سے منع کیا۔

''ساری پابندیاں میرے لیے ہیں۔'' اقصیٰ غصے میں اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اس بات پر تو سارا گاؤں حیران ہوتا تھا۔ رشیداں خود تو گھر گھر جا کر کام کرتی، مرگ و شادی بھگتاتی۔ مگر کبھی اقصیٰ کو گھر سے نکلنے نہ دیا۔ اقصیٰ کبھی احتجاج کرتی تو وہ مسکرا دیتی تھی۔

''تو رفیق کی نہیں علی بخش کی بیٹی ہے۔ جب تک مرا نہیں تھا اس نے مجھے بھی گھر سے نکلنے نہ دیا۔ وہ کہتا تھا رزق بانٹنے کے لیے اور بیٹیاں سنبھال کر رکھنے کے لیے ہوتی ہیں۔ رزق کو کسی اور کا ہاتھ لگے تو بڑھتا ہے، مگر بیٹیاں انہیں کوئی چھو جائے تو قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔''

☆☆☆

آغاز بہار کے دن تھے۔ آم کے درخت بور سے لد گئے۔ ان میں چھپی کوئل کی کوک آنے والے موسموں کا سندیسہ سناتی۔ پکے ہوئے شہتوت ٹپ ٹپ سبز گھاس پر گرتے۔

دونوں باغ کے ساتھ گزرتی ندی کے پاس گھاس پر بیٹھے تھے۔ پاس ہی لیموں کی گھنی جھاڑی تھی، جس میں کچے پکے لیموؤں کی مہک آتی تھی۔

''اب تو کوئی رکاوٹ نہیں ثریا!''

ثریا نے بے حد حیرت سے بشیر کو دیکھا۔

''مجھے لگا تم ابے کی تعزیت کرنے آئے ہو۔''

''ہوگئی..... اب یہی کرتا رہوں۔ اپنی ماں سے کہو ہمارا نکاح پڑھوا دے۔''

''وہ میری ماں نہیں ہے۔''

''ایک بار نکاح پڑھوا دے، پھر بھلے مڑ کر شکل نہ دیکھنا۔''

''کس کی..... تمہاری؟'' ثریا ہنسی۔

''چل میری شکل نہ دیکھنا، نکاح کی بات تو کر۔'' بشیر بھی مسکرایا۔

''وہ مان جائے گی۔'' ثریا نے تذبذب سے بشیر کو دیکھا۔

''جی جان..... تم سے جان چھوٹے گی اسے اور کیا چاہیے؟'' بشیر نے گھاس کا تنکا توڑا۔

''نکاح کے بعد رکھے گا کہاں؟'' ثریا نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

''جہاں تمہارا دل چاہے۔''

''میں نے یہاں نہیں رہنا۔'' ثریا کی نظروں نے جھاڑی میں چھپے شہد کے چھتے کو دیکھا۔ یہاں بدنامی کی ان گنت مکھیاں ہمہ وقت اس کے وجود کو ڈنگ مارتی رہتی تھیں مگر وہ یہ بات بشیر سے نہیں کہہ سکتی تھی۔ وہ تو دو دن کے لیے گاؤں آتا تھا اور چلا جاتا تھا۔

''لاہور چلے چلیں گے۔'' بشیر نے لاپروائی سے تنکا دانت میں دبایا۔

''لاہور میں تمہارا گھر کیسا ہے؟'' ثریا نے اشتیاق سے پوچھا۔

www.pklibrary.com

''اچھا ہے۔فرش پر ٹائلیں لگی ہیں۔''
''اچھا، پھسلنے والی۔جیسی ملکوں کے گھر ہیں۔'' ثریا کے لہجے میں اشتیاق در آیا۔
''بس اسی سے ملتی جلتی۔اتنی ہی ملائم جتنے تیرے گال ہیں۔'' وہ پھسل گیا۔ملائم ٹائلوں پر اکثر قدم پھسل ہی جاتے ہیں۔ملکوں کی حویلی میں ثریا کو یہ تجربہ کئی بار ہوا تھا۔

☆☆☆

رشیداں نے تنور میں بالن جھونک دیا۔
چولہے کے پاس آٹا گوندھتی اقصیٰ نے بے زاری سے ماں کو دیکھا۔
''اماں! چار روٹیاں ڈالنی ہیں۔یہیں توے پر ڈال لیں گے۔''
''میرا جی چاہ رہا ہے، تندوری روٹی حلوے کے ساتھ کھانے کو۔''
''حلوہ......'' اقصیٰ زیر لب بڑبڑائی، جیسے جیسے رفیق کی موت کو دن گزر رہے تھے، ویسے رشیداں کی خواہشیں جاگنے لگی تھیں۔شاید وہ من مار۔ تے مارتے تھک گئی تھی۔
ذرا دیر میں فضا میں سوجی بھوننے کی خوشبو پھیلنے لگی۔
''اماں! آپا اب تک نہیں آئی۔'' اقصیٰ نے آٹا تنور کے پاس رکھ کر گلابی ہوتی شام کو دیکھا۔پرندوں کی ڈاریں واپسی کا سفر شروع کر چکی تھیں۔
حلوے میں چاشنی مکس ہونے لگی۔
''اس دن میں نے حلوہ بنا کر رکھا تھا۔اندر گری (ناریل) بھی ڈالی تھی۔سوچا تھا، مراد آئے گا تو حلوہ دیکھ کر خوش ہو جائے گا مگر......''
اس نے چولہے سے جلتی لکڑی باہر کھینچ لی۔
ایک چنگاری اڑ کر ہاتھ کی پشت پر پڑی۔
رشیداں نے تیزی سے ہاتھ جھٹکا۔
''مگر......؟''
''وہ آیا ہی نہیں۔'' رشیداں نے پشت پر بنے سرخ نشان کو دیکھا۔
''آپا آ گئی ہیں۔'' اقصیٰ کی توجہ اندر آتی ثریا کی طرف ہو گئی۔
رشیداں نے پانی کا چھینٹا مار کر آگ بجھائی۔
ثریا اس کے پاس آ کھڑی ہوئی اور بے وجہ ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔
''سوکھا آٹا لے آ یہاں اقصیٰ! میں روٹی ڈال لوں۔'' رشیداں گھٹنوں پر بوجھ ڈال کر کھڑی ہوئی تو ثریا کے چہرے پر نگاہ گئی۔
''کیا بات ہے؟'' رشیداں نے تعجب سے پوچھا۔حلوے کو دیکھ کر اب تک اسے کئی طعنے مار دینے تھے۔وہ چپ کیوں تھی؟
''نکاح پڑھوا دے میرا۔اب تم سے ہی کہوں گی۔'' نظریں چراتی مدھم لہجے میں بولتی کتنی اوپری لگ رہی تھی۔
''باپ کا کفن تو میلا ہونے دے۔'' رشیداں تنور کے پاس آ گئی۔
''میری زندگی میلی ہو رہی ہے۔'' ثریا نے دانت پیسے۔
''غلطی کس کی ہے؟'' رشیداں نے تنور میں جلتی آگ کی تپش کا اندازہ لگایا۔

www.pklibrary.com

''میری بات سن۔ میرے صبر کی حد ہوگئی ہے۔'' ثریا نے دانت پیسے۔
''صبر ہی تو نہ کیا تو نے۔'' رشیداں نے تاسف سے دیکھا۔ ''چل ٹھیک ہے جیسے تیری مرضی۔ نکاح پڑھوادوں گی تیرا۔''
رشیداں مبہم سا مسکرائی۔
ثریا اس کے یوں مان جانے پر ہکا بکا رہ گئی۔ حیران تو سوکھا آٹا لے کر آتی اقصیٰ بھی رہ گئی تھی۔
''اب کھڑی منہ دیکھتی رہے گی، جا حلوہ پلیٹوں میں نکال۔''
ثریا خوشی خوشی مڑ گئی۔
''اماں! تو نے بتایا نہیں، یہ حلوہ آپا کی تاریخ پکی ہونے کی خوشی میں بنایا تھا۔'' رشیداں مسکرا مسکرا کر آٹے کے پیڑے بناتی رہی۔

☆☆☆

''بول دے انور! اب بھی تیرے سارے مسئلے اپنے کندھے پر لینے کو تیار ہوں۔''
انور نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔
''کیا کرتا ہے یار!'' منشی نے کندھوں سے پکڑ کر اسے اپنے سامنے بٹھایا۔
''میں تمہیں عزت دیتا ہوں مگر تمہیں راس ہی نہیں آتی۔ سوچ نا۔ لڑکی کی کتنی بدنامی ہوگئی ہے۔ اب کہاں سے ملے گا اچھا رشتہ۔ اچھا تو ایک طرف رشتہ ہی مل جائے تو بڑی بات ہے۔''
''منشی صاحب! دکان رکھ لو، میری بیٹی کو بخش دو۔''
منشی کی تیوری چڑھ گئی۔
''اب تو یہ ممکن نہیں..... یا اس کا نکاح مجھ سے ہوگا نہیں تو کسی سے نہ ہونے دوں گا۔ اتنا بدنام کروں گا کہ.....'' منشی کا خباثت بھرا لہجہ مزید شر انگیز ہوا۔
انور حسین کو لگا، اسے ہاتھ پیر باندھ کر منشی کے قدموں میں پھینک دیا ہے۔
''نہ کریں منشی صاحب!'' وہ بلک اٹھا۔
''تو پھر تیار ہو جا۔'' وہ انور کے کان پر جھکا۔ ''اپنے کبھی نہ ہونے والے داماد کے ساتھ جیل کا مہمان بننے کے لیے۔ وہ تو چھوٹے موٹے مقدمے میں گیا ہے۔ تجھے تو منشیات کے الزام میں بھیجوں گا۔ کیا سمجھے؟''
انور حسین کی ساری سمجھ رخصت ہوگئی۔ وہ ٹکر ٹکر اس کی شکل دیکھتا رہا۔
''پیچھے سوچ۔ ان سب کا کیا ہوگا۔'' منشی نے آنکھ سے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
انور حسین ہنوز اسی کیفیت میں اسے دیکھتا رہا۔
''میں ایک گھنٹے میں مولوی کو لے کر آتا ہوں۔'' وہ اس کے کان میں آگ پھونکتا رہا۔
انور حسین نے سود و زیاں کا حساب شروع کر دیا۔
اس نے اپنی غربت پر لعنت بھیجی۔
اپنی بے بسی سے نفرت کی۔
اپنے باقی بچوں کے مستقبل سے ڈر گیا۔ خود کو گالیاں دیتے دیتے نجانے کیسے بلا ارادہ انور حسین کی گردن اثبات میں ہل گئی۔
منشی اطمینان کا سانس لے کر سیدھا ہوا۔ خوف کی جو فضا وہ بنانا چاہتا تھا، وہ پوری طرح انور حسین پر حاوی ہوگئی تھی۔

www.pklibrary.com

''فکر نہ کر۔ تیری نرمین کے صدقے اس گھر کی قسمت بدل دوں گا۔'' اس نے انور حسین کا کندھا دبایا۔ خوشی سے اس کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

''بس ابھی آتا ہوں اور ہاں، مکرنا نہیں۔ ورنہ تیرے سمیت پورے گھر کو تھانے کی سیر کروادوں گا۔'' وہ دھیمے سروں میں سنگین دھمکی دیتا بناپیے جھومتا جھامتا وہاں سے چلا گیا۔

انور حسین کے اندر اگر کسی سوچ نے انگڑائی لی بھی تو منشی اکرم اسے اپنے پیروں تلے کچلتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

پوری رات بشیر کے ساتھ موبائل پر بات کرنے کے بعد ثریا دن چڑھے تک سوتی رہی۔

''بس ٹکٹ کٹوا لینا، نکاح ہوتے ہی ہم لاہور نکل جائیں گے۔''

''اتنی بے چینی.....'' بشیر نے چھیڑا۔

''مجھے تمہارے رشتے داروں کے گھر نہیں رہنا۔'' اس نے منہ بنایا۔

''تمہیں بھی پتا ہے میں گاؤں ان سے ملنے نہیں، صرف تمہاری خاطر یہاں آتا ہوں۔''

ثریا مغرور ہوگئی۔ بشیر کے رشتے دار اسے کس نظر سے دیکھتے تھے، وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

ساری پلاننگ کے بعد وہ کہیں اذانوں کے قریب سوئی، اس لیے اسے اندازہ ہی نہ تھا۔ رشیداں اس کے لیے کیا انتظام کر چکی تھی۔ وہ عدت میں تھی۔ پھر بھی ثریا کا نکاح کر رہی تھی۔ مردوں اور بارات کے آنے سے پہلے پہلے اسے سارے انتظام کر کے کمرے میں گھس جانا تھا۔ باقی کا کام ہمسائی دیکھ لیتی۔

کوئی دن چڑھے ثریا نے کمرے سے نکلتے بھر پور انگڑائی لی۔ مگر انگڑائی درمیان میں ہی ٹوٹ گئی۔ صاف ستھرا صحن..... صحن میں بچھی چارپائیاں۔ چارپائیوں پر بچھے سفید کھیس اور سرہانے..... وہ حیران ذرا آگے ہوئی..... چھوٹے سے باورچی خانے میں اقصیٰ برتن صاف کر رہی تھی۔ اس نے کونے میں دھرے پتیلے دیکھے۔ باہر والے چولہے سے سب پک پکا کر باورچی خانے میں آگیا تھا۔

''خیر تو ہے..... چالیسویں کا ختم تو ہوگیا..... پھر یہ سب کیا ہے؟'' وہ آگے ہو کر پتیلے کا ڈھکن ہٹانے لگی۔ پلاؤ کی اشتہا انگیز خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ دوسرے میں کھیر تھی۔ جس میں چھوہارے ڈالے گئے تھے۔ اقصیٰ نے بے حد غصے سے اسے دیکھا۔ اماں نے آج جتنا خرچہ کیا تھا لگتا تھا اس کی کتابیں اب نہیں خریدی جائیں گی۔

''تمہارا چاچا آرہا ہے۔'' رشیداں شیشے کے گلاس اٹھائے باورچی خانے میں آئی۔ یہ گلاس سنبھال کر کمرے میں شوکیس میں سجا کر رکھتی تھی۔

''چاچا کے آنے پر اتنا اہتمام۔'' ثریا نے بھنوئیں اچکائیں۔

''تیرا رشتہ پکا ہو رہا ہے۔ رفیق کے بعد وہی تو والی وارث ہے۔''

''اچھا۔'' ثریا نے خوش گوار حیرت کے ساتھ رشیداں کو دیکھا۔

''آپا اب کیوں نہیں طعنے دیتی کہ میرے باپ کے مرے کو دن کتنے ہوئے ہیں۔'' اقصیٰ سے رہا نہ گیا۔ تو تاک کر وار کیا۔

''چپ کر شتونگڑی، کتنی باتیں کرنی آگئی ہیں۔'' ثریا نے ڈانٹا۔

''چپ تو تم ہو جاؤ جب پتا چلے گا کہ.....''

''اقصیٰ!'' رشیداں نے آنکھیں نکالیں۔ ''یہ گلاس صاف کر اور ثریا تو جا..... اندر جا کر کپڑے بدل لے۔ کمرے میں پڑے ہیں۔''

www.pklibrary.com

"ٹھیک ہے......" ثریا کہتی، چہکتی اندر کی طرف چلی، آج تو رشیداں پر بھی پیار آ گیا تھا۔ پہلی بار اس عورت سے نفرت کم محسوس ہوئی۔ کمرے میں عین سامنے پلنگ کے اوپر سوٹ رکھا تھا۔ آتشی گلابی گوٹے کناری والا سوٹ۔

ثریا بھونچکی رہ گئی۔ رگ رگ میں غم وغصہ سرایت کر گیا۔

رشیداں نے اس کے ساتھ یہ کیسا مذاق کیا تھا۔ یہ سوٹ اس کی پہلی شادی کا تھا...... ثریا نے ادھر ادھر گردن گھمائی۔ شاید اسے مغالطہ ہوا ہو۔ رشیداں نے کسی اور سوٹ کی بات کی ہو مگر وہاں اس کے سوا اور کوئی سوٹ نہ تھا۔

اسے بے دریغ گالیاں نکالتے ثریا نے جھپٹ کر سوٹ اٹھایا۔

"اسی کا پھندا بنا کر میں نے تجھے نہ لٹکایا تو میرا نام ثریا نہیں۔"

باہر رسولاں، رشیداں کو آوازیں دیتی گھر میں داخل ہوئی۔

"بڑی دیر کر دی رسولاں، تجھے پتا تو ہے آگے کا سارا کام تو نے ہی سنبھالنا ہے۔" رشیداں باورچی خانے سے نکلی۔

"تو کس بات کی جلدی تھی۔ عدت پوری ہونے دیتی۔" رسولاں نے چپل اتار کر ایک طرف رکھی۔ اسے چپل پہن کر کام کرنے کی عادت نہیں تھی۔

"مجھے نہیں، اس کے چاچے کو جلدی تھی۔ کہتا تھا۔ تم دونوں کا ثریا سے کیا تعلق میں اس کا وارث ہوں ساتھ لے کر جاؤں گا۔"

"تو بھیج دیتی۔"

"مجھے کیا پتا بیٹی بنا کر لے جا رہا ہے یا نوکرانی۔ بھائی کے جیتے جی تو کبھی بھتیجی کا خیال نہ آیا۔"

"تو بہو بنانے پر کیسے مان گیا؟"

"کیسے مانا یہ تو پتا نہیں، بس میں نے کہا۔ جوان بیٹا ہے، نکاح کر کے لے جاؤ میری بھی جان بخشی ہو۔" رشیداں نے چولہے کی طرف جاتے جاتے جواب دیا۔ "تندور دیکھ تپ گیا ہو تو روٹیاں لگا دیں۔"

"کیا بکواس کر رہی ہے تو۔" آتشی جوڑا ہاتھ میں لیے کھڑی ثریا کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

رشیداں نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اور مسکرائی۔

"بارات آنے میں تھوڑی دیر ہے۔ تو ابھی تک تیار نہ ہوئی۔" رشیداں کا لہجہ سرسری تھا۔

"اس بارات کو میں تیرا جنازہ بنا دوں گی۔" ثریا بپھر کر جھپٹی۔

"ٹھہر جا کڑیے۔" رسولاں نے ثریا کا بازو قابو کیا۔ ثریا نے مغلظات بکنا شروع کر دی تھیں۔ اقصیٰ گھبرا کر باہر نکلی۔ رشیداں تندور کے پاس کھڑی خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں بلا کی تپش تھی۔

"تیرا نکاح نہ پڑھوا دوں میں اس ذلیل چاچے کے ساتھ، مجھے دھوکہ دیتی رہی۔ مجھے کہتی رہی بشیر کے ساتھ تیرا نکاح پڑھوا رہی ہوں۔ ٹھہر جا تجھے تندور میں نہ ساڑا تو میرا نام ثریا نہیں۔ دو دو خصم کھانے والی ڈائن۔" وہ گولی کی طرح نکلی۔ رسولاں دم بخود رہ گئی۔ اقصیٰ ڈر کے چلائی۔

فضا میں ایک زوردار تھپڑ کی آواز گونجی۔

ثریا جہاں پہنچی تھی وہیں لڑکھڑا کر رکی۔

رشیداں کا رعشہ زدہ ہاتھ سرخ ہو گیا۔ بالکل اس کی آنکھوں کی طرح، آتش فشاں پھٹ گیا تھا لاوا ابل آیا تھا۔ رشیداں نے جھک کر تندور سے جلتی لکڑی اٹھالی۔

www.pklibrary.com

''اندر جا کے مر، تیرا چاچا اپنے بیٹے کے ساتھ تیرا نکاح پڑھانے آرہا ہے۔ تیرا دل نہیں راضی تو مولوی کے سامنے ناں بول دیں۔ ابھی دفع ہو۔''

ثریا رشیداں سے ڈری یا اس کے ہاتھ میں موجود جلتی لکڑی سے۔ وہ تیزی سے اندر بھاگی......رکی، زمین پر آتشی گلابی سوٹ پڑا تھا۔ اس نے جھک کر تیزی سے سمیٹا مڑی اور بجلی کی سی تیزی سے سوٹ جلتے تندور میں جھونک دیا۔

لاشعوری طور پر رشیداں نے پکڑنا چاہا۔ مگر ایسا کب ہوا تھا کہ اس نے کسی چیز کو بہت دل سے سنبھال کر پاس رکھنا چاہا ہو۔ اور وہ اس کے پاس رہی ہو۔

ریشمی سوٹ نے تندور میں بھانبھڑ سلگا دیا تھا۔

رشیداں ٹکر ٹکر اس بھانبھڑ کو دیکھے گئی۔

ثریا نے اندر جا کر بہت زور سے دروازہ بند کر لیا۔

''دیکھتی ہوں کیسے مجھے چاچے کی بہو بناتی ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کچھ کھا کر مر جاؤں۔'' وہ کمرے میں ہلکائی ہلکائی پھرتی تھی۔ پھر جھپٹ کر موبائل اٹھالیا۔ اسے ہر صورت بشیر سے رابطہ کرنا تھا۔

''اب کیا ہوگا رشیداں......'' رسولاں نے بے حد تشویش سے تندور کے کنارے بیٹھی رشیداں کو دیکھا...... اقصیٰ جھک کر تندور کے اندر جھانک رہی تھی۔ جہاں سنہری گوٹا راکھ ہو چکا تھا۔

''میں نے کیا برا کیا رسولاں......'' رشیداں نے ہچکی بھری ''جس موری کی اینٹ ہے۔ وہیں لگانے کی کوشش ہی تو کر رہی ہوں......اس کے ننگے سر کو عزت کی چادر سے ڈھانپ رہی ہوں۔ خود بتا جس لڑکی کی باتیں رات گئے چوک پر بیٹھ کر چسکے لے لے کر گاؤں کے لونڈے کرتے ہوں۔ کون اسے اپنے گھر کی عزت بنائے گا۔ سوچا تھا چاچے کے گھر جائے گی سکھی رہے گی۔''

''وہ بشیر کا قصہ۔'' رسولاں نے تعجب سے پوچھا۔

''یاد ہے دو سال پہلے آرائیوں کی لڑکی بھگا کر لے گیا تھا۔ اسی چکر میں سال جو جیل میں رہا۔ اس کا باپ مرتا مر گیا، پر منحوس کمبخت کو رشتہ نہ دیا۔''

''جہاں مر رہی تھی مرنے دیتی......خواہ مخواہ دوسروں کی آگ میں اپنا آپ سواہ کر لیا۔''

رسولاں نے تنفر سے کہا......رشیداں آہ بھر کے کھڑی ہوئی۔

''سوچا تو یہی تھا جان چھڑا لوں......پھر دھیان آیا......میری کوکھ سے جمی ہوتی تو کیا تب بھی یہی کرتی...... خیر اب اس کا چاچا آئے گا تو وہی فیصلہ کرے گا۔ تو اقصیٰ کو ساتھ لے جا اپنے گھر روٹیاں لگا لے۔ یہاں تو......''

''اس نے حسرت سے تندور کو دیکھا جس میں سے جلے ہوئے کپڑے کی بو میں لپٹا سیاہ دھواں اوپر آرہا تھا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو......'' بشیر دولے کریانے والے کی دکان پر کھڑا ٹھنڈی بوتل پی رہا تھا۔ جب ثریا کی کال آئی۔ بشیر نے ہنستے ہوئے دولے کو آنکھ ماری، دولا راز دار یار کی طرح قہقہہ مار کر ہنس دیا۔ بشیر بوتل ہاتھ میں لیے دھریک کے نیچے پڑی چارپائی پر آبیٹھا......جو ٹوٹے پتوں اور کوؤں کی بیٹوں سے اٹی ہوئی تھی۔

ثریا نے پھولی سانسوں کے درمیان اسے خبر دی، وہ بھونچکا رہ گیا۔ اتنی اچانک اتنی راز داری، کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

''مجھے یہاں سے لے چل بشیر!'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ابھی......'' بشیر نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ابھی تو شغل میلہ چل رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار نہیں تھا۔

www.pklibrary.com

''نہیں، وہ ویاہ کرلے جائے گا پھر لے جانا۔ بشیرے میرے پاس وقت بہت کم ہے۔'' ثریا بری طرح جھنجلائی، ''ہمیں اسی ویلے نکلنا ہے۔''

''ہاں مگر.....''

''چاچا پہنچنے والا ہوگا۔ سوچنے کا ویلا نہیں ہے۔'' وہ روپڑی۔ بشیر کا تذبذب بھرا دل ٹھہر گیا۔

''ٹھیک ہے تیاری کر..... موٹر سائیکل لے کر آتا ہوں..... جانوروں کے باڑے کی طرف سے آنا۔''

''ٹھیک ہے۔'' ثریا نے سرعت سے آنسو پونچھے۔

''نکلے گی کیسے؟''

''مجھ پر چھوڑ دے۔ بس آ کر بیل دے دینا۔'' کال کاٹ کر اس نے گہری سانس لے کر بند دروازے کو دیکھا اور نفرت سے زمین پر تھوک دیا۔

''لعنتی ماں بیٹی، اب تو لاہور جا کر ہی کال کروں گی۔'' اس نے الماری کھول کر بیگ نکالا اپنے کپڑے، کچھ جمع جتھا اور ماں کا زیور نکالنے لگی جو بہت زیادہ تو نہ تھا۔ مگر وہ ناک کی کیل بھی ان لوگوں کے پاس چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔

☆☆☆

اقصیٰ اور رسولاں روٹیاں لگانے گئی تھیں۔ رشیداں شاید کمرے میں گھسی اپنے جلے ہوئے سوٹ کا ماتم کر رہی تھی۔ صحن میں بچھی چارپائیوں..... کیکر پر بیٹھے کوؤں سفید کھیسوں اور کڑھائی والے تکیوں پر سہمی سی خاموشی لپٹی تھی۔ جیسے کسی انہونی کا احساس پوری فضا کو سونگھ گیا ہو۔ ثریا نے ہر چیز کو فٹے منہ کہا اور بنا کسی ملال کے عقبی رستہ لیا۔ وہاں لالیا کھڑا تھا جہاں رشیداں بکریاں باندھا کرتی تھی۔ فالتو بالن رکھتی تھی..... بکریاں تو ایک ایک کر کے سب بک گئیں۔ بالن اب بھی وافر پڑا تھا۔ اپنی دھن میں نکلتی ثریا ٹھٹک کے رک گئی۔

سوکھی پاتھیاں اکٹھی کرتی اقصیٰ نے تعجب سے دیکھا۔ خاموشی سوال میں ڈھلنے سے پہلے ہی موٹر سائیکل کے شور سے کرچی کرچی ہوئی۔ اقصیٰ نے گردن موڑ کر دیکھا۔

''بشیر کا موٹر سائیکل عین ثریا کے پاس آ کر رکا۔

ثریا لپک کر اقصیٰ کے پاس آئی۔

''جب تک کسی کو خود پتا نہیں چلتا اگر تیرے منہ سے ایک لفظ بھی نکلا تو میں تیری جان نکال دوں گی۔'' ثریا کی بے رحم گرفت نے اقصیٰ کا کندھا ہلا کر رکھ دیا۔

''جلدی کر.....'' بشیر چوکنے ہرن کی طرح ادھر ادھر دیکھتے دبی زبان میں چلایا۔ ثریا اپنا بیگ اٹھا کر موٹر سائیکل کی طرف بھاگی۔ بیگ بشیر کے آگے رکھا۔ ہاتھ اس کے کندھے پر جمایا اور نئی منزلوں کی سوار ہوگئی۔

اقصیٰ نے دھندلائی آنکھیں مسلیں..... راستے کی گرد بیٹھی تو موٹر سائیکل جا چکا تھا۔

وہ سرپٹ گھر کی طرف بھاگی۔

☆☆☆

صحن میں مردوں کا ڈیرہ تھا۔ حقہ گڑگڑاتے شربت پیتے، سنجیدہ اور گمبھیر، ماحول بوجھل سا تھا۔ لوگ ایک بار پھر شفیق کے پاس اس کے بھائی کی تعزیت کے لیے آ رہے تھے۔ وہ یتیم بھتیجی کے سر پر ہاتھ رکھ رہا تھا۔ اس سے زیادہ احسن قدم کیا ہو سکتا تھا۔ انہی کے درمیان وہ بھی موجود تھا۔ باپ کے پہلو میں بیٹھا۔ سفید شلوار قمیص میں ملبوس ہلکی سی سیاہ داڑھی جو اس کی سفید رنگت پر بہت ہی جچتی تھی۔ اس اچانک شادی کا کوئی ملال فیاض شفیق کے دل میں تھا بھی تو لوگوں کی باتوں سے کافور ہوا۔ ہلکی مسکراہٹ، سر جھکائے وہ مدھم اور متحمل لہجے میں محو گفتگو تھا۔ شرافت اس کے ماتھے پر بوسہ دیتی تھی۔

www.pklibrary.com

اقصیٰ کو بشیر یاد آیا۔ لمبا تڑنگا کھردرے ہاتھ پاؤں والا سانولا سا مرد، جس کی آنکھوں میں ہلکی سی چالاکی ہمہ وقت چمکتی۔

''ہائے آپا، ہیرا چھوڑ کر پتھر سے ماتھا پھوڑ لیا۔'' اقصیٰ نے تاسف سے سر ہلایا۔ دوسرے لمحے ماں کا جلا سوٹ اور جلا ہوا سینہ نظروں کے سامنے گھوم گیا۔ تو اس نے تنفر سے ملال جھٹک دیا۔

''وہ بھی ہی اس قابل۔''

کمرے میں رشیداں اپنی بھیگی آنکھیں پلو سے رگڑ رہی تھی۔ خوب صورت رنگوں والے لان کے نفیس سے سوٹ پر کالی کڑھائی والی چادر اوڑھے نینا چاچی رشیداں کو تسلیاں دے رہی تھی۔

اقصیٰ نے ثمینہ چاچی کو دوسری بار دیکھا تھا اور دونوں بار اسے اپنی ماں بے ڈھنگی میلی اور بے وقوف عورت لگی۔ وہ چپکے سے رشیداں کے کندھے سے لگ کر بیٹھ گئی۔ اماں کی سہیلیوں نے سارا کام سنبھال لیا تھا۔ اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی بس بیٹھ کر اس بم کے پھٹنے کا انتظار کرنا تھا۔ جس کی ٹائمنگ ثریا فٹ کر گئی تھی۔ یعنی جب تک کوئی خود نہ دیکھ لے.....

''میں نے تو کہا بھی تھا تمہاری عدت ختم ہونے کا انتظار کر لیں..... پھر تمہارا فون آیا تو میں نے سوچا ٹھیک ہی ہے۔ دو دو جوان بچیاں اور تم اکیلی.....'' ثمینہ نے ہلکا سا مسکرا کر اقصیٰ کو دیکھا۔

''مجھے اماں جیسی نہیں بننا۔ مجھے ان کے جیسی بننا ہے۔''

اقصیٰ نے فیصلہ کیا اور اماں کا کندھا چھوڑ دیا۔

(کاش میری دھی کا بھی کوئی چاچا ہوتا اس کی ایسی ہی فکر کرتا)

رشیداں کے دل سے ہوک اٹھی۔

''مولوی صاحب نکاح کے لیے کہہ رہے ہیں۔'' رسولاں ننگے پاؤں اندر وارد ہوئی۔

اقصیٰ نے ماں کو گھبرا کر دیکھا۔ خود رشیداں کی ہتھیلیاں پسینہ پسینہ ہو گئیں۔ اگلا لمحہ بہت عجیب تھا۔ یا تو ثریا ہاں کہہ دے گی اور یا پھر..... رشیداں جھرجھری لی۔

''اماں.....'' اقصیٰ بدبدائی۔

''چلو۔ میں دیکھتی ہوں۔ ثریا تیار ہوئی یا نہیں۔ بے چاری کے لیے کتنا مشکل وقت ہے۔ نجانے کتنی بار باپ کو یاد کر کے روئی ہوگی۔'' چاچی کا لہجہ دل گداز تھا۔ اسے کیا خبر ثریا سارے مشکل مرحلے پار کر گئی تھی۔

''دعا کر اقصیٰ! مرن جوگی مان جائے۔ کہیں نیا سیاپا نہ ڈال دے۔'' رشیداں نے جاتی ہوئی مینا کو دیکھا۔

''خیر شفیق خود ہی نمٹ لے گا۔ جب مولوی کے ساتھ چار بندے کھڑے ہو کر پوچھ رہے ہوں تو کس کی جرأت ہے انکار کرے۔''

رشیداں دھڑکتے دل کو تسلیاں دے دے کر تھکنے لگی۔

''اماں، آپا تو چلی گئی.....'' ٹائمنگ ختم ہو گئی تھی۔ بم پھٹنے میں آخری سیکنڈ تھے۔ چاچی مینا اب ثریا کے کمرے کا دروازہ کھول رہی تھی۔

''کہاں چلی گئی؟'' رشیداں نے سر اٹھایا۔

''بشیر کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر بھاگ گئی۔''

بہت زوردار دھماکا تھا۔ جو رشیداں کے وجود کے پرخچے اڑا گیا۔ وہ سب کچھ سوچ رہی تھی۔ مگر یہ ایک بار بھی نہ سوچا تھا کہ وہ مرے باپ کی قبر پر تھوک کر جائے گی۔ رشیداں بھول گئی تھی۔ وہ ثریا تھی ثریا۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

شور سن کر افشاں اور اس کی امی بھاگی آئیں۔ ثمینہ خود کو پیٹ پیٹ کر ادھ موئی ہو رہی تھی۔ خدیجہ کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ڈھیری ڈھائے بت بنے انور حسین کو گھر سے باہر پھینک دے۔

"یہ تم نے کیا کیا انور؟ اس سے تو اچھا تھا خود اس کا گلا دبا دیتے۔ ہائے میری پھول جیسی بچی۔" ثمینہ کی آہ و بکا سنتی خدیجہ کا دل پانی پانی ہو رہا تھا۔

ایک بار تو دل میں آئی کہ فرخ کو پکڑ کر لائے تو دونوں کا نکاح پڑھوا کر ساری مشکلوں کا خاتمہ کر دے۔ مگر ایک تو فرخ سا ہیوال اپنی بہن کے گھر گیا تھا۔ اور دوسرا وہ اتنا بڑا فیصلہ اکیلے تو نہیں کر سکتی تھی۔ افشاں کمرے کی طرف بھاگی سہمے ہوئے بچے ایک دوسرے کے ساتھ جڑے کھڑے تھے۔ اور نرمین اڑی ہوئی رنگت اور کانپتے وجود کے ساتھ پلنگ پر ٹانگیں سکوڑے بیٹھی تھی۔ اعصاب اتنے شل تھے کہ سمجھ میں نہ آتا۔ اپنا ردعمل کس طرح دے..... رو کر چلا کر، یا لڑ کر..... آنکھ کی دہلیز پر مرے ہوئے خوابوں کی مردہ لاشیں بے گور و کفن اس طرح آنسوؤں کا راستہ روکے کھڑی تھیں کہ وہ رو بھی نہیں پا رہی تھی۔

"چاچا پاگل ہو گئے ہیں نمو؟" افشاں نے اسے جھنجوڑ ڈالا۔ تو نرمین نے خالی خالی نظروں سے افشاں کو دیکھا۔ "وہ تھانے گیا ہے مرتو نہیں گیا۔ واپس آجائے گا۔ میرا دل کہتا ہے وہ بے گناہ ہے۔"

"منشی کہتا ہے وہ موٹر سائیکل چوری کرتا ہے۔"

"اس نے کہا اور تم نے مان لیا؟"

"دل تو نہیں مانتا....." بس ہلکی سی خود کلامی تھی۔

"منشی کی بیوی بننے پر دل مانتا ہے؟" افشاں چلائی تو نرمین نے تڑپ کر افشاں کو دیکھا۔ باہر کا شور کمرے میں بھر آیا۔ نرمین بھاگتی ہوئی باہر آئی۔

"وہ تیری بیٹی ہے انور! کہیں سے اٹھایا نہیں تھا۔" ثمینہ تھک کر نیچے بیٹھ کر رونے لگی۔

"میں تمہارے پیر پکڑتی ہوں، ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اس پر رحم کرو۔" نرمین گھٹنوں کے بل باپ کے سامنے بیٹھی۔

"ابو جی۔"

ابو جی اندر تک کانپ گیا۔

"اس نے کیا دھمکی دی ہے؟" نرمین نے دونوں ہاتھ باپ کے گھٹنے پر رکھے۔ پولیس والے باپ کو گھسیٹ کے لے جا رہے تھے۔ ثمینہ صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔ اس کا دوپٹہ ننگے پیروں سے لپٹ رہا تھا۔ اس کے ننگے بچوں کے گال پولیس والوں کے تھپڑ اور چنگیوں سے لال تھے۔

ذلت ہی ذلت تھی۔

بے بسی سی بے بسی۔

وہ منشیات کے کیس میں جیل میں بند تھا۔ اور ثمینہ اس سے ملاقات کے لیے پولیس والوں سے منتیں کر رہی تھی۔ اور ان کی ہوس زدہ نظریں ثمینہ کی بے بسی کا ٹھٹھا اڑا رہی تھیں۔ اس کے پاس وکیلوں کو دینے کے پیسے نہ تھے۔ بس اپنا آپ پیش کر سکتی تھی۔ بھوک سے بلکتے بچے سڑکوں پر رل رہے تھے۔ نرمین نے باپ کے سارے خوف کتاب کی طرح اس کی نظروں میں پڑھے اور پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔

"اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔ تمہیں رانی بنا کر رکھے گا۔"

"تمہارے بہن بھائیوں کو پڑھائے گا۔ لکھائے گا۔ ان کی ساری ذمہ داریاں اٹھائے گا۔" خلا میں دیکھتا بدحواسوں کی طرح وہ سارے فائدے دہرانے لگا۔

☆☆☆

www.pklibrary.com

خدیجہ خالہ کا دل متلانے لگا..... افشاں کی ماں نے سوچا۔

''ٹھیک ہی تو ہے۔ اس گھر کی ساری مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ پہلے کون سا چھوٹی عمر کی لڑکی کی بڑی عمر کے مرد سے شادی نہیں ہوئی۔''

''یہ ہماری بیٹی ہے کوئی قربانی کا بکرا نہیں۔'' ثمینہ چلائی۔

افشاں نے آ کر بیٹھی نرمین کا بازو کھینچ کر کینہ توز نظروں سے انور کو دیکھا۔

''چل، نمر..... میرے ساتھ چل..... تم یہ شادی نہیں کرو گی۔ میں تمہیں یہ شادی ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔''

سب بری طرح چونکے۔ ثمینہ جو رو رو کر تھک گئی تھی۔ ہڑبڑا کر اٹھی۔

''ہاں، تم اسے لے جاؤ۔ نرمین اٹھو۔ نکلو یہاں سے۔ اسے کہیں چھپا دینا۔ کوئی اسے دیکھے نہیں۔ نرمین اٹھ جاؤ۔''

انور خاموش بیٹھا تھا۔ جیسے جو کچھ ہو رہا ہے اسے خبر ہی نہیں۔

''ہاں..... ثمینہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ افشاں اسے لے جاؤ۔'' خدیجہ کو بھی رستہ سجھائی دیا۔

''منشی آ گیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔ وہ زبردستی نکاح تو نہیں پڑھوا سکتا مگر اس کے باپ کا کیا پتا۔'' خدیجہ نے کھا جانے والی نظروں سے انور کو دیکھا۔

''لیکن.....'' نرمین نے ماں کو دیکھا۔

''میں کہہ رہی ہوں۔ میں تمہاری ماں، بس چلی جاؤ، باقی سب بعد میں دیکھا جائے گا۔'' ثمینہ نے بجلی کی سی تیزی سے بازو کھینچ کر نرمین کو اٹھایا گلے میں لٹکتے دوپٹے کو کھول کر سر پر ڈال دیا۔

نرمین نے مڑ کر باپ کو دیکھا۔

''ابو! میں جاؤں۔'' بچی ان حالات میں بھی اجازت مانگ رہی تھی۔ مگر شاید بیٹیاں ہوتی ہی پگلی ہیں۔

''بہت پیسہ ہے اس کے پاس، بہت طاقت۔'' وہ بڑبڑایا۔

''چلو میرے ساتھ.....'' افشاں نے نرمین کا ہاتھ پکڑا وہ اس کے ساتھ گھسٹتی چلی گئی۔ انہیں سیڑھیوں کی طرف جانا تھا۔ پہلی سیڑھی..... دوسری سیڑھی باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔

تیسری سیڑھی، چوتھی.....

ثمینہ نے بھاگ کر دروازے کو کنڈی لگا دی۔

پانچویں سیڑھی پر نرمین کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ انور حسین اب بھی وہیں بیٹھا کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ اس کے کمزور اعصاب اپنے ہی فیصلے کا بوجھ نہیں اٹھا پائے تھے۔ نرمین چلی جائے گی تو پیچھے ان سب کا کیا ہوگا۔ نرمین نے گھٹ گھٹ کر روتے بچوں کو دیکھا۔ بدحواس ماں اور حواس باختہ باپ کو..... انور حسین کی آنکھوں کے خوف نرمین کے دل پر ڈنک مارنے لگے۔

''میں چلی جاؤں گی تو منشی ان کا کیا کرے گا۔''

''نمو آپا.....'' طلحہ بلکا اور فیصلے کی مہر لگ گئی۔

نرمین نے افشاں سے ہاتھ چھڑایا۔ بھاگتی ہوئی آئی۔ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر باپ کی پشت سے لپٹ گئی۔

انور حسین گھوڑا بنا تھا اور تھکی نرمین اس کی پشت پر سوار تھی۔

چل میرے گھوڑے..... چھک، چھک..... چھک

''ابو جی! میں آپ کی بیٹی ہوں آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔'' دروازے پر بہت زور سے دستک ہوئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

www.pklibrary.com

پاک TV DRAMAS

عید کی خوشیاں

اپنے پسندیدہ ڈراموں سے دوبالا کریں

پاک TV DRAMAS لایا آپ کے لئے آپ کے پسندیدہ ڈرامے، جو آپ دوبارہ دیکھنا چاہتے ہیں یا آپ کے دیکھنے سے چھوٹ گئے ہیں تو اپنی فکر ختم کریں اور پاک ٹی وی ڈرامہ کے دیئے گئے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے پسندیدہ اداکاروں کے بہترین ڈرامے دیکھیں جہاں موجود ہیں:

- ٹاپ ٹین ڈرامے سیٹلائٹ چینلز
- ٹاپ ٹین یوٹیوب رینکنگ ڈرامے
- آپ تجویز کردہ ٹاپ ٹین ڈرامے
- پاک ٹی وی کے تجویز کردہ ٹاپ ٹین ڈرامے

تو ابھی وزٹ کریں

www.paktvdramas.pk

PakTvDramas1 | paktv.dramas | paktvdramas | Pak Tv Dramas

اسکے علاوہ اپنے موبائل پر ڈرامے دیکھنے کے لئے پاک ٹی وی ڈرامہ کی ایپ ڈاؤن لوڈ کریں

ماہین ایک بہت اچھے گھرانے کی لڑکی تھی۔ طالب علمی کے زمانے میں نائی کے بیٹے سے محبت کی شادی کرنے کے جرم میں والدین تعلق ختم کر لیتے ہیں۔ شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے اور وہ ایک مسائل سے بھری زندگی اپنی بیٹی کے ساتھ گزارنے لگی ہے۔

وہ چھٹیوں میں وادی میں شاپنگ کرنے جاتی ہے، اس کا اے ٹی ایم کارڈ بلاک ہو جاتا ہے۔ سامان وزنی ہونے کی وجہ سے ایک نوجوان اسے مدد کی آفر کرتا ہے۔

''ارے آپ تو کچھ زیادہ ہی گہری حیرت میں ڈوب گئیں۔'' ماہین کو رک کر اپنی طرف غور سے دیکھتے دیکھ کر وہ ہنس دیا۔ ''میں آپ سے اپنا تفصیلی تعارف کرواتا ہوں میم! شاید آپ کو میں یاد آ جاؤں۔''

ماہین نے جھینپ کر اس کے چہرے پر سے اپنی نظریں ہٹا لیں اور اس سے ایک قدم آگے چل دی۔

''مجھے معید یوسف کہتے ہیں۔'' وہ اس سے ایک قدم پیچھے چلتے ہوئے کہنے لگا۔ ''جب آپ نے جونیئر ٹیچر کی حیثیت میں اسکول جوائن کیا تھا اس وقت میں سینئر اسکول میں پڑھ رہا تھا۔''

''اوہ!'' ماہین نے خاموشی سے سنتے ہوئے دل میں کہا۔

''آپ کا اسکول میں پہلا دن تھا وہ جب آپ بریک میں سوشل اسٹیڈیز کی ٹیچر میم خان کے پاس بیٹھی تھیں۔ مجھے میم خان سے انکس لینی تھی اور جب ہی میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا۔''

''اتنی پرانی بات!'' ماہین کے قدم اب تیز ہونے لگے تھے۔

''مجھے اچھی طرح یاد ہے، اس روز آپ نے نیوی بلیو کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی اور آپ کا ٹراؤزر گرے کلر کا تھا۔''

''ایں!'' ماہین کے قدم لمحہ بھر کے لیے سست پڑے۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا اور وہ ہنس دیا۔

''ابھی سے حیران مت ہوں، ابھی تو مجھے اور بھی کچھ بتانا ہے میم! وہ سب جو آپ کے بارے میں مجھے یاد ہے۔''

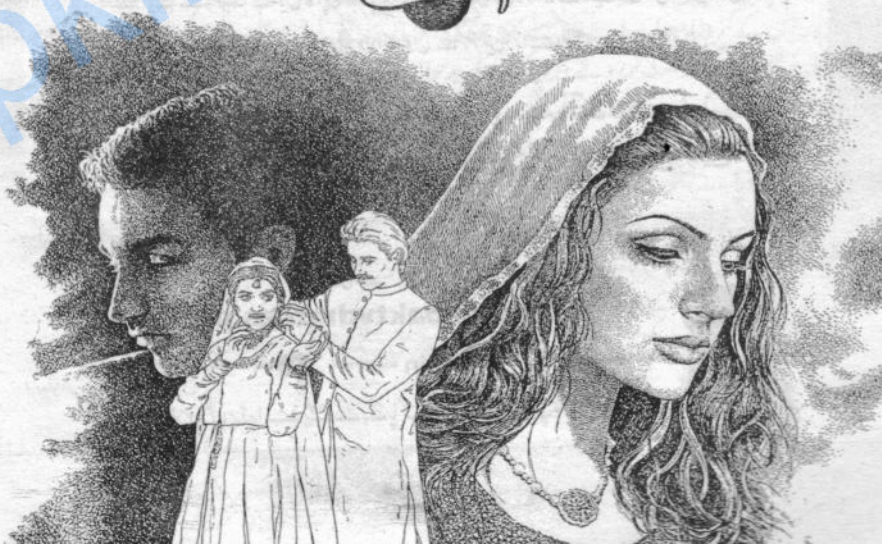

عنیزہ سید

سو سے صفر

www.pklibrary.com

مکمل ناول

دوسری اور آخری قسط

pklibrary.com

www.pklibrary.com

''عجیب بات ہے۔ تم نے یقیناً مجھ سے کبھی پڑھا نہیں ہوگا۔ میں پہلے دن بھی جونیئر سیکشن میں تھی اور آج تک وہیں ہوں پھر تمہیں میرے بارے میں بہت کچھ کیسے یاد ہوسکتا ہے۔'' ماہین نے اونچے نیچے راستے پر مسلسل چلتے ہوئے جواب دیا۔

''بس دیکھ لیں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر ہنس دیا۔

''لیکن آپ یہ نہیں کہہ سکتیں کہ میں نے آپ سے کبھی پڑھا نہیں، میں آپ سے ایک پیریڈ پڑھا ہوا ہوں۔''

''آں ہاں۔'' ماہین کے ماتھے پر ذرا سا بل پڑا۔ ''ناممکن۔''

''گو وہ لیکچر تھا۔'' وہ اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ ہمارا اسپورٹس کا گھنٹہ تھا اور اسپورٹس ٹیچر چھٹی پر تھے۔ آپ کا وہ پیریڈ فری تھا، آپ گراؤنڈ میں بنچ پر دھوپ سیکھنے بیٹھی تھیں جب ہاؤس ماسٹر صاحب نے ظفر کو آپ کو بلانے کے لیے بھیجا تھا۔ تاکہ آپ ہماری کلاس لے لیں۔ ظفری ہمارا کلاس پرفیکٹ تھا۔''

''اور میں نے اسپورٹس پیریڈ لے لیا۔'' ماہین نے یوں سر جھٹکا جیسے اس کی بات جھٹلا رہی ہو۔ ''اسپورٹس میں میری دلچسپی اور معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔''

''ایگزیکٹلی!'' وہ مسکرایا۔ ''آپ نے اس وقت بھی یہ ہی الفاظ کہے تھے لیکن سر ناصر نے آپ سے کہا تھا کہ مس آپ کو بس ایک پیریڈ کے لیے ان بچوں کو قابو کر کے رکھنا ہے، میں انہیں یونہی کھلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اور آپ نے پھر وہ پیریڈ لے لیا۔''

''اور تم لوگوں کو قابو میں رکھا۔ پورا ایک پیریڈ۔'' ماہین کو یہ واقعہ ذرا ذرا سا یاد آنے لگا تھا۔

''ایسا ویسا!'' وہ ہنسا۔ ''آپ نے انگلش لٹریچر پر ہم سے اتنی باتیں کیں کہ ہم اسپورٹس پیریڈ بھول بھال گئے اور آپ کے ساتھ لٹریچر ہی ڈسکس کرتے رہے۔''

''ہمم.....'' ماہین ایک مرتبہ پھر رک گئی۔ ''اچھا تو تم اس کلاس میں پڑھتے تھے؟''

''جی'' وہ سر ہلکا سا جھکا کر بولا۔

''بہت اچھی یادداشت ہے بھئی تمہاری۔''

ماہین کو اب یقین ہو چکا تھا کہ اس اجنبی لڑکے کے ساتھ اس کا استاد شاگرد والا رشتہ رہ چکا تھا جب ہی اس کے لہجے میں اعتماد اور رعب نے اپنی جھلک دکھانی شروع کر دی تھی۔ ''لاؤ میرے بیگز مجھے دے دو یہاں سے میرا گھر نزدیک ہی ہے آگے میں خود ہی چلی جاؤں گی۔'' اس نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔'' اس نے بیگز ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ میرے لیے بھی خاصے بھاری ہیں آپ کے لیے تو۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ ''نیور مائنڈ میم، میں آپ کو گھر تک چھوڑ دیتا ہوں۔ میرے لیے یہ باعث عزت کا کام ہوگا۔''

اس نے کچھ ایسے انداز میں یہ پیشکش کی تھی کہ ماہین کو اس کی بات ماننی ہی پڑی تھی۔ اس نے سر ہلایا اور آگے چل دی۔ باقی کا راستہ مختصر تھا اور اس دوران وہ لڑکا جو یقیناً بہت باتونی تھا، باتیں کرتا رہا تھا۔ اس نے ماہین کو اس پہلے سال کی بہت سی ایسی باتیں یاد دلائیں جب اس نے اسکول میں پڑھانا شروع کیا تھا۔ جونیئر اسکول آرٹ مقابلہ جونیئر پریڈے جونیئر اسپورٹس گالا، جونیئر میوزک میلہ اور اس سے پہلے کا رزلٹ ڈے، وہ تفصیل سے بتاتا رہا تھا کہ ایسے اہم مواقع پر ماہین کا لباس کیسا تھا۔ اگر اس نے کسی تقریب کی میزبانی کی تھی تو وہ کیا بولی تھی۔ وہ چھوٹے بچوں کو کس انداز میں چھٹی کے بعد اور صبح کی اسمبلی میں گراؤنڈ میں لے کر آتی تھی۔ اس کی کلاس سے بچوں کی کون کون سی نظمیں بلند آواز میں دور تک سنائی دیتی تھیں۔ وہ سنا رہا تھا اور ماہین سن رہی تھی۔ اس کی باتیں سننے کے دوران ایک تو راستہ اچھا کٹ رہا تھا دوسرا ماہین کو بھی وہ پرانی باتیں دہرائے جانا اچھا لگ رہا تھا اگرچہ اس کا دل الجھن کا شکار بھی ہو رہا تھا۔

www.pklibrary.com

''چلو بھئی، میرا گھر تو آ گیا۔'' ماہین نے اپنی گلی کے نکڑ پر پہنچ کر کہا۔ ''لاؤ اب یہ مجھے دے دو۔'' اس نے ایک مربتہ پھر ہاتھ آگے بڑھایا۔

''آں آں!'' اس نے اپنے دونوں بازو اوپر کھینچ لیے۔ ''آپ کے گھر کی دہلیز تک چھوڑ کر آؤں گا۔ آگے بے شک آپ مجھے اندر نہ جانے دیجیے گا اور میں بالکل بھی برا نہیں مانوں گا جو آپ مجھے ایک کپ چائے یا کافی بھی آفر نہیں کریں گی۔''

''لو بھئی یہ تو چپک ہی گیا۔'' ماہین نے جھنجھلا کر سوچا۔ ''خوامخواہ ہی نیکی سمجھ کر اس کی مدد قبول کر لی۔''

''یہ بس چند قدم کے فاصلے پر ہی یہاں سے میرا گھر، لاؤ یہ بیگز مجھے دے دو۔ یہاں سے اٹھا کر آگے تک لے جانے میں ذرا بھی نہیں تھکوں گی۔ یقین کرو۔ میں عادی ہوں ان کاموں کی۔''

''مطلب آپ مجھے اپنا گھر نہیں دکھانا چاہتیں۔'' وہ منہ بسور کر بولا۔ ''سوچ رہی ہوں گی کہیں میں آپ کے گھر کا راستہ ہی نہ دیکھ لوں اور بار بار ہی آتا رہوں۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' ماہین کو ہلکی سی شرمندگی ہوئی۔ ''تمہاری اتنی مدد بھی بہت زیادہ ہے میرے لیے۔ اور میں تمہاری بے حد منون بھی ہوں۔ دراصل میں اس گھر کی دوسری منزل پر رہتی ہوں تمہیں خوامخواہ مزید زحمت نہیں دینا چاہتی۔''

''اچھا!'' وہ اس سے آگے بڑھا اور گلی کے اندر جھانکنے لگا۔ ''کون سا والا گھر ہے آپ کا۔''

''وہ یہاں سے چوتھا گھر۔'' ماہین نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ جس پر گرے کلر کا پینٹ نظر آ رہا ہے نا وہ۔''

''اچھا چلیں ٹھیک ہے۔ میں بھاگ کر گیٹ کے قریب رکھ آتا ہوں۔'' وہ آگے بڑھ گیا ماہین سر جھٹکتے ہوئے اس کے پیچھے چل دی۔ اس کے گھر تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ بیگز گیٹ کے قریب رکھ کر واپسی کے لیے مڑ چکا تھا۔

''بہت شکریہ تمہارا۔'' ماہین نے ہلکا سا مسکرا کر کہا۔ ''آئی ایم سوری میں تمہارا نام بھول گئی۔ کیا نام بتایا تم نے؟''

''معید یوسف!'' اس نے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے جواب دیا۔

''معید یوسف!'' ماہین نے زیر لب دہرایا۔ ''تم سے مل کر خوشی ہوئی اور حیرت بھی کیا ہاتھی کا سا حافظہ پایا ہے بھئی تم نے۔ اتنی پرانی باتیں اتنی تفصیل کے ساتھ یاد ہیں تمہیں جبکہ تم سینئر اسکول میں پڑھ رہے تھے اور بظاہر میرے ساتھ تمہارا کوئی کنکشن بھی نہیں تھا۔ اتنے سارے جونیئر اسکول ٹیچرز میں تمہیں میں یاد رہ گئی۔ امیزنگ۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔ ''کمال کی بات ہے نا۔''

''اس لیے کہ آپ مجھے اس وقت بھی بہت اچھی لگتی تھیں اور آج بھی اتنی ہی اچھی لگ رہی ہیں۔'' اس کے جواب نے ماہین کو چونکا دیا۔ ''پتا ہے کیا۔ آج بینک کے باہر آپ کو کھڑے دیکھ کر مجھ پر کیسی کیفیت طاری ہوئی۔''

ماہین نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے جیسے'' وہ سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے اپنی بات سنانے کے لیے مناسب الفاظ سوچ رہا ہوں۔

''ہاں ایسے جیسے۔'' چند ساعتوں کے بعد وہ گلا کھنکارنے کے بعد بولا۔ ''جیسے کسی بچے کو اچانک اپنی من پسند چیز نظر آ جائے۔'' اس نے ذرا جھجکتے ہوئے ماہین کی طرف دیکھا۔ ''بچوں کی مسرت کے پیمانے سے تو آپ واقف ہی ہوں گی نا۔'' اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولا۔

''ہوں۔'' ماہین نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔

''بس وہی۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ''بس ویسی ہی کیفیت سے دوچار ہوا میں آپ کو دیکھ کر۔''

''دلچسپ بات ہے۔'' ماہین ابھی بھی اسے غور

www.pklibrary.com

سے دیکھ رہی تھی۔ ”یہاں گھومنے پھرنے کی غرض سے آئے ہو کیا؟“

”گھومنے پھرنے۔“ وہ حیران ہوا۔ ”نہیں۔“

اس نے سر ہلایا۔ ”میں یہیں کا رہنے والا ہوں۔“

”یہیں کا۔“ ماہین حیران ہوئی۔ میں نے تو تمہیں اتنے سالوں میں یہاں کہیں نہیں دیکھا۔“

”دراصل میرے او لیولز کے بعد ابا کا ٹرانسفر ڈیرہ غازی خان ہو گیا تھا۔ پوری فیملی ساتھ چلی گئی لیکن مجھے ابا پڑھنے کے لیے صوابی بھیج دیا۔ میرا یڈمیشن ہو گیا تھا وہاں۔“

”جی آئی کے آئی میں۔“ ماہین نے سوال کیا۔

”ایگزیکٹلی۔“ اس نے سر ہلایا۔ ”ابا نے یہاں پوسٹنگ کے دوران اپنا گھر بنا لیا تھا۔ ریٹائرڈ منٹ کے بعد وہ واپس یہیں سیٹل ہو گئے ہیں۔ میرے ددھیال کا تعلق ادھر قریب ایک گاؤں سے ہے۔“

”اوہ اچھا اچھا!“ ماہین نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں نے کچھ عرصہ پہلے ہی ایک انٹرن شپ مکمل کی ہے ملتان میں۔“ چند جگہوں پر جاب کے لیے اپلائی کیا ہے۔ آج کل اسی لیے فارغ ہوں۔“

”ہوں۔ اچھی بات ہے۔“ ماہین نے کہا۔

”ایک بات پوچھوں۔“ اب کے سوال اس کی طرف سے آیا۔ ماہین کے سر ہلانے پر وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ ”پہلے تو آپ وہیں رہتی تھیں بورڈنگ میں، وہاں سے یہاں کیوں شفٹ ہو گئیں؟“ اس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا۔

”میری بیٹی بڑی ہو رہی تھی اور میں اسے وہاں ٹیچرز ریذیڈنس میں رکھنا نہیں چاہتی تھی اس لیے۔“ ماہین نے کہا۔

”آپ کی بیٹی۔“ اس نے دہرایا۔

”جی مجھے یاد ہے۔ آپ کے ساتھ آتی جاتی وہ بچی بھی۔ اس کا نام مناہل تھا آئی گیس۔“ وہ یاد کرتے ہوئے بولا۔ ”وہ بہت کانفیڈنٹ تھی اور آؤٹ سپوکن بھی۔“

”تمہیں مناہل بھی اتنی تفصیل کے ساتھ یاد ہے، ماہین کو یقین نہیں آیا۔

”جی!“ وہ بے نیازی سے بولا۔ ”وہ اس لیے یاد ہے کہ وہ میری بہن کی کلاس فیلو تھی۔ میری بہن مجھ سے تقریباً سات سال چھوٹی ہے۔“ ماہین کے حیرت سے دیکھنے پر اس نے کہا۔

”آج کل ادھر ہی پڑھ رہی ہے فرسٹ ایئر میں۔“ اس نے کالج کا نام بتاتے ہوئے کہا۔

”مناہل بھی تو وہیں پڑھ رہی ہے اسی کلاس میں۔“ ماہین سن کر ذرا پرجوش ہوئی۔

”اچھا!“ اس نے سر ہلایا۔ ”یہ تو اچھی بات ہے۔“

”میرا خیال ہے، اب تم سدھارو۔“ ماہین نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں سے روئی کے چھوٹے ٹکڑوں جیسی برف وادی میں گرنے کو تیار تھی۔

”جی میم!“ اس نے سر ہلایا۔ ”میں چلتا ہوں۔“

”تمہاری چائے ادھار رہی۔“ ماہین نے کہا۔

”کسی روز بلاتی ہوں تمہیں چائے پر۔“

”ارے زہے نصیب۔“ وہ مسکرایا۔ ”لیکن یہ ٹالنے والا انداز ہے اگر آپ مجھے چائے پلانے کے لیے سنجیدہ ہوتیں تو مجھ سے میرا نمبر ضرور مانگتیں یا اپنا مجھے دے دیتیں۔“

”اوہ ہاں، اس کا مجھے واقعی خیال نہیں رہا۔“ ماہین نے بیگ سے فون نکالتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

”اف۔“

اس رات گھر کے تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بالآخر گرم بستر میں کمر ٹکانے جیسی راحت ملنے پر اس نے سوچا تھا۔ کیسے کیسے عجیب اتفاق ہوتے ہیں۔ انسان کے ساتھ۔“ اس نے آنکھیں بند کر کے تیج والے واقعے کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ ”سوچو ذرا کبھی وہ سکول بوائے آج اتنا بڑا ہو جانے کے بعد سامنے آنے پر مجھے پہچان بھی گیا اور اتنی ساری باتیں

www.pklibrary.com

بھی دہراتا رہا۔ خدا جانے میں اسے کیسے یاد رہ گئی جبکہ مجھے وہ ذرا سا بھی یاد نہیں آیا۔"

"مناہل" سوچتے سوچتے ایک خیال آنے پر اس نے اپنے قریب لیٹی مناہل کو آواز دی "ہوں" وہ اپنے فون میں مگن تھی۔

"تمہاری کلاس میں کوئی لڑکی پڑھتی ہے۔" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس لڑکے معید یوسف نے اسے اپنی بہن کا نام بتایا تھا یا نہیں۔

"کوئی لڑکی۔" مناہل نے چونک کر ماہین کی طرف دیکھا تھا۔ "کوئی نہیں، کئی لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ پچیس کی کلاس ہے ہماری۔"

"ہاں وہ تو میں جانتی ہوں۔" ماہین نے تھکی ہوئی آواز میں کہا، اس کی آنکھیں نیند سے بند ہو رہی تھیں۔ مجھے اس لڑکی کا نام یاد نہیں آرہا۔ جب یاد آگیا تو پوچھ لوں گی تم سے۔" وہ بات ختم کرتے ہوئے سو گئی تھی۔ مناہل کچھ دیر اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"کتنی عمر چور ہیں یہ، میری سب دوستیں انہیں میری ماں کے بجائے دو تین سال بڑی بہن سمجھتی ہیں، ٹیچرز بھی ایسا ہی کہتی ہیں کہ تمہاری مدر تمہاری بڑی بہن لگتی ہیں یہ اور بات کہ اتنی کم عمر دکھائی دینے کے باوجود ان میں کریس جھلکتی ہے اور یہ بڑی تمکنت کے ساتھ بات کرتی ہیں۔" وہ یاد کر رہی تھی ہاں شاید جو تھوڑی بہت بات یہ کرتی ہیں تمکنت کے ساتھ ہی کرتی ہوں۔" اس نے ہونٹ بھینچتے ہوئے سوچا اور دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگئی جہاں اس کی دوست نے انسٹاگرم پر اسے کوئی تصویر بھیجی تھی۔

☆☆☆

تابندہ نے جو بچے ٹیوشن کے لیے بھیجے تھے وہ پڑھائی میں خاصے کمزور تھے۔ ان کا حافظہ کمزور تھا اور لکھنے کی صلاحیت بھی کم تھی۔ ماہین کو ان کے ساتھ ضرورت سے زیادہ سر کھپانا پڑتا تھا۔ یہ سرکاری اسکول میں پڑھنے والے بچے تھے اور قریبی بستی سے ہی پڑھنے آتے تھے۔

"خدا جانے آپ انہیں کیسے پڑھا لیتی ہیں جبکہ ان کے پاس تو آدھا گھنٹہ بیٹھنا بھی بہت مشکل ہے۔" دن کے وقت جب وہ پڑھنے آتے مناہل کا مزاج خراب ہونے لگتا۔ "ان کے کپڑے دیکھیں کتنے میلے ہیں۔ سوئٹر، کوٹ، جرابیں نجانے کتنے مہینوں سے چڑھا رکھی ہیں۔ اتنی بدبو آتی ہے ان سے پوچھیں یہ کبھی نہاتے دھاتے ہیں بھی کہ نہیں۔"

"ایسے نہیں کہتے مناہل" ماہین ان معصوم بچوں کے سامنے شرمندہ ہو جاتی۔

"ہمارا اماں جس نالے پر کپڑا دھوتا ہے باجی وہ سردی کی وجہ سے برف بن چکا ہے۔ ہمارا گھر میں پانی والا نل نہیں ہے۔ کھانا پکانے کے لیے ماں اور بہن ہمسایوں کے گھر سے دو دیگچے پانی بھر کے لاتی ہے۔ ان میں سے ایک بچہ جو باقی دو کے مقابلے میں نسبتاً ہوشیار تھا بلند آواز میں مناہل سے مخاطب ہوتا۔

"دو دیگچے پانی تمہارے نہانے اور کپڑے دھونے کے لیے بھی لے آئیں تو کچھ بگڑے تو نہیں ان کا لیکن بات یہ ہے کہ تم لوگوں کو صاف ستھرا رہنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ مناہل بھی تیزی سے جواب دیتی۔

"اچھا چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کے والد کیا کام کرتے ہیں۔" ماہین نے ایک روز مناہل اور اس بچے کے درمیان بحث ختم کرانے کی خاطر پوچھا تھا۔

"ہمارا باپ خالص خان ہے۔" اس بچے نے بلند آواز میں شاید مناہل کو سنانے کی خاطر جواب دیا تھا۔

"وہ نیچے گئی ہے، میدان میں۔" ادھر وہ تمبا کو اور چائے کا پتی بیچتی ہے۔"

"تمبا کو نہیں نسوار بولو نسوار۔" مناہل مذاق اڑانے کے انداز میں بولی۔ "ہاں" پھر جیسے اسے کچھ خیال آیا۔ "میں بھی سوچتی تھی کہ ان تینوں سے جو ایک خاص قسم کی بدبو آتی ہے وہ کس چیز کی ہے بھلا۔ نسوار کی۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے ماہین کی طرف اشارہ کیا۔ "مان لیں ان سے نسوار کی بو آتی

www.pklibrary.com

ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا، نسوار کی بو کیسی ہوتی ہے۔" ماہین نے خفت بھرے انداز میں تینوں بچوں کو کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس اس علاقے میں رہنے والا کون سا باشندہ ہوگا جسے نسوار کی بو کا نہیں پتا ہوگا۔ وہ چڑیا خان ہے نا کباب اور تندور والا۔" مناہل نے ان بچوں کی طرف شرارت بھرے انداز میں دیکھا۔ "اس کے پاس دیکھی تھی نسوار ہم نے اور سونگھی بھی تھی۔ اف اتنی گندی بو کہ کیا بتاؤں۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولی۔

"تم کہاں اور کب گئی تھیں چڑیا خان کے ڈھابے پر۔" ماہین حیران ہوئی۔

"اکثر جاتے ہیں ہم سب وہاں۔" وہ بے نیازی سے بولی تھی۔ "میں اور میری فرینڈز، ایک وہی تو ڈھنگ کی جگہ ہے یہاں کھانے کی، اس کا کھانا اچھا ہوتا ہے اور سستا بھی۔" اور ماہین اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"اس کی عمر میں مجھے اکا دکا سہیلی کے گھر کی اجازت تھی بس اور دوستوں کے ساتھ باہر جانے کی اور وہ بھی چڑیا خان کے تندور جیسی جگہ پر۔" سوچ کر ہی اس کا دل حلق میں آ گیا۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے سوچتے سوچتے سر ہلایا۔ "امی کی ڈانٹ، ان کا رعب دار لہجہ ہی روح فنا کر ڈالنے کو کافی ہوتا تھا۔ مناہل تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ لیکن۔" وہ خیالات کی رو میں بہنے ہی لگی تھی۔

"باجی! بکری کا بچہ کو اردو میں کیا بولتے ہیں۔" اس کے نئے شاگردوں میں سے ایک نے پوچھ کر اسے اس کے خیالات سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

فاطمہ مریم کی نظر کمزور ہو چکی تھی۔ صاحب نے ابھی پچھلے دنوں ہی انہیں نظر کا نیا چشمہ بنوا کر دیا تھا لیکن انہیں ایسا لگتا تھا جیسے نیا چشمہ بھی ان کی آنکھوں کی دھندلاہٹ دور کرنے میں معاون ثابت نہیں ہو پا رہا تھا۔ نظر پر چھائی اس دھند پر وادی کا موسم بھی اثر انداز ہوتا تھا جب ہی پہروں کچن کی کھڑکی کے قریب کھڑے باہر نظریں جما کر دیکھنے کے باوجود انہیں نیچے وادی سے وہ چہرہ اوپر آتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جس کی آمد کا انہیں ہر دم انتظار رہتا تھا۔

"وہ آئیں گی، ضرور بالضرور آئیں گی۔" بہادر بخش انہیں یوں منتظر دیکھ کر کہتا تھا۔

"اس روز صاحب نے دونوں رسالے انہیں دینے کا کہتے ہوئے ساتھ یہ تاکید بھی کی تھی کہ پڑھنے کے بعد واپس کر جائیں، بھلا صاحب نے ایسا کیوں کہا تھا؟" وہ یوں مسکراتا جیسے صاحب کی تاکید کے اندر سے کوئی پہیلی نکال قابو کیے بیٹھا ہو۔

"صاحب کی کتابوں کی ایک الماری میں سب رسالے مہینوں کی ترتیب کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ یہ پرچے واپس نہ آئے تو ترتیب خراب ہو جائے گی۔" فاطمہ مریم نے تھکی ہوئی منتظر آنکھوں پر سے چشمہ اتار کر ٹشو پیپر سے ان میں آیا پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ارے فاطمہ بی بی! میں تو آپ کو بہت سیانی سمجھتا تھا۔" بہادر بخش نے دانت نکوسے، "صاحب نے پرچے واپسی کی تاکید اس لیے کی تھی کہ وہ چاہتے تھے اسی بہانے مینو بیٹی کسی روز ادھر چکر لگا جائیں۔"

"ہاں۔" فاطمہ مریم نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں لیکن پھر وہ آئی کیوں نہیں۔"

"ان کا گھر یہاں سے کافی دور ہے۔ برف باری نے راستوں کا حال برا کر رکھا ہے۔ پھر وہ رہتی بھی نیچے اترائی میں ہیں، جہاں برف ہٹانے کا مناسب انتظام بھی نہیں۔ ان کے گھر کے قریب جو بڑا نالہ بہتا ہے اس کے جمے پانی پر سے گزر کر آنا اور بھی مشکل ہے۔ شاید اسی لیے نہیں آئیں۔"

"جب بھی سناؤ گے، کوئی دل دہلا دینے والی ہی سناؤ گے۔" فاطمہ مریم بہادر بخش سے ناراض ہوئیں۔

"یقین نہ آئے تو جارج اور سمیکا سے پوچھ

www.pklibrary.com

لینا۔ وہ بھی تو ادھر سے ہی آتے ہیں۔'' بہادر بخش نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''اور وہ روزانہ آتے ہیں۔ اس مہینے ایک بھی ناغہ نہیں کیا انہوں نے۔'' فاطمہ مریم نے سر جھٹکا۔ ''ادھر آنا اتنا ہی مشکل ہو تو وہ ہر دوسرے روز چھٹی کیے بیٹھے ہوں خاص طور پر سیکا۔ اسے تو سردی بھی بہت لگتی ہے۔''

''ان کی نوکری لگی ہوئی ہے فاطمہ مریم! تنخواہ لیتے ہیں وہ آنے کی۔ مینو بیٹیا تو صرف ہم سب کو دیکھنے کے لیے یہاں آتی ہیں ان کو کون سا یہاں کچھ ملتا ہے۔'' یا ملنے کی امید ہے۔'' بہادر بخش نے فاطمہ مریم کو پتے کی بات بتائی تھی۔

☆☆☆

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے ہاتھ میں کیلکولیٹر پکڑے۔ اپنے سامنے حساب کتاب کی ڈائری رکھے۔ مہینے بھر کا بجٹ بنانے اور لکھنے میں مصروف تھی۔ مناہل اس کے سامنے بیٹھی ہمیشہ کی طرح فون میں مگن تھی۔

''ہم پاکستانیوں کی ایک ٹریجڈی یہ بھی ہے کہ کیلکولیٹر پر ساری جمع تفریق کر لینے کے بعد بھی انگلیوں پر سارا حساب دوبارہ ضرور کرتے ہیں۔'' اس نے فون پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا تھا اور انگلیوں پر کچھ گنتے ہوئے ماہین کا ہاتھ رک گیا۔

''جیسے ابھی آپ کر رہی ہیں۔'' مناہل ہنسی۔ کیلکولیٹر پر بھروسا نہیں ہے تو اسے کیوں ساتھ لیے بیٹھی ہیں۔''

ماہین نے جواب دینے کے بجائے سر جھٹکا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''یہ ایسے ہی ہے جیسے کچھ لوگ اے ٹی ایم مشین سے پیسے نکال کر انہیں پہلے اچھی طرح ضرور گنتے ہیں۔'' مناہل نے فون تپائی پر رکھ کر انگڑائی لی۔

''کیا پتا پانچ ایک سو کا نوٹ کم یا زیادہ دے دیا ہو مشین نے۔''

''اے ٹی ایم۔'' ماہین چونکی۔ ''ارے میں تو بھول ہی گئی تھی کہ اس روز میرا کارڈ بلاک ہو گیا تھا اور مجھے بینک سے کال بھی آئی تھی اپنا کارڈ لے جاؤ۔''

''تو چلی جایے نا آج لینے۔'' مناہل کہہ رہی تھی اور ماہین کو کارڈ کے ذکر سے وہ لڑکا یاد آ گیا تھا جو اس روز اسے برسوں پہلے کے ان دنوں میں لے گیا تھا جب وہ دل میں ایک آس ایک امید لیے اپنے آبائی علاقے میں واپس آئی تھی اور دوسری بار ماں باپ کے گھر سے نکالی گئی تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ ان دنوں اس کا دل ہمہ وقت کسی انہونی کے خوف میں مبتلا رہتا تھا اور اسی خوف کے سائے میں اس نے نئے سرے سے عملی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ ''وقت گزر جاتا ہے۔'' وہ ان دنوں کو یاد کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ''کیونکہ وقت گزر جانے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن یہ گزرتا، گزر گیا۔ وقت انسان کی شخصیت پر کیسے کیسے اثرات چھوڑ جاتا ہے، یہ خود وقت کو بھی معلوم نہیں ہوتا اور ایک خاص عرصے کے بعد آئینہ دیکھتا انسان اپنا عکس دیکھ کر بعض اوقات دنگ بھی رہ جاتا ہے کہ اس کی شخصیت سر سے پیر تک بدل چکی ہوتی ہے لیکن ظالم اور کٹھور وقت اپنے مخصوص ڈھنگ میں گزرتا چلا جاتا ہے۔''

''لیکن وہ لڑکا!'' اس نے وقت کے خیال سے نکلتے ہوئے سوچا ''ارے اس سے تو میں نے چائے کی دعوت کا وعدہ کیا تھا۔'' اسے یاد آیا۔ ''کیسی بھلکو ہوں میں بھی۔ چاہے وہ انتظار ہی کرتا رہا ہو۔'' اس نے میز پر دھرا اپنا فون اٹھایا اور ناموں کی فہرست دیکھنے لگی۔ ''نام کیا بتایا تھا بھلا اس نے۔'' اس نے ذہن پر زور دینے کی کوشش کی۔ ''ایک تو میرا حافظہ کچھ زیادہ ہی کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے۔''

کچھ دیر یاد کرنے پر بھی اسے نام یاد نہیں آیا۔

''آپ چولہے پر کیا پکنے کے رکھ آئی ہیں۔'' مناہل نے لمبا سانس لیتے ہوئے سوں سوں کی۔ ''لگتا ہے کچھ جل رہا ہے۔''

''اوہ پالک..... میں پالک ابلنے کے لیے رکھ

www.pklibrary.com

کے آئی تھی۔'' ماہین فون واپس رکھ کر کچن کی طرف بھاگی۔ ''میرے پاس بھلا کتنے لوگوں کے رابطہ نمبر ہیں۔ گنتی کے بس چند.....'' چولہا بند کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ایک بار پوری فہرست پڑھنے پر ایک نیا نام فوراً ہی یاد آجائے گا۔

لیکن اسے اس تردود کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ اسی سہ پہر مناہل اپنی ضرورت کی چند چیزیں خریدنے بازار گئی تھی اور واپسی پر اس کے ساتھ وہی لڑکا ماہین کو اپنے لاؤنج میں کھڑا نظر آیا تھا۔

''یہ میرا مہمان ہے مینو ماما!'' وہ اس لڑکے تعارف ماہین سے کرواتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس کا نام معید یوسف ہے اور یہ میری دوست ازکیٰ یوسف کا بھائی ہے۔ ازکیٰ کا ذکر کرتی رہتی ہوں نا میں آپ سے، وہ جو ادھر ہل روڈ پر رہتی ہے۔ وہی جس کے گھر پر ایک بار باربی کیو پارٹی پر میں گئی تھی۔''

''ہوں۔'' ماہین نے اس لڑکے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جس کے چہرے پر اسے اپنے لیے اس وقت شناسائی کا ذرا سا بھی تاثر نظر نہیں آرہا تھا۔

''تو معید ازکیٰ کا بڑا بھائی ہے۔'' مناہل کہہ رہی تھی۔ ''ابھی گھر واپسی پر یہ مجھے شمس چاچا کی دکان کے قریب کھڑا نظر آیا۔ مجھے نہیں معلوم یہ وہاں کیا کر رہا تھا لیکن میں اسے بس اپنے ساتھ پکڑ لائی۔ اب میرے گھر کے قریب آئے تو کافی کا ایک کپ پلائے بغیر تو جانے نہیں دوں گی۔ آپ بیٹھو نا پلیز معید!'' وہ کہتے کہتے معید کی طرف مڑی تھی۔

''میں سات منٹ میں کافی بنا کر لاتی ہوں اور آپ دیکھو گے کہ میرا دعویٰ غلط نہیں ہے۔ میں کافی ایکسپرٹ ہوں۔ مینو ماما، کافی فلٹرز رکھے ہیں نا کچن میں ختم تو نہیں ہوگئے۔'' وہ پوچھتے ہوئے کچن کی طرف مڑ گئی تھی۔

''بیٹھو معید! کھڑے کیوں ہو۔'' ماہین نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرا حافظہ قدرے کمزور ہوگیا ہے۔ میں بالکل بھول گئی کہ اس روز میں نے تمہیں چائے کی دعوت دینے کا کہا تھا۔''

''کوئی مسئلہ نہیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔ ''آج میں اسی ارادے سے اس طرف آیا تھا کہ آپ کی بیل دے کر آپ کو آپ کا وعدہ یاد دلاؤں لیکن اتفاق سے مناہل کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔

''تم مناہل کو جانتے ہو، اس روز تو تم غالباً صرف اس کے بچپن کا ذکر ہی کر رہے تھے۔'' وہ خود اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''جی ازکیٰ کے حوالے سے میں مناہل کو جانتا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔

''لیکن میں نے مناہل سے آپ کا ذکر نہیں کیا۔ آج بھی میں نے اسے نہیں بتایا تھا کہ میں آپ کو کیسے اور کتنا زیادہ جانتا ہوں۔ اس روز آپ سے ہونے والی اس اتفاقیہ ملاقات کا ذکر بھی میں نے اس سے نہیں کیا۔''

ماہین کے سوالیہ انداز میں دیکھنے پر وہ سر جھکا کر ہلکا سا مسکرایا اور پھر سر اٹھا کر ماہین کی طرف دیکھنے لگا۔ ''میں نے اس روز بچوں کی سی مسرت کا ذکر آپ سے کیا تھا نا۔ آج مناہل مجھے یہاں دیکھ کر ایسی ہی مسرت کا شکار نظر آئی۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کے ہاں کم کم ہی کوئی ملاقاتی آتے ہیں۔ وہ مجھے گھر لے آنے پر مصر ہوگئی اور ایسا تو میں خود بھی چاہ رہا تھا تو میں نے سوچا کہ کیوں نا مناہل کے حوالے سے آپ سے نئے سرے سے متعارف ہو جاؤں، اس کا جوش، اس کی خوشی بھی قائم رہے گی اور میرا اور آپ کا بھی اس میں کچھ جانے والا نہیں۔'' ماہین نے دلچسپی سے اس کی بات سنی اور پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ اس لڑکے کی شخصیت میں ایک عجیب طرح کا ٹھہراؤ اور گہرائی تھی جو اس عمر کے بچوں میں کم کم ہی پائی جاتی ہے۔

''ایسا لگتا ہے آپ کو اس گھر میں شفٹ ہوگئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔'' اب وہ کمرے کے در و دیوار پر نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہ زیادہ نہ کم۔'' ماہین نے کمرے کے مختصر

www.pklibrary.com

سامان پر نظر ڈالی۔ ''دراصل ادھر بورڈنگ میں تو مجھے ایک کمرے ایک باتھ روم اور ایک چھوٹے سے کچن والی رہائش ہی ملی ہوئی تھی اور وہ میرے اور مناہل کے کافی بھی تھی تو میرے پاس مختصر رہائش کا مختصر سا سامان ہی موجود تھا۔ یہ پورشن بڑا ہے اور اس کے لیے ٹھیک ٹھاک سامان کی ضرورت ہے جو میں کوشش کر رہی ہوں کہ آہستہ آہستہ بنالوں۔''

''جی جناب۔'' مناہل ٹرے میں کافی کے کپ اور کوکیز جار رکھے کمرے میں واپس آئی۔ ''مینو ماما نے اس کمرے کے لیے نئے پردے اور ایک عدد صوفے بننے کا آرڈر دے رکھا ہے۔ جو آج کل میں ملنے ہی والے ہیں۔'' اس نے ٹرے تپائی پر رکھ کر ایک کپ معید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''مینو ماما اگرچہ چھوٹے بچوں کو حساب پڑھاتی ہیں جن کی کتابوں میں حساب کے زیادہ ادق سوال نہیں پڑھائے جاتے۔ صرف بنیادی چیزیں ہی پڑھتے ہیں بچے لیکن مینو ماما اس استادی کے دوران جمع تفریق میں خاصی طاق ہوچکی ہیں۔ ہم کب کیا خریدنے کی استطاعت رکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے بہت پہلے سے ہی جوڑ توڑ لگا کر رکھا ہوتا ہے۔ یہ کوکیز بھی لونا آپ۔''

اس نے شیشے کے جار کا ڈھکن کھول کر جار معید کی طرف بڑھایا۔

''یہ مینو ماما نے خود بنائی ہیں اور بہت سے کاموں کے علاوہ مینو ماما بیکنگ ایکسپرٹ بھی ہیں ایک اتنا سا اوون۔'' اس نے بازو زرا سے پھیلا کر بتاتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت بھی ہمارے پاس ہوتا تھا جب ہم بورڈنگ میں رہتے تھے۔ اور آج بھی وہ ہمارے پاس موجود ہے اور یہ کوکیز ان کی اسپیشلٹی ہیں۔ یہ انہوں نے اپنی گورنس کیا نام ہے ان کا اس نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے یاد کیا۔ ''ہاں فاطمہ مریم سے بنانے سیکھے ہیں۔ ان کی شیپ دیکھو ذرا آپ، ایک جگہ اکٹھے رکھ دو تو چڑیا گھر کے منظر پیش کریں۔ ہمارے پاس یہ چھوٹے چھوٹے جانوروں والے کٹرز ہی رکھے ہیں تو ہم بس انہی سے بنالیتے ہیں۔''

''افوہ مناہل! تم کتنا بولتی ہو۔'' ماہین جھنجلا گئی۔ ''پہلی بار گھر میں آئے مہمان کو بھلا کوئی اتنی تفصیل کیوں سنائے گا۔''

''بولنے دیں اسے میم، ہمارے گھر میں مناہل کا ذکر اس کے باتونی لیکن بہت دلچسپ باتیں کرنے کے حوالے سے ہی ہوتا ہے۔'' معید نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا۔ ''میم!'' اس نے داد دیتی نظروں سے مناہل کی طرف دیکھا۔ ''مجھے کہنا پڑے گا کہ یہ دوسری بہترین کافی ہے جو میں نے آج تک پی ہے۔''

''اور پہلی بہترین کافی کون سی ہے؟'' مناہل تھوڑا مایوس ہوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''وہ اسلام آباد میں میری پسندیدہ ترین کافی شاپ پر ملتی ہے۔ کبھی ساتھ چلنا تمہیں بھی پلاؤں گا۔''

''اسلام آباد!'' مناہل کے چہرے پر مایوسی چھائی۔ ''جب سے اس جگہ رہنے کے لیے آئی ہوں۔ یہاں سے باہر نکل کر کہیں اور نہیں گئی لیکن یہاں آنے سے پہلے ہم اسلام آباد ہی میں رہتے تھے۔'' اس کے چہرے پر ہلکی سی چمک اتری۔ ''اگرچہ اس وقت میں بہت چھوٹی تھی لیکن مجھے ہلکا ہلکا یاد ہے۔ وہ چھوٹا سا ایک گھر تھا۔ مینو ماما وہاں بھی ایک اسکول میں جاب کرتی تھیں اور وہاں بھی میں ان کے ساتھ ہی اسکول جایا کرتی تھی۔ اس وقت میرے ڈیڈی بھی جاب پر جاتے تھے لیکن پھر وہ بیمار پڑ گئے۔''

''اوہ۔'' معید نے ایک نظر ماہین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''کیا ہوا تھا انہیں؟''

''وہ بچپن سے شوگر کے مریض تھے لیکن انہوں نے اپنی اس بیماری کے ساتھ بڑا اچھا سمجھوتا کر رکھا تھا۔ آپ کو پتا ہے وہ اپنی جوانی میں ایک سپر ایکٹو انسان تھے۔ یہیں یہاں کے بہترین اسکول کے بہترین اسٹوڈنٹ رہے تھے وہ بھی اس اسکول میں

www.pklibrary.com

جا کر اس وقت کا ریکارڈ کھلوا کر دیکھنا میرے ڈیڈی کا نام تمہیں بہترین مقرر، بہترین ایتھلیٹ اور سپر جینیس طالب علموں کی فہرست میں نظر آئے گا۔'' مناہل ٹرانس میں چلی گئی تھی۔

''گریٹ!'' معید نے سر ہلایا۔

''لیکن پھر ایک حادثے میں ان کی ٹانگ پر چوٹ لگ گئی۔'' مناہل نے ٹرانس سے نکلتے ہوئے مایوسی سے کہا۔ ''ڈائبابیٹک تو وہ ہمیشہ سے تھے۔ اسی وجہ سے ان کا زخم ٹھیک ہونے میں نہیں آیا تھا۔ ٹانگ کٹ گئی لیکن زخم کا اثر نہیں گیا۔ وہ تیزی سے پھیلتا رہا۔''

''اوہ آئی ایم سوری۔' معید کی نظر ایک مرتبہ پھر ماہین پر پڑی یہ سب سنتے ہوئے جس کا چہرہ ستا ہوا نظر آرہا تھا۔

''ڈیڈی کی جاب بھی چلی گئی اور ہمارے وسائل بہت ہی کم تھے۔ ایک مونٹیسوری اسکول ٹیچر کی سیلری کتنی ہوتی ہوگی نا۔''

معید نے ایک مرتبہ پھر ماہین کی طرف دیکھا وہ ساکت بیٹھی تھی۔

''ڈیڈی کا علاج ٹھیک سے نہیں ہو پایا اور وہ مر گئے۔'' مناہل نے جیسے کہانی مختصر نوٹ پر ختم کرتے ہوئے کہا۔

''سیڈ، ویری سیڈ!'' معید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس ساری بات میں اسے کس کا دکھ زیادہ بڑا محسوس ہونا چاہیے تھا۔ مناہل کا یا ماہین کا۔

''زندگی بہت آسان نہیں تھی۔'' مناہل نے سر جھٹکا۔ ''زندگی کبھی بھی بہت آسان نہیں رہی ہے۔'' اس نے کپ منہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''مینو ماما! آپ کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' اس نے ماہین کی طرف دیکھا۔

''ہر کسی پر یہ وقت کبھی نا کبھی ضرور آتا ہے مناہل۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''زندگی کسی وقت سب ہی کے لیے مشکل دور ضرور لاتی ہے۔ لیکن پھر وہ وقت بھی گزر ہی جاتا ہے۔''

''ہم پر تو ٹھہر ہی گیا ہے۔'' وہ مایوسی سے کہہ رہی تھی۔ اس کی آواز بھی گھٹی ہوئی تھی۔

''ارے تم نے اس وقت سے اب تک کا اتنا لمبا سفر طے کر لیا اور تم کہہ رہی ہو کہ تم پر وقت ٹھہر ہی گیا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔ ''وہ وقت جب تمہارے ڈیڈ کا انتقال ہوا اور یہ وقت جب تم ایک اچھے اسکول میں پڑھ لینے کے بعد ایک اچھے کالج میں پڑھائی کر رہی ہو، اسلام آباد کے اس چھوٹے سے گھر سے نکل کر پہلے بہترین بورڈنگ اور اب ایک گھر کے ایک پوشن کی رہائی بن چکی ہو۔ تم عمر میں، ذہانت میں، چیزوں کے بارے میں معلومات میں اتنی آگے بڑھ چکی ہو اور پھر بھی سمجھتی ہو کہ وقت تم پر ٹھہر گیا ہے۔ کمال ہے بھئی؟''

اس نے ہنستے ہوئے ماہین کی طرف دیکھا۔

''تمہیں پتا ہے،'' مناہل نے اس کی طرف دیکھا اور پھر رک گئی۔ ''چلو رہنے دو۔ تم پتا چلا کر کر بھی کیا لو گے۔ ایک کپ کافی اور چلے گی؟''

''ہاں ضرور۔'' معید نے اپنا کپ مناہل کی طرف بڑھایا۔ ''یہ بہت اچھی کافی تھی۔''

''دوسری بہترین، پہلی تو نہیں نا۔'' مناہل نے اٹھ کر کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آپ مجھے اس لیے بھی بہت اچھی لگتی ہیں کہ آپ بہت بہادر ہیں۔ ایک فائٹر ہیں آپ اور زندگی سے لڑ سکنے کی صلاحیت رکھنے والے لوگ ہمیشہ سے میرے ہیرو رہے ہیں۔ میری کتابوں کلیکشن میں زیادہ تر ایسے ہی لوگوں کی بائیوگرافیز یا آٹو بائیوگرافیز موجود ہیں۔''

''ضروری نہیں کہ جو نظر آرہا ہو، حقیقت میں بھی ویسا ہی ہو۔'' ماہین نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''آپ کا مطلب ہے مناہل جو بتا رہی ہے اس میں آپ کی اسٹرگل کا ذکر صرف اس لیے ان الفاظ میں کر رہی ہے کہ آپ اس کی والدہ ہیں۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''تم بچوں کی عمر ہی ایسی ہے، کسی بھی کہانی میں

www.pklibrary.com

کوئی بھی ہیرو بن سکتا ہے تم لوگوں کا۔"

"بچوں" اس نے دہرایا اور یوں سر جھٹکا جیسے ماہین کی بات اسے پسند نہ آئی ہو۔ منابل کے لیے تو آپ یہ لفظ استعمال کر سکتی ہیں لیکن میں تو اب بچہ نہیں رہا۔ میں امید ہے اگلے ایک آدھ مہینے میں عملی زندگی شروع کرنے والا ہوں۔ نوکری مل جائے گی مجھے بہت جلد۔"

"میرے لیے تو پھر بھی تم بچے ہی رہو گے نا۔ میرے اسکول کے پرانے اسٹوڈنٹ جس کو میں نے کبھی اس کی جماعت کے ساتھ پڑھائی کا ایک گھنٹہ پڑھایا تھا۔"

"جبکہ میرے قدبت کے سامنے خود آپ بچی نظر آتی ہیں۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "لیکن خیر اس وقت یہ بات زیر بحث ہے بھی نہیں۔ بن گئی تمہاری کافی؟" وہ منابل کو کمرے میں واپس آتے دیکھ کر اس سے مخاطب ہوا۔

"ہاں گرما گرم کافی کے ایک اور کپ کے ساتھ۔" منابل نے ٹرے میز پر رکھی۔ "مینو ماما آپ تو نہیں لیں گی اور کافی؟" اس نے ماہین کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" ماہین نے سر ہلایا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ "تم لوگ باتیں کرو، مجھ سے ٹیوشن پڑھنے کے لیے بچے آنے والے ہیں۔"

"تو آپ انہیں کہاں بٹھا کر پڑھائیں گی؟" منابل نے پوچھا۔

"ابھی تو اپنے بیڈروم میں ہی بٹھا لوں گی۔" ماہین نے جواب دیا اور معید کی طرف دیکھنے لگی۔ "دراصل ہمارے پاس یہ ہی دو کمرے ہیں۔ ایک بیڈروم دوسرا یہ والا کمرہ، کوئی دوسرا لاؤنج ڈرائنگ روم، ڈرائنگ روم کچھ بھی نام دے سکتا ہے۔"

"اوہ..... پھر تو آپ کو مسئلہ ہوگا۔" وہ پریشان ہوا۔ "میں ایسا کرتا ہوں، اب چلتا ہوں۔"

"ارے نہیں۔" ماہین نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھے رہنے کو کہا۔ "مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ تم لوگ آرام سے بیٹھ کر باتیں کرو۔"

"سہ پہر کے وقت پڑھنے کے لیے آنے والے دونوں بچے کسی پرائیویٹ اسکول کے طالب علم تھے اور ماہین کو ان کے ساتھ زیادہ سر نہیں کھپانا نہیں پڑتا تھا۔ انہیں حساب کے سوال حل کرنے کے لیے دینے کے بعد وہ بیڈ کی پٹی سے کمر ٹکا کر بیٹھی تھی۔ لاؤنج سے باتوں اور کبھی کبھار بلند آواز میں ہنسنے کی آوازیں اس کمرے تک سنائی دے رہی تھیں۔

"یہ آج کے بچے۔" اس نے سوچا۔ "کس قدر بے ساختہ اور صاف گو ہوتے ہیں۔ اپنے بارے میں کچھ بھی صاف صاف کہہ دیتے ہیں جبکہ ہمارے وقت میں۔" اس نے یاد کیا "امی خاص طور پر تاکید کرتی رہا کرتی تھیں کوئی کتنا بھی قریبی دوست کیوں نہ ہو گھر کی بات اس سے نہیں کہنی، اچھی بچیاں گھر کی باتوں کا بھرم رکھتی ہیں۔"

"اچھی بچیاں!" اس کے دل میں تیس سی اٹھی۔ امی نے اچھی بچی بننے کے سارے سبق ذہن نشین کرائے اور میں ہی ان کی آئیڈیل اچھی بچی نہ بن پائی۔"

وہ اس خود احتسابی کے عمل میں ہمہ وقت مگن رہتی تھی وہ ذرا سے توقف کے بعد دوبارہ اسے اپنی طرف کھینچنے لگا تھا جب ہی لاؤنج سے بلند آواز میں قہقہہ لگنے کی آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

"اور اس کو دیکھو منابل کو یہ اتنی بڑی کب ہو گئی کہ کبھی بھی راہ چلتے کسی کو بھی پکڑ کر گھر لے آنے لگی۔ اب یہ لڑکا اس کی دوست کا بھائی ہے تو اس کا مطلب یہ کیسے ہو گیا کہ اسے اتنی بے تکلفی سے گھر لے آیا جائے اور لا کر میرے سامنے کھڑا کر کے تعارف بھی کروانے لگے۔ امی اور بابا تو جب تک میرے کسی ساتھی کو دوست کو اچھی طرح اسکین نہیں کر لیتے تھے اسے گھر میں لانے کی اجازت نہیں ملتی تھی۔ لیکن وہ تم ہی تھا جس کے معاملے میں دونوں دھوکا کھا گئے۔ ہمارے زمانے میں والدین کو ایک کریز یہ بھی ہوا کرتا تھا کہ کلاس کا سب سے ذہین، لائق ٹاپ کرنے

www.pklibrary.com

والا بچہ ان کے بچے کے حلقہ احباب میں کسی طرح شامل ہوجائے۔ یہ ہی کریز 'ٹم' کو گھر تک لے آیا اور اسے قبولیت کی سند بھی بخش گیا، کیا ہی اچھا ہوتا جو اس کا آگا پیچھا بھی اسکین کرلیا جاتا۔ لیکن اس کا بھوت تو خود مجھ پر سوار تھا۔ امی بابا میرے بہانوں کے سامنے کتنا ٹھہر سکتے تھے۔ پھر بھی اسے گھر پر بلاتے رہنے کے لیے مجھے فاطمہ مریم کا سہارا لینا پڑا تھا۔"

اس کا دھیان پھر سے لاؤنج کی طرف چلا گیا۔

"لیکن یہ مناہل اتنی بے ساختہ ہے کہ کسی چیز، کسی کام کے لیے بہانے بھی نہیں تراشتی۔، جو ہے بس صاف صاف کہہ دیتی ہے۔ اور میرے دل میں بیٹھا اپنا چور اسے کسی ایسی بات سے سختی سے منع بھی نہیں کر پاتا۔

وہ کڑھ کر سوچ رہی تھی۔ "چلو اسے اپنے گھر لے ہی آئی تھی تو اپنے حالات زندگی صاف صاف سنانے کی بھلا کیا ضرورت تھی انسان کچھ تو اپنا بھرم رکھتا ہے۔"

اور جب اس رات یہ ہی بات اس نے مناہل سے کہی تو جواب میں وہ لاپرائی سے ہنس دی۔

"اس میں کیا غلط ہے بھلا۔ ہم جو ہیں وہیں ہیں اور ہم سے ملنے والوں کو ہمارے بارے میں کوئی مغالطہ نہیں ہونا چاہیے۔ ظاہری بھرم تو جھوٹے اور منافق لوگ بناتے ہیں۔"

"ہم سے ملنے والے۔" ماہین نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔ "راہ چلتے لوگوں کو پکڑ کر گھر لے آنے پر وہ ملنے والے بن جاتے ہیں کیا۔"

"بالکل" مناہل نے دونوں ہاتھوں میں ایک ایک اخروٹ پکڑ رکھا تھا۔ جنہیں وہ کسی ماہر کرتب باز کی طرح ہوا میں اچھال کر واپس دبوچ رہی تھی۔

"اس چھوٹی سی جگہ میں روزانہ ایک جیسے لوگ ہی تو راہ چلتے ملتے رہتے ہیں۔ ان میں سے جو ہمیں بھاتے ہیں اور جن کو ہم بھاتے ہیں وہی ملنے والے بن جاتے ہیں۔"

"لیکن اس لڑکے اور تمہارا کیا جوڑ ہے جو اسے ملنے والا بنالیا جائے۔" یا ماہین زیادہ تر مناہل سے بحث کرنے سے گریز کرتی تھی لیکن اس روز اسے خود بھی نہیں پتا لگ رہا تھا کہ وہ اس پر کیوں خفا ہو رہی تھی۔

"ارے۔" مناہل کے مسلسل حرکت کرتے ہاتھ رکے۔ "وہ ازکی کا بھائی ہے۔ اکثر ملتا رہتا ہے۔"

"کہاں؟" ماہین چونکی۔ "کہاں ملتا رہتا ہے؟"

"کبھی ازکی ہی کے گھر پر کبھی یونہی آتے جاتے راستے میں۔ وہ اجنبی تو بالکل بھی نہیں ہے۔" وہ دوبارہ اخروٹ اچھالنے میں مشغول ہوئی۔

"لیکن....." ماہین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مناہل کی اس بے نیازی پر اسے کیسے سمجھائے۔

"لیکن یہ کوئی اچھا لگتا ہے۔"

"کیا اچھا نہیں لگتا؟" مناہل نے ایک بار پھر ہاتھ روک کر پوچھا۔

"یہ ہی اس لڑکے سے میل جول یا تو وہ تمہارا کوئی پرانا کلاس فیلو ہوتا یا اس کے والدین میرے بھی واقف کار ہوتے پھر تو کوئی تک بھی بنتی تھی۔"

"ارے جانے دیں مینو ماما! اس محدود سی زندگی میں کتنے ہی لوگ ہیں جو ہم سے ملنا چاہیں گے۔ گنتی کے چند ایک تو جو ملنا چاہتا ہے اور مل لیتا ہے اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ہر نئی بات پر کڑھ کڑھ کر دل جلانا چھوڑ دیں۔ یہ تو وہی۔ رویہ ہے جو آپ کی والدہ آپ کو دیا کرتی تھیں۔ کیا آپ نے ان کے کڑھنے سے ڈر کر ڈیڈ سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ یا اپنے باقی دوستوں سے۔" وہ کچھ دیر ماہین کی طرف دیکھتی رہی۔

"نہیں نا!" اس نے سر ہلایا۔ "تو یہ تو بہت آگے کا زمانہ ہے۔ اب کسی لڑکے سے دوستی کا مطلب ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ بھاگ جانا ہی ہو۔ دوستی کو مثبت رنگ میں بھی لیا جاسکتا ہے۔"

ماہین کو جیسے مناہل کے الفاظ نے طمانچہ رسید کیا تھا۔ یہ اس کا ماضی ہی تو تھا جس کی چبھن مناہل کی پر ہٹ دھرمی کے سامنے اس کا منہ بند کرائے رکھتا تھا۔

www.pklibrary.com

اس کے چہرے پر کرب اتر آیا۔ سیانے سچ ہی کہتے ہیں۔ انسان اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔

"ہرٹ مت ہوں، یہ کوئی ریلیٹی چیک نہیں تھا جو میں نے آپ کو دیا۔ میرا مطلب صرف اتنا تھا کہ اپنے بچوں کو ٹرسٹ کرنا سیکھنا چاہیے۔ پازیٹو سوچ رکھنی چاہیے۔ اتنی لٹ بھی نہیں پڑی ہوئی دنیا میں کہ ہر رشتے اور تعلق میں خرابی ہی نکل آئے۔" مناہل نے اپنے تئیں اسے اس احساس سے نکالنے کی کوشش کی تھی۔

"ہیلو مینو ماما!" اس کی مکمل خاموشی پہ اس نے گلا کھنکار کر اسے مخاطب کیا۔

"کچھ نہیں۔" ماہین نے چونک کر کہا تھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں بکھری چیزیں، سمیٹنے میں مصروف ہوئی۔

"افوہ!" کھڑکی کے قریب رکھی تپائی پر پڑے ٹائمز اور ریڈرز ڈائجسٹ کے شمارے دیکھ کر اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "واپس کرنا بھول گئی۔" وہ بلند آواز میں بڑبڑائی تھی۔ "چلو کل صبح صبح باہر نکل کر جارج یا سیمکا کو پکڑنے کی کوشش کروں گی۔ انہی کے ہاتھ واپس بھجوا دوں گی۔"

اگلی صبح جارج اور سیمکا کے انتظار میں سیڑھیوں پر کتنی ہی دیر کھڑے رہنے کے بعد ان کے نظر نہ آنے پر جب وہ واپس کمرے میں آئی تو اس نے دیکھا دونوں پرچے اپنی جگہ سے غائب تھے۔

☆☆☆

اس گھر کی عمودی سبز چھتیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں اور اس کے اردگرد وسیع اور کشادہ قطعہ زمین بھی برف کی ہلکی تہہ نظر آ رہی تھی غالباً اس قطعے اور اس کی طرف آنے ڈھلوانی راستے پر سے کچھ دیر پہلے ہی برف ہٹائی گئی تھی۔

"پرفیکٹ کنٹری سائیڈ لائف کا منظر" اس نے ڈھلوانی راستہ طے کر اس قطعے کے چاروں طرف لگی لکڑی کی سبز باڑھ کے قریب رک کر سانس لیتے ہوئے سوچا۔

"اس کاٹیج کے اندر زندگی کتنی پر آسائش اور گرم ہوگی نا، باہر کے موسم سے بالکل بے خبر اپنی مخصوص ڈگر پر چلتی ہوئی۔" وہ اس گرم، آرام دہ ماحول کا تصور کرتے ہی خوش ہوگئی۔ "میرا خیال ہے اب اندر جایا جائے۔" اس نے لکڑی کی باڑھ کے درمیان ایک جگہ لگے چھوٹے سے دروازے پر لگا کنڈا اٹھاتے ہوئے سوچا۔

فضا میں ہو کا عالم طاری تھا۔ اتنی خاموشی، اتنا سناٹا، اس نے سر جھٹکا۔ جیسے یہاں کوئی ذی روح رہتا ہی نہ ہو۔

اسے بچپن میں پڑھی پر اسرار کہانیاں یاد آ گئیں۔ داخلی دروازے پر لٹکتے سنہری ہینڈل کو دیکھ کر اسے ذرا اطمینان ہوا۔ "پرانی انگریزی فلموں کی طرح شاید ایسے ہی دروازے پر بجا کر اپنی آمد کی اطلاع دی جاتی ہوگی۔" اس نے کنڈا دروازے کے ساتھ بجایا، مسلسل تیسری بار بجائے جانے پر ہی دروازہ اس کے لیے وا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

"وہ مناہل ہے، مینو بٹیا کی بیٹی مناہل۔ آپ سے ملنے کے لیے آئی ہے۔" فاطمہ مریم ان کے اسٹڈی ٹیبل کے قریب کھڑی بتا رہی تھیں۔ اور وہ سامنے خلا میں نظریں جمائے سن رہے تھے۔

"اسے نیچے مہمانوں کے کمرے میں بٹھایئے، اس کی اچھی خاطر تواضع کیجیے، بلکہ خود پہلے اس سے پوچھ لیجیے کہ اسے کھانے میں کیا پسند ہے۔ چائے، کافی، ہاٹ چاکلیٹ جو بھی پسند ہو، پیش کیجیے۔" خاصے توقف کے بعد انہوں نے اپنی خاموشی توڑتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ سب تو میں پہلے ہی کر چکی ہوں۔ اسے یہاں آئے گھنٹہ سوا گھنٹہ تو ہو ہی چکا ہوگا۔" فاطمہ مریم ہاتھ باندھے ادب سے کہہ رہی تھیں۔

"ہوں، انہوں نے سر ہلایا اور ابرو چڑھا کر فاطمہ مریم کی طرف دیکھا۔ "تو اب۔"

"اب وہ آپ سے ملاقات کی خواہش مند

www.pklibrary.com

ہے؟"

"مجھ سے مل کر کیا کرے گی وہ۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولے۔ "مجھ سے ملنے کی کیوں خواہش ہے اسے۔"

"مل لیجیے صاحب، وہ مینو بٹیا کی بیٹی ہے۔" فاطمہ مریم نے ایک بار پھر یاد دلایا۔

"وہ۔" انہوں نے اپنے سامنے میز پر دھرا اخبار اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کسی اور کی بھی بیٹی ہے۔ شاید آپ بھول گئیں۔"

"نہیں بھولی صاحب! مگر اس میں اس بچی بے چاری کا کیا قصور ہے۔" فاطمہ مریم کو یہ بات کہتے ہوئے دل کڑا کرنا پڑ رہا تھا۔ جواب میں انہیں کچھ بھی سننے کو مل سکتا تھا۔

"آپ کے علاوہ اس کا رشتہ ہی کون سا ہے۔ خدا جانے کتنے شوق اور محبت سے ملنے چلی آئی۔"

"مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں مت الجھائیں فاطمہ مریم!" وہ جز بز ہوتے ہوئے بولے۔ "میں نے کہا نا....." دروازے پر پڑنے والی دستک نے انہیں اپنی بات ادھوری چھوڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ فاطمہ مریم نے پیچھے مڑ کر دروازے کا ہینڈل دبایا۔ دروازے میں وہ کھڑی تھی۔ سولہ ساڑھے سولہ سالہ وہ لڑکی جس نے گرم لانگ شوز پر سیاہ گرم لانگ کوٹ پہن رکھا تھا جس نے اس کو مکمل طور پر خود میں لپیٹ رکھا تھا۔ سر پر گرم اونی ٹوپی اور ہاتھوں پر اونی دستانے چڑھائے وہ ان کی کتاب زندگی میں لکھے۔ ان کے ماضی کے کسی باب کی تصویر کی صورت ان کی نظروں کے سامنے کھڑی تھی۔

"السلام علیکم گرینڈ پا!" اس نے وہیں دروازے میں کھڑے بلند آواز میں کہا تھا۔

"کیا میں اندر آسکتی ہوں۔"

انہوں نے الجھتے ہوئے فاطمہ مریم کی طرف دیکھا تھا جیسے اس آمد میں سارا قصور ان کا ہو۔ فاطمہ مریم بنا کچھ اور بولے منظر سے غائب ہوتے ہوئے کھلے دروازے سے باہر نکل گئیں۔

"میں جانتی ہوں آپ میری یہاں آمد کا سن کر بالکل بھی خوش نہیں ہوئے ہوں گے۔" فاطمہ مریم کے جانے کے بعد وہ اندر آکر دروازہ بند کرتے ہوئے بولی۔ "واؤ" پھر اس کی نظر آتشدان میں جلتی لکڑیوں پر پڑی اور وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ گئی۔ "لیکن ضروری تو نہیں کہ ہم زندگی میں ہونے والے ہر نئے واقعے پر خوش ہی ہوں۔" اس نے دستانے اتار کر ہاتھ آگ کے قریب لے جا کر انہیں تاپتے ہوئے کہا۔

"میری آپ کے پاس اچانک آمد ایک واقعہ ہی ہے نا۔" پھر اس نے ان کی طرف دیکھ کر جیسے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"کیسے آنا ہوا ادھر۔" وہ اسی سپاٹ لہجے میں بولے۔ "یہ اس نے کوٹ کے بٹن کھول کر اس کے اندر چھپائے پرچے نکالے۔" آپ کی امانت ہمارے گھر پڑی تھی، سوچا، آپ کو واپس کر دوں۔" اس نے اسٹڈی ٹیبل کے قریب آکر پرچے اس پر رکھتے ہوئے کہا۔ اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو!" نجانے کیوں اور کیسے یہ لفظ ان کے منہ سے نکل گیا اور وہ بے تحاشا خوش ہو گئی۔ "رئیلی" اس نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے جواب سے پہلے ہی جلدی سے ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی مبادا وہ یہ پیشکش واپس نہ لے لیں۔

"آپ کا گھر نا۔" اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ "بہت رائلی ہے رائل مطلب شاہانہ!" اس کی نظریں واپس ان کے چہرے پر آکر رک گئیں۔

"مینو ماما نے مجھے بتا رکھا ہے کہ آپ کو اردو میں انگریزی کے ٹانکے لگانے بالکل بھی پسند نہیں۔ میری اردو بس ٹھیک ہی ہے اور انگریزی۔" وہ مسکرائی۔ "وہ تو آج کل میری عمر کے تقریباً ہر بچے کی ٹھیک ہی ہوتی ہے۔"

وہ آج کل کیا کر رہی ہے۔ میرا مطلب ہے

www.pklibrary.com

تمہاری ماں۔" انہوں نے اس کی کوئی بھی وضاحت خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

"چھٹیاں چل رہی ہیں آج کل۔" اس کی نظریں دیوار پر لگی پینٹنگ پر جم گئی تھیں۔

"اور چھٹیوں کا مطلب فرصت ہی فرصت۔" "کچھ کرنے کو نہیں۔"

"نہیں نہیں نہیں۔" وہ ہاتھ ان کے سامنے پھیلا کر انہیں روکتے ہوئے بولی۔ "وہ فارغ بیٹھنے کی تو عادی ہی نہیں ہیں۔ فرصت میں بھی کام ڈھونڈ لیتی ہیں۔"

"تو پھر......"

"پھر یہ کہ وہ آج کل کچھ بچوں کو صبح، کچھ کو پچھلے پہر ٹیوشن پڑھاتی ہیں اور آن لائن کلاسز بھی لیتی ہیں، مونٹیسوری ایڈوانس کورسز کی۔"

"ہمم۔" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اور تم......تم کیا کرتی ہو؟"

"میں!" وہ بے تکلفی سے مسکرائی۔ "میں سوچ رہی ہوں کہ باقی کی چھٹیوں میں کسی سے ٹیوشن پڑھ لوں۔ میری ریاضی اور فزکس ذرا کمزور ہیں۔ معذرت خواہ ہوں مجھے بھول گیا کہ فزکس کو اردو میں کیا کہتے ہیں۔"

"ماں محنت کر کے اضافی پیسے کمانے کی کوشش کر رہی ہے اور تم پیسے کمانے میں اس کی مدد کرنے کے بجائے اس کے کمائے ہر چند پیسے اڑانے کا منصوبہ بنا رہی ہو۔"

"وہ کیسے؟" وہ حیران نظر آئی۔

"ریاضی اور طبیعات کے سبق کسی سے پڑھنے جاؤں گی تو کوئی مفت میں تو نہیں پڑھائے گا۔"

"کیوں نہیں پڑھائے گا۔" وہ شانے اچکا کر بولی۔ "آپ کو نہیں پڑھانے آتے یہ دونوں مضمون، ریاضی اور طب، مطلب......" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے فزکس کو اردو میں کیا کہا تھا لیکن وہ لفظ اس کی زبان پر چڑھ کر نہیں دیا۔ "طب مطلب فزکس۔"

"نہیں۔" انہوں نے یوں جواب دیا جیسے کہنا چاہتے ہوں کہ اگر میں یہ مضمون پڑھا سکتا تو بھی تمہیں کیوں پڑھاتا۔

"اوہ۔" اس نے مایوسی سے ہونٹ بھینچ چلیں۔ "میں کسی اور کا پتا کر لوں گی ضروری تو نہیں کہ ہر کوئی روپے کے بدلے تعلیم دیتا ہو، کوئی یہ کام کار خیر سمجھ کر بھی تو کرتا ہوگا۔" مناہل نے محسوس کیا کہ اس کی آمد پر ناگواری کا اظہار کرنے کے باوجود وہ اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

"خیر، اس نے ان کے اس انداز سے صرف نظر کرتے ہوئے کہا۔" آپ کی اس لائبریری میں بے شمار کتابیں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان میں سے کچھ میری دلچسپی کی بھی ہوں گی۔" وہ اٹھ کر دیوار گیر الماریوں میں سے ایک کے قریب چلی گئی۔

"یہ کتابیں تمہاری عمر اور ذہنی استطاعت سے بڑی ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"سب کی سب۔" وہ ان کی طرف مڑی۔ "آپ نے تو غالباً یہاں ایک کڈز سیکشن بھی بنا رکھا ہے جس میں وہ سب کتابیں رکھی ہیں جو آپ نے کبھی مینو ماما کے لیے خریدی تھیں۔ فیری ٹیل اسٹوریز، گولڈی لاک اور تین بھالو، سنڈریلا، ریڈ رائڈنگ ہڈ، سلیپنگ بیوٹی، راپنزل، اور وہ سر اٹھا کر یاد کر رہی تھی۔" براد رز گریم اسٹوریز، ہانس کرسچن اینڈرسن۔" وہ بولتی کمرے کے اس کونے میں چلی گئی جہاں دو عدد پکولینو لٹل ریڈرز صوفے رکھے تھے، ہلکے گلابی رنگ کے ان صوفوں کے نیچے چھوٹا سا ارغوانی رنگ قالین بچھا تھا۔

"یہاں" اس نے ایک صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھا۔ "غالباً یہاں مینو ماما بیٹھا کرتی تھیں اور ان کی دلچسپی کی کتابیں پڑھ کر انہیں سنانے کے لیے یہاں آپ بیٹھتے ہوں گے۔ میں تصور کر سکتی ہوں کہ وہ ایک دلچسپ منظر ہوتا ہوگا۔" اس نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا جو ایک بار پھر خلا میں نظریں جمائے شاید وہاں یہ ہی منظر دیکھ رہے تھے۔

www.pklibrary.com

''چلیں خیر۔'' اس نے اپنے کوٹ کے بٹن بند کر کے بیلٹ باندھی۔ ''میں اب چلتی ہوں۔ آپ کے رسالے آپ کو واپس پہنچ گئے۔ ایک رسید پر وصولی لکھ کر دستخط کر دیجیے۔ مینو ماما کو تسلی ہو جائے گی۔''

''نہیں۔'' بلا ارادہ ان کے منہ سے یہ لفظ نکلا تھا اور وہ رک کر ان کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔ ''تم بیٹھو، دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھا کر جانا۔'' ان کا ہاتھ میز کے نیچے لگے گھنٹی کے بٹن پر جا رکا تھا۔

☆☆☆

''تم بابا کے پاس گئی تھیں؟'' اس کی گھر واپسی شام ڈھلے ہوئی تھی اور ماہین جو اس تاخیر پر جھلائی بیٹھی تھی یہ سن کر مزید جھلا گئی تھی کہ وہ صبح سے اس وقت تک کہاں تھی۔

''تم نے تو مجھے میسج کیا تھا کہ تم زارا کی طرف پڑھائی کی غرض سے بیٹھی ہو۔''

''اس لیے کہ اگر میں آپ کو اصل بات بتا دیتی تو آپ میرے پیچھے وہاں پہنچ جاتیں اور کان سے پکڑ کر گھر واپس لے آتیں۔'' وہ بے نیازی سے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ سے چپس نکال کر کھاتے ہوئے بولی تھی۔ ماہین دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھتے اسے گھور رہی تھی۔

''ہاں نا۔ بہت بے عزتی ہوتی میری جو آپ ایسا کرتیں۔'' وہ ہاتھ پھیلاتے ہوئے بولی۔

''مناہل تم جانتی ہو بابا ہمارا اپنے ہاں جانا کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے۔'' ماہین نے بے بسی سے کہا۔

''اچھا۔'' وہ جیسے چونکی۔ ''لیکن مجھے تو ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا۔'' اس نے سر ہلایا۔

''میں تو وہ میگزین واپس کر کے گھر آ جانا چاہ رہی تھی لیکن انہوں نے مجھے روک لیا۔'' ماہین کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

''ہاں!'' وہ اسے یقین دلانے کے انداز میں بولی۔ ''انہوں نے واقعی مجھے روک لیا اور کہنے لگے کہ دوپہر کا کھانا ان کے ساتھ کھاؤں۔''

''جھوٹ۔'' ماہین نے سختی سے کہا۔ ''اس موسم میں وہ دوپہر کا کھانا نہیں کھاتے۔''

''لیکن آج تو کھانا کھالیا۔ میرے ساتھ۔'' مناہل جھٹلانے جانے کی پروا نہ کرتے ہوئے بولی۔ ''ان کا مینو بھی بہت اچھا تھا۔ چکن پلاؤ، چکن روسٹ اور کوفتے، ساتھ میں سلاد بھی تھا اور ہاں آکر میں بہت مزے کی پڈنگ بھی تھی۔ فاطمہ مریم کھانا بنانے کی ماہر ہیں۔''

''چکن پلاؤ، چکن روسٹ اور کوفتے۔'' ماہین اپنی بیٹی کو مزید جھٹلا نہیں سکی تھی۔ کھانوں کی یہ ترتیب اسے کیسے بھول سکتی تھی۔ یہ ان کا پسندیدہ ترین مینو تھا۔

''اور ہم نے ڈھیر ساری باتیں کیں۔ مجھے ایسے لگا جیسے ان سے باتیں کرتے ہوئے میں کسی فیری ٹیل کا حصہ بن گئی تھی۔ وہ سب آؤٹ آف دی ورلڈ لگ رہا تھا۔ امیزنگ، ناقابل یقین۔'' وہ کسی منظر میں کھوئی نظر آ رہی تھی۔

''آپ کے بابا کے گھر میں برتن بھی بہت خوب صورت ہیں وہ ایک پرفیکٹ لنچ ٹیبل تھا جس کی بھرپور خواہش کی جا سکتی ہے اور چینی کا وہ ٹی سیٹ جس کے کنارے پر پنک پھولوں کی لیس سی بنی ہوئی تھی اور جس کے وسط میں انہی پھولوں کی رتھ میں کسی انگریز نواب اور اس کی بیگم کی تصویر بنی تھی۔ لکڑی کے فرش اور چھتوں والے اس گھر میں بیٹھے مجھے لگا جیسے میں فرون وسطیٰ کی کسی کہانی کا کردار ہوں۔''

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔'' ماہین کو یقین آ چکا تھا وہ جو کہہ رہی تھی صحیح کہہ رہی تھی اسی لیے دانت پیس کر اس کا شانہ جھنجوڑتے ہوئے بولی۔ ''یوں زبردستی بھی کبھی کوئی کسی کے گھر گھستا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے تم خود بھی وہاں جانے پر ناپسندیدگی کا اظہار ہی کرتی رہی ہو۔ مجھے یقین ہے انہیں بہت برا لگا ہوگا۔''

''نہیں برا لگانا میں بتا رہی ہوں آپ کو۔'' مناہل نے اپنا کندھا چھڑاتے ہوئے کہا۔

''جو بھی ہے تم نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے بتائے

www.pklibrary.com

بغیر وہاں جا گھسیں، ایک تو یہ چھٹیوں کی بے حد فرصت اور تمہارے ایڈوینچرز۔" ماہین نے سر جھٹکا۔ "مجھ سے وعدہ کرو دوبارہ یہ حرکت نہیں کرو گی۔" اس نے انگلی اٹھا کر تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ "چھٹیوں کا فائدہ اٹھا کر اپنا کورس دہرانے کے بجائے تم کن کاموں میں لگ گئی ہو۔ کیا سوچتے ہوں گے وہ۔"

"فکر نہ کریں، کچھ نہیں سوچیں گے وہ۔ میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ میں آپ کو بتائے بغیر وہاں گئی تھی۔" مناہل نے اسے اس شرمندگی سے نکالنے کی خاطر بتایا جو اس کی ماں محسوس کر رہی تھی۔ "باقی رہ گیا کورس تو اس کا بندوبست بھی میں نے کر لیا ہے۔" وہ دوبارہ سے چپس کھانے میں مشغول ہوئی۔

"کیا بندوبست۔" ماہین نے چونک کر دیکھا۔

"واپسی پر راستے میں ازکی اور اس کے دونوں بھائی مل گئے تھے۔ ایک وہی جو اس روز ہمارے گھر بھی آیا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔ "دوسرا بھائی ازکی سے چھوٹا ہے۔ ان کے ساتھ اسٹار کیفے میں کافی پینے بیٹھ گئی تھی۔"

ماہین کو ایک اور شاک پہنچاتے ہوئے کہا۔ "ازکی کے ابا سول انجینئر ہیں۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ ازکی کو گھر میں میتھس اور فزکس وہی پڑھاتے ہیں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں بھی روزانہ اس کی طرف جا کر اس کے ابا سے پڑھ لیا کروں۔ بالکل فری وہ کوئی فیس نہیں لیں گے۔ بس ازکی کے ساتھ ٹائم سیٹ کرنا باقی ہے۔"

وہ اپنے متعلق کوئی بھی فیصلہ لینے کے بعد ماہین کو صرف اطلاع دے دینے کی عادی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ماہین اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"ہاں تو اب اور کیا۔" ماہین کے یوں دیکھنے پر مناہل پہلی بار جھنجھلائی۔ "ایسا موقع کہاں ملتا ہے بھلا یہ جو اکا دکا لوگ یہاں اکیڈمیز چلا رہے ہیں ان کی فیس پتا ہے آپ کو کتنی ہے، ایسے میں کوئی قابل بندہ فری پڑھانے پر تیار ہو جائے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے۔"

"کہاں رہتی ہے ازکی؟" ماہین کے لیے اس نے بحث کرنے کی کوئی وجہ نہیں چھوڑی تھی۔

"ہل روڈ پر۔ بتایا تو تھا اس روز آپ کو۔" وہ میز پر دھرا ٹی وی کا ریموٹ اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

☆☆☆

"مینو بٹیا کی بٹیا بڑی جی دار ہے فاطمہ بی بی۔" بہادر بخش فاطمہ مریم کے ساتھ اس روز پینٹری صاف کروا رہا تھا۔ "اسے دیکھ کر اس روز ہم دونوں کی تو سٹی ہی گم ہو گئی تھی کہ صاحب کو کیسے بتائیں، وہ ان سے ملنے آئی تھی۔ لیکن وہ تو خود جا کر کھڑی ہو گئی صاحب کے سامنے۔" اس نے شیلف صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا باپ بھی ایک بار یوں ہی صاحب کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔" فاطمہ مریم نے چاولوں کے کنستر پر کپڑا مارتے ہوئے سوچا۔

"اور دیکھ لیں پھر صاحب نے اسے کھانے پر روک لیا۔" بہادر بخش نے دانت نکالے۔

"بڑی باتیں کر رہے تھے اس کے ساتھ۔ میں نے تو صاب کو مدت بعد اتنی باتیں کرتے دیکھا اس روز اپنی مینو بٹیا سے تو گنی چنی باتوں سے زیادہ نہیں کرتے۔"

"مینو بٹیا اور صاحب کے درمیان گفتگو کے سلسلے پر فاصلے کی برف جم چکی ہے بہادر بخش! فاصلہ جو توقع کی شکست پر پیدا ہوتا ہے اور امید کے دم توڑ جانے پر اپنی جگہ ساکت ہو جاتا ہے۔ اور جسے پاٹنے میں کبھی کبھی صدیاں بھی لگ جاتی ہیں۔" فاطمہ مریم نے چینی کا مرتبان صاف کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔"

"اتنی بڑی بڑی باتیں واقعی میری سمجھ میں نہیں آسکتیں پر میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ صاحب اور مینو بٹیا کے بیچ میں مرحومہ بیگم صاحب کی ضد اور ناراضی اڑ چکی ہے۔ اور اللہ بخشے ان مرحومہ کا احترام دونوں کے دل میں اتنا زیادہ ہے کہ دونوں ہی جرأت نہیں کرتے اسے درمیان سے ہٹانے کی۔"

www.pklibrary.com

''واہ بہادر بخش!'' فاطمہ مریم مسکرائیں۔ ''تم تو بڑے سیانے ہو گئے ہو۔''

بہادر بخش سینہ چوڑا کرتے ہوئے کچرا پھینکنے کے لیے کمرے سے باہر چلا گیا۔

''کہتا تو یہ سچ ہی ہے۔'' فاطمہ مریم نے آم کے مربے کی برنی کے اندر جھانکتے ہوئے سوچا۔ ''مینو بٹیا کی بٹی جی دار تو ہے۔ اس روز مجھے کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا کہ صاحب اس کی طرف دیکھیں گے بھی لیکن اس نے میرے خیال کو غلط ثابت کر دیا۔ چھوٹی سی تھی جب دو چار بار ماں کے ساتھ یہاں آئی لیکن یہاں اسے کبھی بھی خوش آمدید نہیں کہا گیا، جب ہی شاید اس نے ماں کے ساتھ آنا چھوڑ دیا تھا۔ اور اب اتنے سالوں بعد اس کے جی میں نجانے کیا آئی کہ اکیلی ہی ادھر آ گئی۔ اور میں بھی تو اس کو دیکھ کر ایسی نہال ہوئی کہ اسے سامنے بٹھا کر دیکھتی رہی۔ اس کی خاطر تواضع میں ہی مگن رہی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کچھ اسے پیش کر دوں اور اسی چکر میں ڈھنگ سے مینو بٹیا کے بارے میں کچھ پوچھ ہی نہیں سکی۔''

انہیں رہ رہ کر افسوس ہوتا تھا کہ وہ مناہل سے مینو کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں لے پائی تھیں۔

''بہادر بخش! اسے کچن میں لے چلو۔'' انہوں نے آم کے مربے کی برنی بہادر بخش کو پکڑائی۔ ''جالا پڑ گیا ہے مربے میں، کھانے کے لیے جی اتنے کم ہیں اس گھر میں لیکن ہمیشہ کی طرح اچار، چٹنیاں اور مربے یوں بنتے ہیں جیسے کھانے والوں کی بارات رہتی ہو۔ ہو گیا نا ضائع یہ مربہ۔'' انہوں نے افسوس سے سر ہلایا۔

☆☆☆

اور وہ جن سے مناہل ملنے کے لیے آئی تھی اس وقت بھی اپنی لائبریری میں کتابوں کی ایک الماری کے سامنے کھڑے تھے۔ جس میں بچوں کے ماہانہ رسالوں کے پرانے شمارے ترتیب وار لگے تھے۔

''آپ نے تو غالباً یہاں ایک کڈز سیکشن بھی بنا رکھا ہے۔ گولڈی لاک اور تین بھالو، سنڈریلا، ریڈ رائڈنگ ہڈ، برادرز گریم سٹوریز، ہانس کریسچن اینڈرسن۔'' ان کے کانوں سے مناہل کی آواز ٹکرائی تھی۔

''میں تمہیں بتانا بھول گیا کہ میں نے اسے صرف فیری ٹیلز ہی پڑھنے کے لیے نہیں دی تھی۔'' انہوں نے تصور میں مناہل کو مخاطب کرتے ہوئے سوچا۔

''یہاں'' پھر وہ مڑ کر پیولینو لعل ریڈرز صوفوں کے قریب جا کر کھڑے ہوئے۔ ''بیٹھ کر میں نے اسے تاریخ کے مشہور سائنسدانوں، تاریخ دانوں، جنگجوؤں اور سیاست دانوں کی زندگیوں کی کہانیاں بھی سنائی تھیں اور ان میں سے چند اس کے سپر ہیروز بھی بن گئے تھے حالانکہ وہ زندگی کے تلخ حقائق سے متعلق بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اسے جبل الطارف پر کشتیاں جلا دینے والے طارق بن زیاد سے تو لگاؤ تھا۔ لیکن خلیفہ وقت کے حکم پر واپس مڑ جانے والے محمد بن قاسم سے سخت اختلاف بھی تھا۔''

سوچتے سوچتے اچانک برسوں بعد انہیں ایک نکتے کی بات سمجھ میں آ گئی۔

کیوں واپس گیا محمد بن قاسم اور آنکھوں میں گرم سلاخیں پھروا کر گدھے کی کھال میں سلتا پھرا، یہاں برصغیر میں تو اس کے چاہنے والے ہی بہت تھے۔ یہیں رہ کر خلیفہ سے بغاوت کر کے بادشاہ بننے کا نادر موقع گنوا دیا اس نے۔ انہیں دیکھیں سومنات کے مندر والے بہادر شخص کو کیسے مطیع بنا لیا انہوں نے ایک نئی دنیا کے لوگوں کو۔

''پانچویں یا چھٹی جماعت کی ایک بچی ان کے سامنے بیٹھی منہ بناتے ہوئے ان سے کہہ رہی تھی۔ شاید اسے شروع ہی سے بغاوت کر جانے اور آگے بڑھتے ہوئے فتح کے جھنڈے گاڑنے والے لوگ پسند تھے۔''

''ہوں!'' نکتے کی یہ بات سمجھتے ہوئے انہوں

www.pklibrary.com

نے بازو کمر پر باندھ کر فرش سے ایڑیاں تھوڑی سے اوپر اٹھاتے ہوئے سر ہلایا۔ ''نادان تھی، نہیں جانتی تھی کہ پیچھے سے آتی رسد اور کمک کے بغیر کوئی بھی سپہ سالار زیادہ دیر اپنی جنگ جاری نہیں رکھ سکتا اور پھر وہ سپہ سالاری کا نظم وضبط ہی کیا جو پیچھے سے آئے حکم پر اطاعت سے سر نہ جھکا دے۔ ایسا سپہ سالار اپنے نیچے فوج سے اپنے لیے اطاعت کی کیا خاک توقع کرے گا۔''

''اور دیکھ لو۔'' اب کے تصور میں ان کی مخاطب مناہل سے ہو بہو مشابہت رکھنے والی ان کی اپنی بیٹی مینو تھی۔ ''تمہاری بیٹی اس روز تمہیں بتائے بغیر یہاں تک پہنچ گئی۔ نظم وضبط اور سر تسلیم خم کرنے کا جو نظام تمہارے ایک فیصلے سے درہم برہم ہوا اس کے اندر سے ابلتا لاوا خود تمہارا ہی رخ کرنے لگا ہے۔'' اور یہ بات سوچتے ہوئے ان کی گھنی سفید مونچھوں تلے چھپے ہونٹ آپ ہی آپ لرزنے لگے تھے۔

''خیر۔'' انہوں نے اپنی آنکھوں میں اتری ہلکی سی نمی کو آنکھیں بند کر کے خود اپنے آپ سے چھپا لینے کی ہلکی سی کوشش کے بعد دوبارہ آنکھیں کھولتے ہوئے سوچا۔

''یہ بھی سچ ہے کہ سیانے جو کہتے تھے کہ ''سود'' سے ''بیاج'' پیارا ہوتا ہے، صحیح ہی کہتے تھے۔ چھوٹی مینو۔ انہوں نے مناہل کا تصور کیا۔ ''اس روز کے بعد سے ہی تمہاری دوبارہ آمد کا نجانے کیوں لاشعوری طور پر منظر ہوں۔''

انہوں نے کھڑکیوں پر پردے برابر کرنے کے بعد کمرے میں جلتی بتیاں بجھائیں اور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئے اب ان کے سونے کا وقت ہو رہا تھا۔

☆☆☆

وہ دن پچھلے کچھ دنوں سے تھوڑا مختلف تھا۔ کئی دن سے جاری برف باری اس دن رکی ہوئی تھی۔ اور دن قدرے روشن اور صاف محسوس ہو رہا تھا۔ ماہین نے اس روز دھلے ہوئے کپڑے جو موسم کی شدت کی وجہ سے نم اور بوجھل سے رہتے تھے اٹھا کر ٹیرس کی ریلنگ پر ڈال دیے تھے تاکہ ان کو ہوا لگ سکے۔ مزید کپڑے جو جمع ہو چکے تھے انہیں مشین میں ڈالا تھا اور گھر کی اچھی طرح صفائی کی تھی۔ لاؤنج کے لیے جس صوفے پر پردوں کا آرڈر اس نے دے رکھا تھا وہ بن کر آچکے تھے اور ان کی وجہ سے لاؤنج اب بہتر شکل میں نظر آتا تھا۔ اس نے اسکول کی ساتھی ٹیچرز کے ساتھ مل کر جو ماہانہ کمیٹی ڈال رکھی تھی وہ کھل کر سب کی سب لاؤنج سنوارنے پر لگ چکی تھی اور ابھی کمیٹی مکمل ہونے میں کئی مہینے باقی تھے۔

''اور یہ وہ مسائل اور سوچیں ہیں جو میرے خاندان میں پچھلی کئی نسلوں کو شاید کبھی نہ چھٹی ہوں۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنے لیے چائے کا کپ بنا کر لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت گھر پر وہ اکیلی تھی۔ مناہل اپنی دوست کے والد سے ٹیوشن پڑھنے جا چکی تھی۔

''لیکن پھر یہ اپنی اپنی ترجیحات بھی کا نتیجہ ہے نا۔''

''پھر اب تو ان مسائل اور سوچوں سے مر کر ہی جان چھوٹے تو چھوٹے۔'' اس نے اپنا ہاتھ نظروں کے سامنے پھیلاتے ہوئے سوچا اور اس ہاتھ کے ناخنوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ اطلاعی گھنٹی کی آواز نے اسے اس کی سوچ سے چونکایا تھا۔ اس وقت کون آگیا؟'' اس نے حیران ہوتے ہوئے سوچا۔

''مناہل کی اتنی جلدی واپسی تو ممکن نہیں، پھر کون ہو سکتا ہے۔ دودھ والا۔'' اسے خیال آیا وہ تو کل ہی دو پیکٹ پکڑا گیا۔ وہ سرتاپا قیمتی گرم کپڑوں میں ملبوس پھر بھی سردی کی شدت کی وجہ سے اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

''تم اس وقت۔'' ماہین نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''مناہل تو تمہاری طرف گئی ہوئی ہے تمہارے ابا سے پڑھنے کے لیے۔'' اس کے دل میں لمحہ بھر کے لیے کھٹک پیدا ہوئی۔ مناہل اسے ٹیوشن کا بتا کے کہیں اور تو نہیں چلی گئی تھی۔

www.pklibrary.com

''جی جی۔ میں ابھی اسے وہیں پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آیا ہوں۔'' اس نے سر ہلایا۔

''مناہل اس کی طرف گئی ہے تو یہ یہاں کیا کرنے آیا ہے۔'' ماہین نے سوچا اور پھر لاؤنج کی طرف آ گئی۔ وہ اس کے پیچھے تھا۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے کہا۔

''ارے واہ۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آپ نے تو اپنے لاؤنج کا حلیہ ہی بدل ڈالا۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی جادوئی چھڑی چل گئی ہو یہاں وہ آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''یہ اچھا ہے۔ اور کمفرٹیبل بھی۔'' اس نے صوفے کے کپڑے پر ہاتھ پھیرا۔

''مناہل ہی کی چوائس ہے۔'' ماہین نے چائے کا کپ میز پر سے اٹھایا۔

''تمہارے لیے چائے بناؤں، لیکن تمہیں تو شاید کافی زیادہ پسند ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔

''تمہارے لیے کوشش کرتی ہوں۔ ویسے ہمارے گھر میں کافی بنانے کی ڈیوٹی مناہل کی ہی ہے وہ ایکسپرٹ ہے اس میں۔'' وہ کچن کی طرف آ گئی۔ اور وہ وہیں اپنی جگہ پر بیٹھا تھا۔ لاؤنج اور کچن کے درمیانے دروازے سے سامنے بیٹھا وہ نظر بھی آ رہا تھا۔ ماہین نے کپ میں کافی اور گرم پانی ڈال کر اسے پھینٹنا شروع کیا۔

''اب جیسی بھی بنے گی پی لینا۔ کہیں مناہل سے جا کر کہہ دو کہ تمہاری ماما کو کافی بنانا نہیں آتی۔''

''نہیں کہتا۔ فکر نہ کریں۔'' وہ ٹیبل سے ٹی وی کا ریموٹ کنٹرول اٹھا کر ٹی وی آن کرتے ہوئے بولا۔ کمرے میں کسی نیوز چینل پر خبریں شروع ہونے کی آواز گونجنے لگی تھی۔

''مجھے بالکل بھی اندازہ نہیں ہے کہ یہ اچھی بنی ہے یا نہیں۔'' کافی کا کپ ٹرے میں رکھے وہ واپس کمرے میں آئی۔ ''میں نے بتایا نا کہ میں نے خود تو مدت سے کبھی کافی بنائی ہی نہیں۔ مناہل ہی ہمیشہ بناتی ہے۔'' اس کا انداز معذرت خواہانہ تھا۔

''چھوڑیں، آپ اتنا اور تھینک کیوں کر رہی ہی، میں ہر طرح کا ذائقہ برداشت کر لینے کا عادی ہوں۔ کیونکہ میں نے زندگی کے کئی سال ہاسٹل میں گزارے ہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولا اور کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ ''فنٹاسٹک اتنی اچھی تو بنی ہے۔ آپ یوں ہی پریشان ہو رہی ہیں۔''

''پتا ہے کیا آج جب میں آپ کی طرف آ رہا تھا تو سوچ رہا تھا کہ آپ نے اس ایریا میں گھر کیوں رینٹ پر لیا۔'' ماہین نے نظر اٹھا کر دیکھا وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ''میرا مطلب ہے یہ ایریا۔'' اس نے ناک کو ہلکا سا سکوڑا۔

''مناہل نے کوئی بات کی ہے کیا۔'' ماہین نے پوچھا۔ ''میں جانتی ہوں اسے یہاں رہنا پسند نہیں۔''

وہ سر ہلا کر اس کے خیال کی نفی کرنے ہی لگا تھا کہ لیکن ماہین اس سے پہلے ہی بول پڑی۔

''ایک مونٹیسوری اسکول ٹیچر کی تنخواہ کتنی ہوتی ہوگی، کیا تم جانتے ہو۔'' وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ''چلو اتنے سالوں میں وہ ٹیچر سینئر بھی ہو جائے لیکن پراویڈمینٹ فنڈ اور ٹیکسز کٹ کر جو تنخواہ ہاتھ آتی ہے اس کا اندازہ ہے تمہیں۔''

''میرے خیال میں اسکول ٹیچنگ کا یہ سب سے مشکل سیکشن ہوتا ہے۔ اتنے چھوٹے بچوں کو سنبھالنا اور پڑھانا جنہیں ان کی اپنی مائیں بھی شاید ان سے جان چھڑانے کے لیے اسکول بھیج دیتی ہوں گی۔'' معید نے کہا۔

''صحیح کہہ رہے ہو۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔ ''لیکن اس مشکل ترین کام کا معاوضہ شاید باقی سب اسٹاف کی نسبت کم ترین ہوتا ہے۔''

''اوہ۔'' وہ بے اختیار بولا۔

''تو اس تنخواہ میں گھر کے باقی اخراجات، بچی کی تعلیم، یوٹیلیٹی بلز، سب نکال کر پیچھے پیسے ہی کتنے بچتے ہوں گے جو کسی اچھے علاقے میں کرائے پر گھر

www.pklibrary.com

لینے کا سوچا جائے۔" معید نے کپ واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

"یہ تو پھر بھی غنیمت ہے کہ میری ایک کولیگ کی واقفیت کی وجہ سے اس علاقے میں ہی سہی لیکن سر چھپانے کو نسبتاً نئی اور بہتر رہائش مل گئی۔ اور اس کا کرایہ بھی میری استطاعت سے زیادہ نہیں ہے۔ اور رہی علاقے کی بات تو یہ چھٹیوں کے دن ہیں چھٹیاں نہ ہوں تو مناہل اور میرا گھر میں وقت ہی کتنا گزرتا ہے۔ صبح کے نکلے شام کو گھر آتے ہیں ارگھر میں ایک دفعہ داخل ہو کر دوبارہ اگلی صبح ہی نکلنا ہوتا ہے۔"

وہ آہستہ آواز میں کچھ سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔

"لیکن مناہل ان سب باتوں کو نہیں سمجھتی، وہ اپنی دوستوں کی طرح بہتر علاقوں اور گھروں میں رہنا چاہتی ہے جب ہی اس نے تمہارے سامنے اس گھر کے لیے ناگواری کا کیا ہوگا۔"

"مناہل نے مجھ سے ایسا کچھ نہیں کہا میم!" معید اس ساری تفصیل کو سن کر شرمندہ ہو گیا تھا۔ "وہ تو میں آج ادھر آتے ہوئے خود ہی خیر چھوڑیے۔"

"میں ابھی آئی۔" کچن سے پریشر ککر کے چلنے کی آواز آنی سن کر وہ اٹھ کر ایک بار پھر کچن میں چلی گئی۔

"دراصل میں تو یوں ہی گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ہوں۔" واپس آ کر اس نے ایک بار پھر معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "مناہل گھر پر ہوتی تو تمہیں اچھی کمپنی دیتی۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم مسلسل مناہل کے بارے میں کیوں بات کر رہے ہیں۔" وہ پہلو بدلتے ہوئے بولا۔ "اس کی کمپنی میں ہی بیٹھنا ہوتا تو اسے میں اپنے گھر میں بیٹھا چھوڑ کر آیا ہوں۔ میں تو دانستہ اس وقت آپ کے گھر اسی لیے آیا ہوں کہ مجھے پتا تھا آپ اس وقت گھر پر اکیلی ہوں گی۔"

"ماہین نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔" اب چاہے آپ کو یہ بات اچھی لگے یا نہ لگے لیکن آج میں صرف آپ کی کمپنی میں بیٹھنے یہاں آیا ہوں۔"

اس نے سر ہلایا کر اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"اور وہ جو میں اس علاقے کے بارے میں زرا ناپسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا اس پر مجھے معاف کر دیجیے پلیز، لیکن واقعی مناہل سے میری اس موضوع پر بات نہیں ہوئی میں نے جو کہا آپ کی وجہ سے کہا۔ یہ علاقے مجھے آپ کی شخصیت، آپ کے اسٹیٹس سے مطابقت رکھتا محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن میں غلط تھا۔ انجانے میں آپ کا دل دکھا بیٹھا اور اس پر مجھے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" ماہین اس کے انداز سے متاثر ہو رہی تھی۔ "تم بچے زندگی کے تلخ حقائق سے کہاں واقف ہوتے ہو اور جو تمہاری عمر ہے اس میں ہونا بھی نہیں چاہیے۔ عمر پڑی ہے ڈھکی چھپی، تلخ حقیقتوں سے واقف ہونے کو۔"

"اچھا چلیں چھوڑیں۔" وہ بات بدلتے ہوئے بولا۔ "یہ بتایے آپ آج کل کون سا سیزن، مووی یا ڈرامہ دیکھ رہی ہیں؟"

"میں" ماہین نے حیرت سے دیکھا۔

"جی آپ....." اور ہاں یہ بھی بتایے گا کہ آج کل آپ کون سا گانا سب سے زیادہ سن رہی ہیں۔"

ماہین اس سوال پر اس کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے اسے اس کی دماغی حالت پر شک ہو۔

"بتایے نا۔" وہ اصرار کرتے ہوئے بولا۔

"تم یہ سوال مناہل سے کرتے تو وہ تمہیں بہت سے نام بتا دیتی لیکن۔"

"کیوں کرتا میں مناہل سے یہ سوال۔ میں تو آپ سے آپ کی پسند پوچھ رہا ہوں۔"

"چھوڑو..... میرے پاس اتنی فرصت کہاں کہ سیزن، ڈرامے، مووی دیکھوں، سونگز سنوں اور پھر میری عمر بھی تو دیکھو۔ اگر مجھے کچھ پسند ہو بھی تو تمہیں اس کا کہاں پتا ہوگا۔" ماہین نے اپنی قمیص گھٹنوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں آپ کی عمر کو کیا ہوا جو آپ کو یہ سب

www.pklibrary.com

پسند نہیں ہوگا۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "میری اور آپ کی عمر میں اتنا زیادہ فرق تو نہیں جو مجھے آپ کی پسندیدہ چیزوں کے بارے میں علم ہی نہ ہوگا۔"

"آٹھ نو سال کا فرق ہے تمہاری اور میری عمر میں اور عمر کا فرق شوق اور پسند پر اپنا اثر ضرور چھوڑ دیتا ہے۔" ماہین نے اسے یاد دلایا۔

"آٹھ، نو سال بس۔" معید نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیا۔ "عمر کا اتنا ہی فرق میرے اور ازکی اور منابل کے درمیان بھی ہے لیکن ہم تو یہ سب چیزیں ڈسکس کرتے ہی رہتے ہیں۔"

"تم..... تم لوگ ایک ہی جنریشن سے تعلق رکھتے ہو نا۔" ماہین نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔ "میں تو اولڈ اسکول ماما ہوں۔ تم لوگوں کی دلچسپیاں مجھ سے بالکل مختلف ہوں گی۔"

"یہ بس آپ کا گمان ہی ہے۔" وہ اس کی وضاحت سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ "اچھا چلیں کوئی ایک موومی کا نام بتائیں جو آپ نے آخری بار دیکھی ہو۔ کوئی سونگ جو سنا ہو۔ بتائیں تو پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے اس کے بارے میں معلوم ہے یا نہیں۔"

اور وہ سچ کہہ رہا تھا۔ ماہین نے اپنی یادداشت پر زور دے کر جو بھی نام اسے بتایا اس کے بارے میں وہ بلا کی معلومات رکھتا تھا۔ بلکہ اس نے ان سب فلموں، ڈراموں، کتابوں اور گانوں سے جڑی ایسی ایسی معلومات اسے سنائی تھیں کہ وہ خود بھی دنگ رہ گئی تھی۔

"آپ مجھ سے کسی بھی چیز کا ذکر کیجیے اور مجھے اس کے بارے میں معلوم نہ ہو تو کہیے گا۔" کسی ڈرامہ سے جڑے لطیفہ سنانے پر ماہین کو کھل کر ہنستے دیکھ کر وہ جیسے دل سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اینی تھنگ اینڈ ایوری تھنگ۔" اس نے ماہین کو ہنسی کے مارے آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے دیکھ کر کہا تھا۔ "عمر تو صرف ایک نمبر ہوتی ہے۔ آپ کے شوق اور پسند ناپسند کی کوئی ایکسپائری ڈیٹ نہیں ہوتی، نجانے کیوں آپ نے عمر کو اس قدر سر پر سوار کر رکھا تھا۔"

"کوئی بھی دلیل اس حقیقت کو باطل تو نہیں کر سکتی کہ میری عمر کیا ہے اور میں ایک جوان ہوتی بیٹی کی ماں ہوں۔" ماہین نے اپنی سنجیدہ شخصیت کے خول میں واپس گھستے ہوئے کہا۔

"جانے بھی دیں۔" وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔ "یہ سب اضافی باتیں ہیں۔ حقیقت بس اتنی ہے کہ آپ ہیں اور آپ کے پاس زندگی جیسی انمول نعمت موجود ہے اور اسے ہنسی خوشی گزارنا آپ کا حق ہے۔" آپ خود کو کبھی قد آدم آئینے میں دیکھیں اور سوچیں کہ کیا آپ اسی عمر کی لگتی ہیں جتنی آپ بتاتی ہیں۔" ماہین نے اس کی طرف دیکھا۔

"ذرا بھی نہیں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "آپ نے اپنی اتنی سی عمر پر خواہ مخواہ بے رنگی، سنجیدگی اور عمر رسیدگی کا چولا اوڑھ رکھا ہے۔ بھلا کوئی اپنے ساتھ ایسا بھی کرتا ہے۔ آج کل تو شادی شدہ بچوں کی اچھی بھلی عمر کی مائیں بھی خود کو ناتو بوڑھا کہتی ہیں نا سمجھتی ہیں اور آپ۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"اگرچہ مجھے آپ سے یہ بات کہنے کا کوئی حق نہیں لیکن پھر بھی میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ پلیز اپنے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اوائل زندگی کے کسی ایک تلخ اور ناکام تجربے کی سزا اپنی ساری عمر کو مت دیں۔ ایسا کر کے آپ اللہ کی ایک بہت بڑی نعمت کو ناشکری کر رہی ہیں۔"

☆☆☆

"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

اگلی بار وہ اسے وادی کے دو میڈیکل اسٹورز میں سے ایک کے باہر کھڑا نظر آیا تھا۔ بہت دنوں کی شدید برف باری کے باعث وہ گھر سے نکل نہیں پائی تھی اور منابل پر موسم کی شدت اثر کر گئی تھی زکام اور بخار نے اسے بستر میں لیٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس روز برف گرنے کا سلسلہ کچھ دیر کے لیے تھما تھا جب ہی وہ گھر سے باہر نکل آئی تھی۔

www.pklibrary.com

معید اپنی الدہ کی دوائیاں لینے کے لیے اس میڈیکل اسٹور پر آیا تھا اور اب واپس جارہا تھا جب ماہین ادھر آئی تھی۔ منا ہل کے لیے دوائیاں لینے کے بعد انہیں کچھ دیر میڈیکل اسٹور ہی پر رکنا پڑ گیا تھا کیونکہ ہلکی برف دوبارہ سے گرنا شروع ہو چکی تھی۔

"آپ کو ماضی سے نکل کر حال میں آجانا چاہیے مستقبل کے بارے میں فکر کرنا بھی چھوڑ دیں۔"

مستقبل ابھی پردے کے پیچھے چھپا ہے اور پردے کے پیچھے سے ضروری تو نہیں کہ وہ اسی شکل میں نکل کر سامنے آئے جیسا ہم سوچ رہے ہو۔" اس نے بھی بلا تکلف گفتگو کا سرا وہیں سے پکڑ لیا تھا جہاں اس روز چھوڑا تھا۔

"جب انسان" تھوڑی عمر میں زیادہ تجربوں سے گزر جاتا ہے نا تو اس کے اندر سوئی چھٹی حس ضرورت سے زیادہ بیدار ہو جاتی ہے۔ جب ہی وہ آنے والے وقتوں کی تیاری میں ذہنی طور پر مصروف رہتا ہے۔ اور یقین جانو ابھی تک میرے ساتھ ایسا ہوتا آیا ہے کہ مستقبل کی جو تصویر میں پردہ تصور میں دیکھتی ہوں وقت آنے پر وہ ویسا ہی نکلتا ہے۔" ماہین نے جواب دیا۔ "جب ہی تو میں کہتی ہوں کہ تم بچوں کی زندگیاں۔ اور تجربے ابھی خام ہیں اس لیے تم لوگ میری صورت حال کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"ایسا نہیں ہے۔" میڈیکل اسٹور کے دروازے میں کھڑے اس نے آسمان سے اترتا برف کا ایک چھوٹا سا گالہ اپنے بڑھے ہاتھ میں دبوچتے ہوئے کہا۔ "آپ میرے کہنے پر ایک کوشش کر کے دیکھیں۔ آنے والے کل کے بارے میں پہلے سے کچھ فرض کر کے اس کو فیس کرنے کی تیاری کرنا چھوڑ دیں۔ چند دن کے لیے ہی سہی۔ اگر افاقہ نہ ہوا تو بے شک واپس اپنی پرانی روٹین پر آجایے گا۔"

ماہین کو تذبذب میں پڑے دیکھ کر وہ ہنس دیا۔

"آپ سوچ رہی ہوں گی یہ آپ کے بقول کل کا بچہ آپ کو سبق پڑھا رہا ہے۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنا آپ، آپ کے سامنے چھوٹا نہیں لگتا۔ بلکہ مجھے ایسے لگتا ہے کہ خود آپ ایک چھوٹی سی بچی ہیں جو راستہ بھٹک چکی ہے۔ اور مجھے اس کے راستے کا علم ہے سو میرا فرض بنتا ہے کہ اس بچی کو انگلی سے پکڑ کر اس کی منزل تک پہنچا آؤں۔ چلیے برف باری رک گئی ہے۔" وہ اسٹور سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ ماہین بھی باہر نکل آئی۔

"تم کدھر جارہے ہو۔" اسے اپنے ساتھ چلتے دیکھ کر وہ چونکی۔ "یہ تمہارا راستہ تو نہیں۔"

"اس چھوٹی سی جگہ میں راستے ہی بھلا کتنے ہیں۔ سب ہی راستے ادھر ادھر سے نکل کر آپس میں ملتے ہیں۔ اسی طرح میں جس بھی راستے سے اپنے گھر پہنچنے کی کوشش کروں گا پہنچ جاؤں گا۔ آپ فکر مت کریں۔" وہ مسکرایا۔ اس روز کم ہی لوگ گھروں سے باہر نکلے تھے جب ہی سڑک پر کوئی آتا جاتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"یہ بابا عبدالرحمٰن کا تندور ہے۔" راستے میں ایک جگہ ڈھابے میں آگ روشن دیکھ کر وہ بولا۔

"بابا چائے بھی بہت اچھی بناتا ہے۔ آپ کو اچھی چائے پسند ہے نا؟"

"بالکل پسند ہے" ماہین نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "لیکن بابو کے تندور کی نہیں اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی۔"

"ارے یہ ہی تو میں کہتا ہوں خود اپنے آپ میں گم رہنے کے بجائے اپنے خول سے باہر نکل کر دیکھیے۔ یہ قدرت نے کتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں خوشی کے لمحوں سے لطف اندوز ہونے کے کیسے خوب صورت رنگ بکھیر رکھے ہیں۔ آئیں آج میں آپ کو بابا عبدالرحمٰن کی چائے پلاتا ہوں۔ بابا جلیبی بھی بناتا ہے بہت مزے کی جلیبی ہوتی ہے اس کی۔"

"ڈونٹ بھی سلی۔" ماہی نے نیچی آواز میں کہا۔ "اس طرح اس جگہ بیٹھ کر چائے پیتے کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہے گا۔ ہر دوسرا بندا تو یہاں ایک دوسرے کو جانتا ہے۔"

www.pklibrary.com

"کچی کو کچھ بھی کہنے دینا چاہیے۔ جیسے ہم خود بھی دوسروں کو جج کرتے رہتے ہیں۔ بھلا بھی کسی دوسرے کو ہماری اس حرکت سے فرق پڑتا ہے نہیں نا۔"

معید نے اس کی طرف دیکھا۔ "یقین کریں آپ کو بھی نہیں پڑے گا۔" گوسپ کرنا انسانی فطرت ہے انسان چاہ کر بھی اس سے باز نہیں آسکتا۔ آجائیں چائے پیتے ہیں۔ ویسے بھی آج یہاں خود بابے کے علاوہ کوئی ہے ہی نہیں۔"

وہ ڈھابے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ ڈھابہ تندور میں لکڑیاں جلنے اور چائے اور جلیبی بنانے کے لیے جلتے اسٹوو کی وجہ سے گرم تھا۔ معید بے تکلفی سے ایک ٹیبل کے ساتھ سجے لکڑی کے بینچ پر بیٹھ گیا۔ ماہین بھی چار و ناچار اس کے سامنے دوسرے بینچ پر بیٹھ گئی۔

"کوشش کیجیے گا کہ اس وقت اس جگہ بیٹھ کر چائے پینے کے علاوہ کوئی دوسرا خیال آپ کے ذہن میں نہ آئے۔ آپ نے بس اس مزیدار چائے، جلیبی، موسم اور ان لمحوں کو انجوائے کرنا ہے۔ کوئی دوسری بات نہیں سوچنی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ ماہین نے سر ہلایا۔

"مناہل بھی کبھی تمہارے ساتھ۔ میرا مطلب ہے اپنی دوستوں کے ساتھ یہاں آئی ہوگی۔" اس نے اپنا گرم مفلر کھول کر دوبارہ گردن کے گرد باندھتے ہوئے کہا۔

"کئی بار..... ہم سب کا یہ فیورٹ اسپاٹ ہے۔"

"ہمم اور ظاہر ہے کہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ یہاں بیٹھ کر چائے پینے کا لطف ہی اور ہوتا ہوگا۔" ماہین نے کہا۔

"یہ کیا آپ عمر، ہم عمر کی گردان کرتی رہتی ہیں۔" وہ جھنجلایا۔ "میں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ کو بتایا بھی ہے کہ مجھے اپنے سامنے آپ چھوٹی سی بچی لگتی ہیں۔"

"یہ تمہارا خیال ہی ہے نا، جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔"

"نہ ہو، مجھے پروا بھی نہیں ہے۔" وہ بے نیازی سے بولا۔ "مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ میں آپ کی کمپنی میں بہت انجوائے کرتا ہوں۔ اب یہ ہی دیکھ لیں میں سیدھے راستے سے اپنے گھر جانے کے بجائے ایک ایسا راستہ ایکسپلور کرنے کیوں نکل پڑا جو آپ کے گھر کے راستے سے کہیں نکلتا ہوگا۔"

ماہین اس کی اس بات پر بری طرح چونک گئی تھی۔

"چونک گئیں نا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ "صرف اس لیے نکل پڑا کہ مجھے آپ کو بابا عبدالرحمن کی چائے پلانا تھی کیونکہ آپ کو چائے بہت پسند ہے سو لیجیے چائے۔ پیجیے۔" وہ بابا کی لائی ٹرے میں سے چائے کا کپ اٹھا کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"اور یہ ہے دنیا کی سب سے مزیدار جلیبی۔" اس نے جلیبی کی پلیٹ بھی میز پر رکھی۔

"بس اب آپ نے کچھ دیر کے لیے دماغ کو کسی بھی اور سوچ سے آزاد کر کے صرف اس چائے پر دھیان مرتکز کرنا ہے۔"

"مناہل انتظار کر رہی ہوگی مجھے گھر سے نکلے بہت وقت ہوگیا۔" وہ بے اختیار بول اٹھی۔

"اوں ہوں کچھ اور نہیں صرف چائے۔" اس نے انگلی سے چائے کے کپ کی طرف اشارہ کیا۔ ماہین نے دیکھا اردگرد ماحول پر چھائی خاموشی کے درمیان جلتی آگ اور اس کے حدت محسوس کرتے ہوئے وہ چائے کے ایک ایک گھونٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا جبکہ ماہین پر نہ چاہتے ہوئے بھی عجیب سی گھبراہٹ سوار تھی۔

"اب چلیں۔" اس نے جلیبی کا ایک ٹکڑا کھانے کے بعد جلدی جلدی چائے کا کپ ختم کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے معاہدہ توڑا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔ "آپ نے چائے کا ایک گھونٹ بھی انجوائے

www.pklibrary.com

نہیں کیا اور یہ زیادتی ہے۔"

"دراصل مجھے مناہل کی فکر ہو رہی ہے۔" وہ مضطرب انداز میں بولی۔ "تو اسے فون کر دیں، بتا دیں کہ بیس پچیس منٹ بعد پہنچیں گی، مناہل کوئی بچی تو نہیں ہے جو اس کے تنہا ہونے سے آپ گھبرا رہی ہیں۔ ابھی چائے آنے سے پہلے تک وہ میسیج پر مجھ سے بات کر رہی تھی۔ وہ جوشاندے کے کپ کے ساتھ اپنے گرم بستر میں بیٹھی کوئی سیزن دیکھ رہی تھی۔ تصویر بھی بھیجی اس نے مجھے، اسنیپ سٹوری تھی فوراً ختم ہو گئی ورنہ میں دکھاتا آپ کو۔" ماہین پوری آنکھیں کھولے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یقین نہیں آ رہا تو اسے بولوں کہ مجھے اپنی پکچر بھیجے، تاکہ آپ کو دکھا کر یقین دلا سکوں۔"

"نہیں۔" ماہین نے سر ہلایا۔ "اس کی ضرورت نہیں۔"

"کم آن میم، خود مناہل آپ کو گھر پر اکیلی چھوڑ کر کہیں نہیں جاتی کیا۔ ہمارے گھر پر پڑھائی کے بعد کتنی دیر وہ یونہی بیٹھی گپیں لگا رہی ہوتی ہے۔ گیمز کھیل رہی ہوتی ہے۔ میں نے اسے تو کبھی آپ کے لیے یوں بے چین نہیں دیکھا۔"

"وہ ابھی بچی ہے اس کی عمر میں یہ لاابالی پن اور بے نیازی جچتی بھی ہے لیکن میں......"

"پھر وہی عمر۔" معید نے اس کی بات کاٹی "آپ یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں کہ یہ احساس کی بات ہے۔" ماہین نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ نظر چرا گیا۔ "میں شاید زبردستی آپ لوگوں کی ذاتی زندگی پر تبصرہ کرنے لگا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

"کوئی بات نہیں۔" ماہین نے سر ہلایا۔ "دوسرا انسان ہماری زندگیوں کے بارے میں جو آبزرو کرتا ہے، وہی کہتا ہے۔"

"شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔" میری چھوٹی بہن انزکی بھی ایسی ہے اسے کوئی ذرا سی بھی تکلیف پہنچے میں بہت مضطرب ہو جاتا ہوں، جب کہ اس کا رویہ میرے لیے کیو وئیل ہوتا ہے لاابالی سا شاید یہ عمر ہی کا قصور ہے۔" وہ ڈھیلا پڑا۔

"دراصل میری زندگی کچھ ایسے گزری ہے کہ مجھے چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی فکر رہتی ہے شاید اس لیے کہ مجھے اپنے معاملات کی فکر خود ہی کرنی پڑ رہی ہے اور ایسا بہت سالوں سے ہو رہا ہے۔ نارمل زندگی گزارتے لوگوں کے ساتھ شائد ایسا نہ ہوتا ہو۔" ماہین نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"میں سمجھتا ہوں۔" معید نے سر ہلایا۔ "آپ کو بہت کم عمر میں ہی زندگی کے جو غم کا پتھر سر پر اٹھانا پڑا۔ اتنے عرصے سے پا تو گردن تھک جانی چاہیے یا پھر پتھر کی عادت ہو جانی چاہیے۔ آپ نے آپشن نمبر دو کا انتخاب کیا۔"

"تم نہیں جانتے۔" ماہین نے کہنا چاہا۔

"میں سب جانتا ہوں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ "مناہل سب بتا چکی ہے، جو آپ کے ساتھ ہوا۔"

ماہین کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ایسا سردی کی شدت یا الاؤ کی حدت کی وجہ سے نہیں ہوا تھا۔ مناہل بھی۔ وہ سوچ رہی تھی کسی کے بھی سامنے لائف ہسٹری کھول دے گی کیا۔" اسے احساس شرمندگی نے آ گھیرا۔

"ہم بچے تو بچے ہوتے ہیں۔" وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "غلطیاں اور نادانیاں کرتے ہیں، کرتے رہتے ہیں۔ جب تک والدین کا سایہ سر پر سلامت رہتا ہے ہم ان کے بچے بنے رہتے ہیں۔ یہ ہی تو مزا ہے ماں باپ کے زیر سایہ رہنے کا۔ وہ نہ رہیں یا بے وقت چلے جائیں تو ہم یکدم بڑے ہو جاتے ہیں۔"

ماہین نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے اس کی بات اسے سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"والدین بڑے دل والے ہوتے ہیں یا پھر شاید ان کا دل خدا ویسے ہی بڑا کر دیتا ہے جب ہی بچوں کی نادانیاں اور غلطیاں وہ بڑی آسانی سے معاف کر دیتے ہیں۔ ہاں تھوڑی ڈانٹ ڈپٹ کرنا،

www.pklibrary.com

وقتی طور پر ناراض ہونے کے بعد من جانا ان کا حق ہوتا ہے۔"

"مناہل!" ماہین کو ایک بار پھر مناہل کی طرف سے دھڑکا ہوا یقیناً اسی نے اس کے بارے میں معید یا اس کی بہن کو کچھ بتایا ہوگا۔ "وہ سخت دل ہے، ناخوش رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں اس کل کے لڑکے کے ساتھ یہاں بیٹھی کر کیا رہی ہوں۔ وہ شدید جھنجھلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔ یہ زبردستی ہماری زندگیوں میں کیوں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"نہیں میں آپ کی بات کر رہا ہوں، آپ کے والدین کی بات کر رہا ہوں۔" وہ کہہ رہا تھا اور وہ بری طرح چونک گئی تھی۔

"آپ کی غلطی کو بڑی ہی سہی لیکن آپ کے والدین کو اسے نا سمجھی، نادانی اور غلطی سمجھ کر معاف کر دینا چاہیے تھا، خاص طور پر اس وقت جب آپ اس نادانی کی سزا بہت حد تک بھگت چکی تھیں۔"

"تم!" ماہین کو نجانے کیوں اس کے منہ سے یہ سب سننا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ "تم اپنی عمر سے بہت بڑی باتیں کرتے ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا۔ اور پتا ہے اس میں میرا نہیں میرے ابا کا قصور ہے۔ "میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور اماں، ابا کے پاس اکیلا کچھ زیادہ سال رہا تو انہوں نے سب تجربے مجھ ہی پر کر دیے، وقت سے پہلے اسکول میں داخل کرا دیا، وقت سے پہلے بڑی بڑی کتابیں پڑھا دیں، وقت سے پہلے ہی دنیا کے ایسے اسرار مجھے سنا دیے کہ میری ذہنی عمر، طبعی عمر سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ آپ کو اسی لیے میری باتیں عمر سے بڑی لگتی ہیں۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے اب چلنا چاہیے۔" ماہین اپنی نشست سے اٹھنے لگی۔

"ایک کپ چائے۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولا۔ "ایک کپ چائے اور پی لیں پلیز اور اس ماحول کو محسوس کریں۔ یہ برف پوش پہاڑ، یہ خاموشی، برف سے ڈھکا یہ رستہ، بابا عبدالرحمٰن کے تندور میں جلتی آگ کی حدت، چائے کا کپ اور جلیبی۔

☆☆☆

وہ گھر واپس پہنچی تو مناہل کو گرم بستر میں سوتے پایا، اس کا لیپ ٹاپ اور فون اس کے قریب رکھا تھا۔

وہ جوشاندے کے کپ کے ساتھ اپنے بستر میں لیٹی شاید کوئی سیزن دیکھ رہی تھی۔ ماہین کی نظر بیڈ کے قریب رکھی میز پر دھرے کپ پر پڑی، اس نے آگے بڑھ کر دیکھا کپ کے نیچے جوشاندے کا خالی پیکٹ دبا ہوا تھا۔

"یہ اسنیپ سٹوری کیا چیز ہوتی ہے۔" اس رات مناہل کو کھانے کے بعد دودھ دیتے ہوئے اس نے پوچھا تھا اور وہ چونک گئی تھی۔

"آپ کو اسنیپ سٹوری کا کس نے بتایا۔"

"وہ....." ماہین کو فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔ "ہاں تابندہ ایک روز ذکر کر رہی تھی۔"

"تابندہ آنٹی بھی سوشل میڈیا ایپس استعمال کرنے کی ماہر ہیں۔" مناہل مسکرائی۔ "ان سے کہیے گا میرے ساتھ اسنیپ سٹریک شروع کریں۔"

"اسنیپ اسٹریک۔" ماہین چونکی۔ "وہ کیا ہوتی ہے؟"

"وہ....." مناہل نے پہلے بتانا چاہا لیکن پھر ٹال گئی ہوتی ہے ایک آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی، آپ نے تو مشکل سے واٹس ایپ چلانا سیکھا ہے ابھی، اور وہ بھی کبھی نہ سیکھتیں اگر آپ کے کولیگز اور سٹوڈنٹس کے پیرنٹس واٹس ایپ گروپس میں آپ کو ایڈ نہ کرتے۔"

"مجھے یہ سب خرافات سمجھنا بھی نہیں ہیں۔" ماہین نے منہ بنایا "میرے پاس اتنا فالتو وقت کہاں ہے کہ ان میں مگن رہوں۔"

"جی جی بالکل۔" مناہل نے سر ہلایا۔ "پاکستان کی اقتصادی ترقی اور جملہ مسائل کو حل کرنے کی ساری ذمہ داری آپ ہی کے کندھے

www.pklibrary.com

پر تو ہے، آپ کے پاس وقت کہاں۔"

"میں اپنی ذاتی اقتصادیات ہی دیکھ لوں بڑی بات ہے۔" ماہین نے سر جھٹکا۔

"اچھا پلیز اب ضرب، تقسیم، تفریق کے حالیہ فگرز نہ سنانے لگ جایئے گا۔ مناہل نے ہاتھ جوڑے ہم کبھی کسی لائٹ موضوع پر بات نہیں کر سکتے کیا۔ اچھا چلیں یہ بتائیں کہ آج آپ دوا لینے گئی تھیں نا۔ اتنا ٹائم کہاں لگا دیا آپ نے، پتا ہے مجھے پانی گرم کرنے والا ساس پین نہیں مل رہا تھا۔ اتنی مشکل ہوئی مجھے۔"

برف گرنے لگی تھی، وہیں میڈیکل اسٹور پر رکی رہی۔ ماہین کو اپنی آواز کہیں دور سے آتی سنائی دی۔

"اوہ اچھا!" وہ کروٹ بدل کر اپنے فون پر کچھ دیکھنے لگی۔

"بس اتنا ہی فرق ہے مناہل میں اور مجھ میں۔" اس نے سوچا۔ "میری جگہ یہ سوال اس سے پوچھا جاتا تو صاف بتا دیتی کہ اتنا وقت اس نے کہاں گزارا اور مجھ میں یہ جرأت باقی نہیں رہی۔ بتاؤں بھی تو اسے کیا بتاؤں کہ وہ لڑکا جو کبھی میرے اسکول کا طالب علم تھا اور جو اس کی دوست کا بھائی بھی ہے، میں اس کے ساتھ بابا عبدالرحمن تندور اینڈ ٹی اسٹال پر بیٹھی خاموشی، تنہائی، برف پوش چوٹیوں، تندور میں جلتے الاؤ کی حدت اور چائے کے کپ کے لطف کو محسوس کر رہی تھی۔ کیوں اور کیسے۔ یہ تو صور بھی نہیں کر سکتی کہ اس کی ماں اپنی روٹین سے ہٹ کر بھی کوئی کام کر سکتی ہے۔" اس کے دل میں ٹیس اٹھی۔

"اپنی زندگی کو مسلسل چلتی گاڑی اور خود کو اس کے ساتھ بھاگتے مشینی روبوٹ کا روپ دینے والی میں خود ہی تو ہوں، یوں جیسے بدلتے وقت کے تقاضوں اور خوب صورتیوں سے کٹ کر رہتے ہوئے میں اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرلوں گی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں اور اصل بات تو یہ ہے کہ حالات کا جبر کبھی کبھی اپنا آپ ہم پر کچھ اس طرح مسلط کر دیتا ہے کہ ہم چاہ کر بھی خود کو اس کے شکنجے سے نکال نہیں پاتے، جب ہی ہار مان کر خود کو اس کی مستقل قید میں دے دیتے ہیں۔" اس نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر پانی صاف کیا۔

"لیکن وقت کا وہ لمحہ جب چائے کے دوسرے کپ کے ساتھ اس سکوت، قدرت کے حسن اور الاؤ کے زندگی بخش کو میں نے دل سے محسوس کیا نجانے کتنے سالوں بعد مجھ پر آج اترا۔ وہ کچھ دیر کے لیے واپس اس زندگی کی نوید دیتے لمحے کے حصار میں چلی گئی تھی۔"

"اور وہ لڑکا جو کہتا ہے کہ اس کا دھیان معید کی طرف گیا لیکن اسی وقت اس کے فون پر بجنے والی میسج کی مخصوص ٹون نے اس کا دھیان بھٹکا دیا۔" اس نے بے دلی سے فون اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک واٹس ایپ میسج تھا جو معید یوسف کے نمبر سے آیا تھا۔ میسج میں ایک تصویر بھی تھی ماہین کی اپنی تصویر۔ وہ بابا عبدالرحمن کے تندور اینڈ ٹی اسٹال کے بینچ پر بیٹھی تھی، اس کے داہنے بازو کی کہنی میز پر ٹکی تھی اور اس نے اپنے ہاتھ کے پیالے پر اپنی ٹھوڑی ٹکا رکھی تھی۔

"یہ آپ ہیں۔" اس تصویر کے نیچے لکھا تھا اور اگلے میسج میں اسی میز کے دوسری طرف بیٹھے اس کی اپنی تصویر تھی اور یہ میں اس کے نیچے لکھا تھا اور ان دونوں تصویروں کو دنیا کی بہترین تصاویر کا ایوارڈ ملنا چاہیے۔ ماہین دونوں تصویروں پر نظریں جمائے لیٹی تھی۔

"اس وقت آپ کو کس کا میسج آ گیا؟" مناہل کی زکام سے بوجھل آواز کمرے میں گونجی۔ "ایک اسٹوڈنٹ کا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"واہ بھئی اچھا اسٹوڈنٹ ہے، جسے رات کے اس وقت آپ کی یاد آ گئی۔" وہ ہنسی تھی۔ ماہین نے جواب دینے کے بجائے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

"ہیلو گرینڈ پا، مجھے آپ کو بتانا تھا کہ میری طبیعت کچھ دنوں سے خراب ہے، ورنہ میں آپ سے ملنے ضرور آتی۔ مجھے آپ کا ونڈر لینڈ جیسا گھر بہت

www.pklibrary.com

یاد آتا ہے۔"

انہوں نے اپنے فون پر آیا یہ پیغام پڑھا اور فون بند کر کے میز پر رکھ دیا۔

"خدا جانے کیوں لیکن اس کی آمد کا غیر شعوری طور پر انتظار رہتا ہے اور اب یہ بتا رہی ہے کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔" انہوں نے چشمہ اتار کر اپنی آنکھوں کو دو انگلیوں سے ہلکا سا دباتے ہوئے سوچا اور ٹیبل کے نیچے لگا بٹن دبایا۔ کچھ ہی دیر میں بہادر بخش ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"کل جب جارج کام کے بعد واپس جانے لگے تو مجھے بتانا۔" وہ بہادر بخش سے کہہ رہے تھے۔

"اور ہاں آج نیچے وادی میں جا کر دیکھ کر آؤ کہ ابراہیم کی بیکری پر تازہ چیزیں دستیاب ہیں یا نہیں۔"

☆☆☆

مناہل کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی لیکن ابھی پوری طرح نہیں سنبھلی تھی۔ اس روز جب ماہین اپنے سرکاری اسکول کے بچوں کو بیٹھی پڑھا رہی تھی۔ مناہل کی خیریت دریافت کرنے ازکی اور معید آ گئے تھے۔ ماہین ازکی سے پہلی بار مل رہی تھی، بھورے بالوں سفید رنگت اور سبز آنکھوں والی یہ بچی مزاجاً عاجزی پسند اور ملنسار لگ رہی تھی۔

"مجھے آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا میم۔" وہ ماہین سے کہہ رہی تھی۔ "میں بہت چھوٹی تھی جب میں نے اسکول چھوڑا تھا اور ہم لوگ ڈی جی خان چلے گئے تھے، اتنے بہت سے ٹیچرز میں آپ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں رہی تھیں لیکن اب ہمارے گھر میں آپ کا بہت ذکر ہوتا ہے اسی لیے مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔"

وہ بے تکلفی سے بیڈ روم میں مناہل کے قریب ہی جا بیٹھی تھی۔

ماہین ان کے لیے چائے بنانے کچن میں آئی تو معید اس کے پیچھے کمرے سے باہر نکل آیا۔

"آپ کو اس روز میرا یوں آپ سے آپ کی پکچر شیئر کرنا برا تو نہیں لگا میم۔" وہ کچن کے دروازے سے کمر ٹکا کر کھڑا تھا۔

"پتا نہیں، میں نے غور نہیں کیا کہ مجھے یہ بات اچھی لگی یا بری۔" وہ ابلتے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے بولی۔ اور معید کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔

"دراصل مناہل کی مسلسل خرابی طبیعت نے مجھے خاصا پریشان کر رکھا ہے، ڈھنگ سے کسی اور بات پر غور کرنے کا وقت ہی نہیں ملا۔" ماہین نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"سوچ رہی ہوں آج جیسے تیسے کر کے اسے ڈاکٹر تنویر تک لے ہی جاؤں مجھے جتنی دواؤں کا علم تھا سب آزما چکی۔ اس کا زکام اور زکام کی وجہ سے بخار بھی آنکھ مچولی ہی کھیل رہا ہے اس کے ساتھ۔"

"تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا، کیوں اکیلی پریشان ہوتی رہیں۔" وہ بے ساختہ بولا۔

"میرا مطلب ہے میں اور ازکی پہلے آ جاتے اور اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتے۔ ڈاکٹر تنویر تو ویسے بھی ابا کے بہت اچھے دوست ہیں ان سے فون پر بھی کنسلٹ کیا جا سکتا ہے۔"

"ایسا ہو جائے تو بہت اچھا ہو۔" وہ چائے دان میں چائے چھانتی ہوئی بولی۔

"ارے آپ بس حکم کریں ہو جائے گا۔" وہ ایک بار پھر بے ساختہ بولا تھا۔ ماہین نے حیران ہوتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ چائے کے تکلف میں خوامخواہ پڑ گئیں۔" وہ نظر چرا گیا۔ "ہم مہمان تھوڑی ہیں۔"

"تم بیٹھو میں چائے لے کر آتی ہوں۔" ماہین کو اب اس لڑکے کی بے تکلف طبیعت اور بے ساختہ باتوں سے خوف آنے لگا تھا۔

"جی ضرور آپ اپنا کام کریں میں اتنے میں آپ کے اسٹوڈنٹس کو دیکھتا ہوں۔ مستیوں میں مصروف ہیں تینوں، خاک بھی نہیں پڑھ رہے۔" وہ لاؤنج میں چلا گیا اور جب ماہین ٹرے میں چائے کا کپ اور کباب کی پلیٹ رکھے اس کی طرف آئی وہ ان تینوں سے اچھی خاصی دوستی گانٹھ چکا تھا۔

www.pklibrary.com

''یہ جولڑ کا حاصل خان ہے یہ بتا رہا تھا کہ اردو کی کتاب کا پانچواں صفحہ اسے تیرہ دن سے یاد نہیں ہو رہا تھا۔ آج ابھی سن لیجیے اس سے، فرفر سنائے گا۔'' اس نے ماہین کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''مس! یہ والی سرجادو سے پڑھائی ہے جادو سے۔'' حاصل خان کہہ رہا تھا۔

''اما را سبق ام کو یوں یاد ہو گیا یوں۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

''اچھا اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ، ان دونوں کو بھی یاد کراؤ یہ ہی سبق۔'' ماہین نے کہا اور خالی ٹرے ہاتھ میں پکڑے واپس کچن میں آ گئی۔

''آپ نے مجھے داد دی نا شاباش۔'' وہ ایک مرتبہ پھر اس کے پیچھے آ گیا۔

''میں نے آپ کے شاگرد کو جادوئی سبق پڑھا دیا۔''

ماہین نے جگ میں رکھا پانی گرم کرنے کے لیے پتیلی میں انڈیلا اور چولہے پر چڑھا دیا۔

''برتن دھونے کے لیے آپ یہ برفیلا پانی بار بار جو گرم کرتی ہیں تو ایک عدد الیکٹرک کیتل کیوں نہیں لے لیتیں۔'' وہ بولنے سے باز نہیں رہ سکا۔

ماہین نے گردن موڑ کر غصے سے اس کی طرف دیکھا۔

''سوری۔'' اس نے کان کو ہاتھ لگایا۔ ''میں جانتا ہوں میں آپ کو کچھ زیادہ ہی ستانے لگا ہوں۔''

''تم بہت زیادہ بولتے ہو۔'' ماہین نے دھونے والے برتن سنک میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''صرف آپ کے سامنے یقین نا آئے تو ازکی سے پوچھ لیں۔''

''اچھا چلو تم ازکی اور مناہل کے پاس بیٹھو، مجھے کچھ کام نمٹانا ہیں۔'' ماہین نے کچن سمیٹتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ مڑا اور مڑتے مڑتے ایک بار پھر وہیں کھڑا ہو گیا یاد آیا۔ کل ہم میرا مطلب ہے میں اور ابا، آپ کے وڈ کالج کے قریب سے گزرے تھے۔ ابا تو آپ کے والد کے پرانے شناسا نکلے۔''

ماہین کے کام میں مصروف ہاتھ ساکت ہوئے۔

''میں نے بتایا تھا نا کہ میرا آبائی گاؤں یہیں نزدیک ہی ہے تو میرے جو دادا تھے وہ بھی آپ کے والد سے اچھے مراسم رکھتے تھے۔ ابا نے مجھے ایک بہت دلچسپ بات یاد کرائی۔ اگر آپ کو برا نا لگے تو سناؤں۔''

''ہوں سناؤ۔'' ماہین کے رکے ہاتھ دوبارہ سے متحرک ہوئے۔

''ابا نے مجھے یاد کرایا کہ سالوں پہلے جب میں چھ یا پھر شاید سات سال کا ہوں گا ایک بار دادا اور ابا کے ساتھ آپ کے گھر گیا تھا۔ ابا کے یاد دلانے پر مجھے وہ گھر اور اس کا نقشہ بالکل صاف یاد آ گیا۔ مکمل لکڑی سے بنا وہ انٹریر، ہم لوگ مہمان خانے میں بیٹھے تھے اور پھر ڈائننگ روم میں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ہم نے چائے بھی پی تھی۔ اف کتنے مینرز فالو کرنے پڑے تھے آپ کے ابا کے ساتھ چائے پینے کے لیے، نیپکن، چھری، کانٹے اور نجانے کیا کیا۔ خاصی بارعب شخصیت کے مالک تھے آپ کے والد مجھ ایسے بچے۔ کے دل پر تو خوب رعب جما تھا ان کا۔

اور اس واقعے کی سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ آپ کے والد نے ابا اور دادا کو اپنی بیٹی سے بھی متعارف کروایا تھا۔ جو اسی وقت کالج سے واپس آئی تھی۔ کالج یونیفارم میں ملبوس، بالوں کی دو چوٹیوں میں ربن سجائے وہ آپ جیسی بالکل آپ۔

وہ بتا رہا تھا اور یہ بتاتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی ''آپ یقین جانیں۔ آپ کے والد سے ملاقات کے لیے جانے اور ''وڈ کالج'' کے اندر کا وہ منظر گویں بھول چکا تھا لیکن کالج یونیفارم میں ملبوس وہ لڑکی، جس کو ہارس رائیڈنگ سیکھانے اور بہترین گھوڑا تحفے میں دینے کا وعدہ دادا نے اس سے کیا تھا اس لڑکی کا چہرہ بہت سالوں تک میرے پردہ تصور پر چمکتا رہا۔ اس وقت ایک چھوٹے بچے کے لیے کالج میں پڑھنے والی لڑکی تو ویسے ہی بہت بڑی شخصیت ہوتی ہوگی لیکن آپ تو اس وقت سے ہی میرے خیالوں پر چھائی ہوئی ہیں بھئی کمال حسن

www.pklibrary.com

اتفاق ہے۔ میں بھی حیران تھا کہ آپ کے اس اسکول کے پہلے دن ہی آپ مجھے کیوں اتنی اچھی لگی تھیں میں بچپن کے اس واقعہ کو آپ سے ریلیٹ نہیں کر پا رہا تھا۔ شاید اسی لیے سمجھ میں نہیں آیا۔''

وہ بولتا چلا جا رہا تھا اور ماہین ساکت کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ''کل ہی پتا چلا وہ تو آپ تھیں۔'' اس کے لہجے میں کھنک تھی۔

☆☆☆

اس روز معید اور ازکی مناہل کے ساتھ ماہین کو بھی اپنی گاڑی میں ڈاکٹر تنویر کے پاس لے گئے تھے۔ ڈاکٹر ان دونوں سے اچھی طرح واقف تھے، مناہل کا چیک اپ اچھی طرح کیا اور دوائیاں لکھ دیں۔

''اب یہاں سے ہمارا گھر بالکل قریب ہے۔'' ڈاکٹر سے فارغ ہونے اور دوائیاں خرید لینے کے بعد گاڑی میں بیٹھتے ہوئے معید نے کہا۔ ''کیوں مناہل! چلتی ہو ہمارے گھر، تمہیں بہت مزے کا گرما گرم سوپ پلائیں گے اور کشمیری چائے بھی، تم ایک دم اچھا فیل کرنے لگ جاؤ گی۔''

''ارے اس سے اچھی آفر کیا ہوگی۔'' مناہل کھل اٹھی۔

''بہت لیٹ ہو جائیں گے ہم۔'' ماہین نے فوراً کہا۔ ''تم دونوں کو پہلے ہی ہماری وجہ سے اتنی زحمت اٹھانی پڑی، میرے خیال میں اب ہمیں گھر چھوڑ آؤ۔''

''دیکھ لو مناہل! تمہاری مام میری آفر ٹھکرا رہی ہیں۔'' معید نے منہ بنا کر کہا۔

''یہ ان کی عادت ہے۔'' مناہل نے خفگی سے ماہین کو دیکھا ''ہم تمہارے گھر ضرور جائیں گے ازکی، انکل اور آنٹی سے ملے بھی کتنے دن ہو گئے۔''

اور پھر ان تینوں کے سامنے ماہین کی ایک نہیں چلی۔ ڈاکٹر تنویر کے کلینک والی روڈ ہی پر ذرا آگے جا کر معید اور ازکی کا گھر تھا۔ ماہین سالوں بعد ہل روڈ کی طرف آئی تھی۔ یہ سڑک دیکھ کر اس کا دل ویسے ہی بے چین ہو رہا تھا۔ سالوں پہلے اس کے اکثر دوست اور سہیلیاں اسی روڈ کے رہائشی ہوا کرتے تھے۔ معید نے ایک نسبتاً نئے بنے ہوئے گھر کے سامنے گاڑی روکی اور خود گیٹ کھولنے کے لیے اتر گیا۔

اس گھر کے ماحول میں اپنائیت اور بے تکلفی کا رنگ نمایاں تھا۔ معید کے والدین تپاک سے اسے ملے تھے۔ ''ہمارے گھر میں اکثر آپ کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔'' اورنگزیب یوسف جو معید کے والد تھے کہہ رہے تھے۔ ''مناہل کی والدہ کی حیثیت میں اور بچوں کے پرانے اسکول کی ٹیچر ہونے کی وجہ سے۔''

''آپ سے ملے بغیر ہی آپ کے بارے میں بہت اچھا تاثر تھا میرے ذہن میں، مل کر یہ تاثر اور بھی اچھا ہو گیا۔'' اس کی والدہ نے کہا تھا۔

''بہت باہمت ہیں آپ، آج کے دور میں سنگل پیرنٹ کی زندگی زیادہ مشکل ہو گئی ہے۔ ہمارا ماحول اور معاشرہ عجیب بے ڈھب چال چل رہا ہے۔ ان حالات میں بھی آپ نے مناہل کی تربیت ماشاء اللہ بہت اچھی کی ہے۔'' اورنگزیب کہہ رہے تھے۔ ماہین اس خراج تحسین پر بری طرح چونک گئی تھی۔ مناہل یہاں ان سب کے سامنے کیسا رویہ رکھتی ہے جسے یہ اچھی تربیت کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں۔'' اس نے سوچا اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب میں وہ ان سے کیا کہے۔

یہ کہ انہوں نے بھی اپنے بچوں کی تربیت بہت اچھی کر رکھی ہے، خاص طور پر معید کی جو دوسروں کے کام آنے میں آگے آگے رہتا تھا، دوسروں کا احترام کرنا جانتا تھا وغیرہ وغیرہ، اگلے ہی لمحے ایک بالکل ہی نئے خیال نے اس کے دل کو چھوا نہیں یہ تو بہت بزرگانہ ردعمل ہوگا۔

وہ اورنگ زیب یوسف کے اس تعریفی جملے کا جواب گول کر گئی اور سر اٹھا کر اس کمرے کے در و دیوار کو دیکھنے لگی جس میں اسے بٹھایا گیا تھا۔ وہ حدید طرز تعمیر پر بنا دو منزلہ گھر تھا اور اس کو بڑی خوب

www.pklibrary.com

صورتی سے سجایا گیا تھا۔ کمرا آتشدان میں جلتی آگ کی حدت سے گرم تھا اور اس کمرے میں بیٹھے اس کے میزبان بے ساختہ سے لوگ تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں اجنبیت کا احساس ختم ہو گیا تھا اور وہ معید کے والدین سے بے تکلفی سے باتوں میں مصروف ہو چکی تھی۔ مناہل ازکیٰ کے ساتھ دوسری منزل پر چلی گئی تھی اور وہ خود کو پیش کی گئی چائے اور لوازمات سے لطف اندوز ہوتی خود کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ وہ کتنے عرصے کے بعد کسی کے گھر مہمان بن کر آئی تھی گفتگو کے دوران اس نے سوچا تھا اور اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

"میں آپ کی بے حد ممنون ہوں جو آپ ازکیٰ کے ساتھ مناہل کو بھی پڑھانے کے لیے وقت دے رہے ہیں۔" اس نے اورنگ زیب یوسف سے کہا تھا۔

"اور میں آپ کے اس اعتماد کے لیے آپ کا ممنون ہوں جو آپ نے مجھ پر کیا۔" جواب میں انہوں نے کہا تھا۔

"کیا یہ میرے اعتماد کا نتیجہ تھا۔" اس نے سوچا۔ مناہل نے یہ فیصلہ کرتے وقت اس سے پوچھا نہیں صرف بتایا تھا اسے یاد آیا اور یہ مناہل کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی تھی جس کے سامنے وہ خاموش ہو گئی تھی اسے یہ بھی یاد آیا تھا لیکن اس ساری بات میں کچھ اور بھی تھا جو اسے مناہل کے یہاں آنے پر فکر میں نہیں ڈالتا تھا اور وہ کچھ اور کیا تھا اسے یہ یاد نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆

"وہ کچھ اور، معید یوسف کی ذات تھی۔" اس رات سونے کے لیے لیٹی مگر نیند نہ آنے پر سوچوں میں غلطاں اچانک اسے یاد آیا تھا اس روز ازکیٰ سے پہلی بار ملی تھی اور اس کا گھر، گھر والے کیسے تھے وہ سب سے ناواقف تھی لیکن وہ معید یوسف تھا جس کے بارے میں یہ سوچ کر کہ ازکیٰ اس کی بہن تھی اور ازکیٰ کے والد معید یوسف کے بھی والد تھے اس کا دل مطمئن رہتا تھا کہ مناہل پڑھائی کے لیے کسی غلط جگہ نہیں جا رہی تھی۔

"اور یہ سب کتنا عجیب سا ہے۔" اس نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا تھا۔ ابھی سرما کی چھٹیوں کے آغاز تک اس لڑکے کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں تھا لیکن ابھی آدھی چھٹیاں باقی ہیں اور لگتا ہے کہ یہ لڑکا ہمیشہ سے ہماری زندگیوں میں موجود تھا پھر اس نے لاشعوری انداز میں تکیے کے نیچے رکھا فون نکال لیا اور معید یوسف کا وہ میسج نکالنا چاہا جس میں اس نے ماہین کی تصویر اسے بھیجی تھی۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ معید کے نمبر سے چند نئے میسج اس کے پاس آئے ہوئے تھے۔ اس کے پہلے میسج والے دن کے بعد اس نے اپنے فون پر میسج ٹون کو نجانے کیوں سائلینٹ پر لگا دیا تھا جب ہی اسے ان نئے پیغامات کا علم نہیں ہوا تھا۔ وہ معید کے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھی ماہین کی تازہ تصویر تھی۔ اس نے سرمئی سوٹ پر سیاہ گرم شال اوڑھ رکھی تھی اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور وہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔

"دیٹ سوئیٹسٹ اسمائیل ایور۔"

اس نے تصویر کے نیچے لکھے پیغام کو پڑھا اور اس کا دل دھڑک سا گیا۔ وہ اس لڑکے کے اپنے ساتھ رویے کو ابھی تک شعوری کوشش کے ذریعے نارمل لینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے لاشعور میں جیسے کھٹکا سا تھا وہ اسے خصوصی طور پر اتنی اہمیت کیوں دے رہا تھا۔

"آپ مجھے اس وقت بھی بہت اچھی لگتی تھیں اور آج بھی اتنی ہی اچھی لگ رہی ہیں۔"

"آپ کو دیکھ کر مجھ پر ایسی ہی کیفیت طاری ہو گئی جیسے کسی بچے پر اچانک اپنی من پسند چیز نظر آ جانے پر ہوتی ہے۔"

"آپ مجھے اس لیے بھی اچھی لگتی ہیں کہ آپ بہت بہادر ہیں، ایک ٹروفائٹر ہیں آپ اور زندگی سے لڑ سکنے کی صلاحیت رکھنے والے لوگ ہمیشہ سے

www.pklibrary.com

میرے ہیرو رہے ہیں۔"

"اب چاہے آپ کو یہ بات اچھی لگے یا نا لگے لیکن آج میں صرف آپ کی کمپنی میں بیٹھنے یہاں آیا ہوں۔"

"جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنا آپ آپ کے سامنے چھوٹا نہیں لگتا، جبکہ مجھے ایسے لگتا ہے کہ خود آپ ایک چھوٹی سی بچی ہیں جو راستہ بھٹک چکی ہے اور مجھے اس کے راستے کا علم ہے سو میرا فرض بنتا ہے کہ اس بچی کو انگلی سے پکڑ کر اس کے گھر چھوڑ آؤں۔"

"مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ میں آپ کی کمپنی میں بہت انجوائے کرتا ہوں۔"

"آپ تو اس وقت سے ہی میرے خیالوں پر چھائی ہوئی ہیں۔" اور اب یہ

"دی سویٹسٹ اسمائل ایور۔"

اس نے ایک بار پھر فون کی اسکرین روشن کرتے ہوئے وہ جملہ پڑھا۔ گو ان سب جملوں میں بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی جو غیر معمولی سمجھی جاتی۔ نا ہی اس لڑکے رویے میں احترام اور تہذیب کے دائرے سے ہٹی کوئی چیز کبھی محسوس ہوئی تھی، لیکن اس کی عمر کا لڑکا کیوں ایک بڑھتی عمر کی، نا آسودہ، حالات کے جبر سے ستائی خاتون کو اتنی اہمیت دے گا کہ اسے اپنے قیمتی وقت کا اہم حصہ دیتا رہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا، اتنے تواتر اور مستقل مزاجی سے اس کے پیچھے کیوں لگا ہوا تھا۔ مناہل سے اس کی دوستی تو سمجھ میں آتی تھی لیکن خود اس کے ساتھ یہ خصوصی توجہ ماہین نے سر جھٹکا۔

"اس کامپلیمنٹ کے لیے بہت شکریہ لیکن کسی کی اجازت کے بغیر کبھی بھی اس کی تصویر لے لینا کوئی بہت اچھی عادت تو نہیں۔" اس نے پیغام لکھ کر معید کے نمبر پر جواب کے طور پر بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی وہ رات بھر جاگتی رہی تھی نجانے کس وقت اس کی آنکھ لگی تھی اسی لیے آنکھ کھل جانے کے بعد بھی وہ کسلمندی سے بستر میں پڑی رہی تھی۔

"مینو ماما، مینو ماما! یہ دیکھیں میرے لیے کیا آیا۔" لاؤنج سے آتی مقابل کی پراشتیاق آواز نے اسے چونکا دیا تھا، اگلے ہی لمحے مناہل دونوں ہاتھوں میں دو بڑے ڈبے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ماہین اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"انہوں نے، آئی مین ڈیر گرینڈ پا نے عیادت کے طور پر یہ میرے لیے بھجوایا ہے، یہ دیکھیں۔" اس نے ایک ڈبے پر لگے کارڈ کی طرف اشارہ کیا "گیٹ ویل سون" اور یہ اس نے پہلا ڈبہ کھولتے ہوئے اندر جھانکا۔

"اوہ مائی گاڈ، اتنا بڑا کافی کیک اور وہ بھی یہاں کی بیسٹ بیکری کا جو ہم کبھی افورڈ ہی نہ کر سکیں۔" اس نے انگلی سے ذرا سی چاکلیٹ ٹاپنگ لگا کر کھاتے ہوئے کہا۔

"اف کتنی مزے کی ٹاپنگ ہے اور دوسرا ڈبہ کھولنے لگی جس میں ڈونٹس اور پیٹیز رکھے تھے۔"

"انہیں کس نے بتایا کہ تم بیمار ہو۔" ماہین ششدر بیٹھی ان ڈبوں کو دیکھ رہی تھی۔

"خود میں نے۔" وہ لاپروائی سے بولی۔ "میسج کیا تھا میں نے انہیں۔"

"اور یہ سب دے کر کون گیا ہے؟"

"وہ جو ادھر صفائی کا کام کرتا ہے ان کے گھر، کیا نام ہے اس کا جان۔"

"جارج!" ماہین نے کہا۔

"وہی وہی۔" مناہل نے چٹکی بجائی اور ڈبے اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں، پھر چائے کے ساتھ یہ سب انجوائے کرتے ہیں۔" اس کی آواز کچن سے آ رہی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" حیران پریشان بیٹھی ماہین سوچ رہی تھی۔ "بابا جن کے گھر کی ہر چیز پر میں اپنا حق گنوا چکی ہوں، میری بیٹی کے لیے عیادت کا کیک

www.pklibrary.com

بھیجیں گے، یہ میں نے کبھی سوچا تھا۔

''اور شاید مجھے تسلیم کرلینا چاہیے کہ زندگی گزارنے اور تعلقات بنانے کے معاملے میں مناہل مجھ سے بہتر ثابت ہورہی ہے، بہت بہتر۔''

ناشتے کی میز پر چائے کے ساتھ کیک کا ٹکڑا کھاتے ہوئے اس نے ایک اور بات سوچی تھی۔

☆☆☆

''اچھا، تو یہ مینو ماما کا کمرہ ہے۔'' مناہل نے اس کمرے کے وسط میں کھڑے، ہاتھ کمر پر باندھتے ہوئے کمرے میں چاروں طرف نظر گھماتے ہوئے کہا۔ کسی سترہ، اٹھارہ سالہ لڑکی کی پسند اور مزاج کے مطابق سجا یہ کمرہ اگرچہ اسے بورنگ لگ رہا تھا۔ میڈونا، بیک اسٹریٹ بوائز، سیلین ڈیون، پیٹ سمپرس، مائیکل شوماکر اور نازیہ حسن کی تصویروں سے سجی دیواروں، سی ڈیز ریکس، ڈیسک ٹاپ مانیٹر، کین کی ریولونگ چیئر، دیوار گیر الماری کے ایک شیلف میں رکھا پرانی ٹی وی، اسٹڈی لیمپ اور کتابوں کی قطاریں، شوخ رنگوں میں ڈوبا فرشی رگ اور رنگا رنگ لائنوں والی بیڈ شیٹ، کھڑکیوں پر لٹکتے پرانے ڈیزائن کے پردے۔

ان میں سے کچھ بھی اس کی طبیعت سے میل نہیں کھاتا تھا۔ ہاں ایک ونڈو سل میں رکھے مختلف اسٹفڈ ٹوائز کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک اتری تھی اور اس نے آگے بڑھ کر ایک ایک کرکے انہیں اٹھا کر دیکھنا شروع کردیا تھا۔

''خدا جانے کس کس ملک سے منگوائے اور لائے جاتے تھے یہ کھلونے۔'' فاطمہ مریم اس کے قریب کھڑی نم آنکھوں سے ان کھلونوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اور.....'' مناہل نے ہاتھ میں پکڑا پنک پینتھر واپس رکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا میں یہ وارڈ روب دیکھ سکتی ہوں۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' فاطمہ مریم نے کہا تھا اور اس نے وارڈ روب کا ہینڈل دبا کر کھول دیا تھا۔

اٹھارہ انیس سال قبل کے فیشن کے مطابق بنے اور سلے ان گنت کپڑے ہینگروں میں ایسے ہی لیک رہے تھے جیسے ان کو پہننے والی انہیں لٹکا چھوڑ کر گئی تھی۔ نیچے شوریک میں قطار در قطار مختلف طرح کے جوتے سجے تھے۔ کورٹ شوز، اسنیکرز، لانگ شوز، چپل اور سینڈلز۔

''ارے یہ تو.....'' اس نے نیچے بیٹھے ہوئے کہا۔ ''یہ تو بالکل میرے سائز کے جوتے ہیں۔'' وہ ایک کورٹ شوز کے جوڑے کے چمڑے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔ ''مینو ماما کا سائز بھی ابھی تک اتنا ہی ہے۔ ہم دونوں اکثر ایک دوسرے کے جوتے پہن لیتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس ایک وقت میں بہت کم جوتے ہیں، ایک یا دو پیئر۔''

''اور یہ سویٹرز، کوٹ اور مفلر۔ یہ بالوں میں پہننے کی چیزیں اور جیولری۔'' دوبارہ کھڑے ہوکر اس نے وارڈ روب کا دوسرا حصہ کھولا اور اس کی آنکھوں میں چیزوں کی بھرمار دیکھ کر نئے سرے سے چمک اتر آئی۔ ''یہ سب بہت قیمتی اور یونیک ہے نا۔''

''بتا رہی ہوں نا کہ نجانے کن کن ملکوں میں گھوم کر یہ سب اکٹھا کیا مینو بٹیا نے۔'' فاطمہ مریم نے کہا۔

''اور پھر..... اور پھر یہ سب چھوڑ کر خالی ہاتھ چلی گئیں۔ میرے فقطے باپ کے ساتھ۔'' مناہل نے جیولری ریک پر لٹکتی بالیوں کی ایک جوڑی کو انگلی سے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔'' عقب سے سنائی دیتے اس جواب پر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دروازے میں وہ کھڑے تھے۔ ''یہ سب کچھ چھوڑ کر وہ تمہارے فقطے، نااہل، بددیانت، ناکارہ اور غیر ذمہ دار باپ کے ساتھ چلی گئی۔''

''اچھا نہیں کیا انہوں نے۔'' مناہل نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''اگر وہ محبت تھی تو بہت غیر حقیقت پسندانہ محبت تھی۔ جبکہ انسان کو زندگی کے ہر معاملے میں حقیقت پسند ہونا چاہیے۔ کسی بھی مرحلے

www.pklibrary.com

پر تکلیف سے دوچار ہونے سے بچنے کا قیمتی ترین نسخہ یہی ہے۔'' انہوں نے اپنے سامنے کھڑی اس نوعمر لڑکی کو دیکھا جس کی شکل ہو بہو ویسی ہی تھی لیکن بہت مختلف۔

''تمہیں برا نہیں لگا میں نے تمہارے باپ کے بارے میں کچھ اچھا نہیں بولا۔'' دوپہر کے کھانے کی میز پر بیٹھے انہوں نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''کیونکہ آگے چل کر وہ وہی سب کچھ ثابت ہوئے جو آپ نے ان کے بارے میں کہا۔''

''ہاں یہاں بھی یہ اپنی ماں سے مختلف ہے۔'' اس کا ساتھ دینے کی خاطر کھانے کے چھوٹے چھوٹے نوالے لیتے ہوئے وہ سوچ رہے تھے۔ ''زندگی کے مشکل ترین موڑ پر بھی شاید وہ اپنے باپ کے بارے میں کوئی غلط لفظ نہ سنتی، باپ کی طرف سے چاہے اسے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچی تھی۔

''مجھے بہت زیادہ باتیں یاد نہیں ہیں۔'' کھانے کے بعد قہوہ پیتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ کیونکہ یہاں اس وادی میں آنے سے پہلے کا وقت یاد کروں تو سوائے تکلیف دہ باتوں کے کچھ یاد نہیں آتا۔ میرے دادا کے گھر میں بہت سے لوگ رہتے تھے۔ ان سب سے اپنا رشتہ اور تعلق بھی مجھے معلوم نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ اتنے لوگوں کی درمیان مجھے جینے کے لیے بہت کم جگہ میسر تھی۔ بہت یاد کروں تو بھی یہ یاد نہیں آتا کہ اتنے زیادہ نفوس کے لیے دو وقت کا کھانا کون بناتا تھا اور وہ کہاں بنتا تھا۔ بس اتنا یاد ہے کہ کھانا مانگنے پر دادی اسٹیل کی ایک چھوٹی سی کٹوری تھما کر ہمسائیوں کے گھر بھگا دیتی تھیں سالن مانگنے کے لیے۔ غالباً ان میں سے ہر کوئی یوں ہی گزارا کرتا تھا۔ کسی سے مانگ کے، ریڑھی سے کچھ خرید کے، کسی کے گھر عین کھانے کے وقت جا کر۔ اگرچہ دادا شاید لوگوں کی اموات اور شادیوں کا کھانا بھی پکایا کرتے تھے۔

ایک ہلکی سی دھندلی سی یاد میں دادا کے ساتھ دیگوں اور پکانے کے دوسرے برتن کے ساتھ گدھا گاڑی پر لاد کر کسی ایسی جگہ جانا بھی ہے جہاں شادی ہو رہی تھی اور بہت سے لوگ جمع تھے لیکن یہ بہت موہوم سی تصویر کی مانند یاد ہے۔ غالباً میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔''

''اور وہ..... تمہاری ماں اس سارے میں سروائیو کیسے کرتی تھی؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ رہے تھے۔

''خدا جانے۔'' مناہل نے شانے اچکائے۔ ''شاید ان کے پاس وہاں سروائیو کرنے کی کوشش کے سوا چارا نہیں تھا۔''

''اور تمہارے باپ کیا وہیں لوگوں کی حجامتیں بنانے میں مصروف رہتا تھا یا پھر دیگوں میں چمچہ چلاتا تھا۔''

''نہیں، وہ ایسا کچھ نہیں کرتے تھے۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''وہ ایک تعلیم یافتہ انسان تھے۔ ان کی اسکولنگ اور براٹ اپ مختلف ماحول میں ہوا تھا، وہ ایسے چھوٹے کام کیوں کرتے۔''

''پڑھے لکھے۔'' ان کے لہجے میں تلخی اور طنز اترا۔ ''ایف ایس بھی مکمل نہیں کی تھی اس نے، کالج ادھورا چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔''

''میں ان کی وکالت نہیں کر رہی، کچھ کام نہ کرنے کے سلسلے میں ان کی دلیل بتا رہی ہوں۔ دادا کے گھر میں وہ شلوار کے اوپر بنیان پہنے ڈیوڑھی میں چارپائی بچھائے اپنے کزنز اور دوستوں کے ساتھ تاش کھیلنے میں مصروف رہتے تھے۔ پتے کھیلنے کے ماہر ہوں گے غالباً۔''

''تاش کے محل کھڑے کرنے کا بھی ماہر تھا وہ۔'' ان کے لہجے میں ابھی بھی تلخی تھی۔ ''پتے کھیلتے، پھینٹتے ہی مر گیا ہوگا۔''

''ابھی کہاں مرے۔'' مناہل نے سر ہلایا۔ ''ان کے ایک دوست نے انہیں اسلام آباد بلا لیا۔ شاید وہ وہاں انہیں نوکری دلوا رہا تھا۔ ان دنوں مینو ماما گوجرانوالہ کے علم اسکول میں نئی پڑھانا شروع ہوئی

www.pklibrary.com

تھیں اور مجھے بھی ساتھ لے جاتی تھی۔ ڈیڈ نے دوست کو انکار کر دیا، ان کی گھر والی نوکری سے جو لگ گئی تھی، جب ہی مینو ماما اور ڈیڈ کی وہ پہلی لڑائی ہوئی، ہاں وہ پہلی سب کو نظر آ جانے والی لڑائی تھی۔'' اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ''مینو ماما نے ڈیڈ سے کہا کہ اس وقت تک وہ سب اس لیے برداشت کرتی آئی تھیں کہ وہ ان کی اپنی غلطی کا نتیجہ تھا جسے بھگتنا ان کا مقدر تھا لیکن اس سے آگے وہ مجھے یعنی منابل کو ان کی غلطی کی سزا بھگتنے نہیں دیں گی۔ وہ چاہتی تھیں کہ ڈیڈ اسلام آباد والی نوکری کے بہانے انہیں بلکہ مجھے اس ماحول سے دور لے جائیں، جہاں بدتہذیبی، بدکلامی اور جہالت کے کلچر کا راج تھا۔

''کتنی روانی اور آسانی سے سب سنا دینے کی صلاحیت پائی ہے اس نے۔'' فاطمہ مریم نے میز پر سے برتن سمیٹتے ہوئے اس کی باتیں سن کر دل میں سوچا۔ ''اتنے بچپن میں ہوئی باتیں کسی کو کہاں یاد رہتی ہیں لیکن یہ تو لگتا ہے پیدا ہوتے ہی علامہ بن گئی تھی۔

''بس پھر مینو ماما کی اس پہلی ضد کے سامنے ڈیڈ کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور وہ ہمیں ساتھ لے کر اسلام آباد چلے آئے۔''

''کسی بہانے کام سے تو لگا۔'' فاطمہ مریم کے دل کو تسلی سی محسوس ہوئی۔

''دو یا پھر تین ماہ انہوں نے وہ جاب کی۔'' وہ انگلیوں پر گن رہی تھی۔ ''اور پھر اپنے باس سے جس کے ہاں وہ کیشئر لگے تھے لڑ کر، نوکری اس کے منہ پر مار کر گھر چلے آئے۔''

''گھر.....'' وہ چونک کر بولے تھے۔ ''گھر لے لیا تھا اس نے؟''

''رینٹ پر ایک چھوٹا سا کوارٹر لیا تھا، گھر کہاں تھا وہ۔'' وہ لاپروائی سے بولی اور ان کے دل نے ایک دھڑکن چھوڑ دی تھی۔

''بس پھر ادھر اُدھر کسی نوکری کی تلاش کا سلسلہ شروع ہوا اور اسی تلاش کے دوران وہ ایکسیڈنٹ ہوا جس میں ان کو ایسی چوٹ آئی جو آگے چل کر ان کی موت کا باعث بن گئی۔ اور ان کی ڈیتھ کے وقت اس خاکسار کی عمر بھی پورے پونے آٹھ سال۔''

''اس چھوٹی عمر کی بیٹی۔'' اب فاطمہ مریم میز کپڑے سے صاف کر رہی تھیں۔

''اور اس چھوٹی عمر کی بیوی۔'' انہوں نے آس بھری ایک نظر اپنے صاحب پر ڈالی۔ شاید جو دل پسیج جانے کی کوئی جھلک وہاں دکھائی دے لیکن وہ اسی سپاٹ اور بے تاثر چہرے کے ساتھ وہاں بیٹھے تھے جو ان کی شخصیت کا خاصا بن چکی تھی۔

''شکر ہے اس دوران مینو ماما کو اس مونٹیسوری اسکول میں جاب مل چکی تھی اور وہ مونٹیسوری کورسز بھی کر رہی تھیں ورنہ نوبت سڑک پر آ کھڑے ہونے تک تو تقریباً پہنچ ہی چکی تھی۔'' منابل آگے بولی۔

''اور یہ بھی انہوں نے اچھا ہی کیا کہ اس معمولی سی جاب کے سر پر وہاں بیٹھے رہنے کے بجائے یہاں چلی آئیں۔ دادا، دادی نے تو انہیں صاف جواب دے دیا تھا جس کی خاطر نہیں برداشت کرنا تھا، وہ تو گیا۔ اب اپنا راستہ ناپو وغیرہ وغیرہ۔'' وہ یاد کرتے کرتے لمحہ بھر کو رکی۔ ''ویسے صاف جواب تو آپ نے اور نانو نے بھی تو انہیں دے دیا تھا نا۔'' اس نے ان کی طرف دیکھا۔ ''چچ چچ۔ کتنا ہرٹ ہوئی ہوں گی وہ اس وقت۔ مین ان کی تکلیف محسوس کر سکتی ہوں۔''

''تمہیں اس کے کمرے سے اگر کچھ اپنے ساتھ لے جانا ہو تو لے جا سکتی ہو۔'' جواب میں وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولے تھے۔

''دل تو بہت چاہ رہا ہے کہ آپ کی یہ آفر قبول کر لوں لیکن مینو ماما کی خود داری پر ضرب پڑنے کا اندیشہ ہے، لہٰذا رہنے دیجیے۔''

''اتنا خیال ہے تمہیں ماں کا؟'' وہ چونک گئے تھے۔

''جب تک وہ میرا خیال کرتی ہیں، اس وقت تک..... ہاں۔'' وہ شانے اچکا کر بولی۔

''اور تمہارا خیال ہے کہ اس کو حقیقت پسندی کہتے ہیں۔''

www.pklibrary.com

''یقیناً کیونکہ میں احساس، تعلق، دلوں کی نزاکت وغیرہ وغیرہ سے اس لیے نابلد ہوں کہ مجھے یہ سب چیزیں راشن کے کوٹے کی طرح ملیں بلکہ زیادہ تر وہ بھی نہیں ملیں، اس لیے زندگی گزارنے کے اکثر اصول میں نے اپنے فلسفے کے مطابق وضع کر لیے ہیں۔ زندگی مفادات کے کھیل کا نام ہے، جب تک آپ کی سوچ، نظریہ اور مفاد کسی سے نہیں ٹکراتا، اس ول اینڈ گڈ۔ اور اگر کبھی کہیں ایسا ہو جائے تو آپ تن کے کھڑے ہو جاؤ تو اگلے کو سبق سکھا دو یا پھر خود کٹ کے گر جاؤ۔'' اس نے کہا تھا۔

''اور میں تم سے بس اتنا ہی تو تعارف چاہتا تھا۔'' اس کے واپس چلے جانے کے بعد انہوں نے سوچا تھا اور میز پر دھری مثنوی مولانا روم اٹھا کر اس کے مطالعے میں مگن ہو جانے کی ناکام کوشش میں مصروف ہوئے تھے۔

☆☆☆

مناہل نے ماہین کو دوسری مرتبہ اس کے باپ کے گھر جانے کے متعلق نہیں بتایا تھا۔ ان دنوں وہ ویسے بھی معمول سے زیادہ مصروف رہتی تھی۔

ازکی کے ساتھ مل کر اس نے انسٹاگرام پر کوئی پیج بنایا تھا جس پر وہ علاقے کی مقامی دستکاری کی فروخت کا کام شروع کرنا چاہتی تھیں۔ ماہین کے لیے یہ بھی غنیمت تھا، وہ اپنی ضرورتوں کے لیے ہی سہی اس کام کے ذریعے کچھ کما لے تو خود ماہین کے کندھوں سے اخراجات کا بوجھ قدرے کم ہو سکتا تھا۔

وہ مناہل کی مستقبل کی پڑھائی کے ضمن میں جو پیسے پس انداز کر رہی تھی ان کی مد میں اضافہ ہو سکتا تھا۔ چھٹیاں تیزی سے گزر رہی تھیں اور چھٹیاں گزر جانے پر بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا سلسلہ بھی ختم ہو جانے والا تھا۔ وادی کا شدید برفیلا موسم بھی آہستہ آہستہ بدلنے لگا تھا۔ برف باری کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا اور بارش روزانہ کا معمول بننے لگی تھیں۔ اس روز تابندہ نے اسے فون پر اپنے بیٹے کی سالگرہ پر آنے کی دعوت دی تھی۔ وہ عموماً ایسی دعوت نظر انداز کر دیا کرتی تھی لیکن تابندہ اس کی ایسی دوست تھی جو ہر اچھے برے وقت میں اس کا ذہنی سہارا بنی چلی آ رہی تھی۔ اس کی دعوت کو نظر انداز کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا، اس نے مناہل کو بھی ساتھ چلنے کے لیے کہا جس پر اس نے حسب توقع انکار کر دیا تھا۔

''اگر تمہارے پاس لپ اسٹک کا کوئی برائٹ شیڈ ہے تو بتاؤ اور ہاں اپنا مسکارا بھی مجھے دینا۔'' اس نے سالگرہ پر جانے کے لیے گہرے نیلے رنگ کی سلک کی قمیص اور شلوار کا انتخاب کیا تھا جس کے ساتھ دوپٹہ پرنٹڈ تھا اور اس کے پھولوں میں کیسری اور سرخ رنگ نمایاں تھے۔ یہ سوٹ اس کی ایک کولیگ نے اسے تحفے میں دیا تھا اور اس کے دوپٹے کے شوخ رنگوں کی وجہ سے ابھی تک اس نے اسے یوں ہی رکھ چھوڑا ہوا تھا۔

''خیریت ہے نا؟'' مناہل اس کے لباس کے انتخاب اور لپ اسٹک اور مسکارا مانگنے پر حیران ہوئی تھی۔

''ہاں، بس یونہی۔'' وہ مختصر جواب دیتے ہوئے واپس اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور گھر سے نکلنے سے پہلے تیار ہو کر اس نے دیوار پر لگے چھوٹے سے آئینے میں خود کو دیکھا تو اسے بھی اپنا چہرہ اجنبی سا لگا تھا اور مناہل تو اسے دیکھ کر چیخ اٹھی تھی۔

''ہیئر یو آر مینو ماما؟ کتنے سالوں کے بعد یوں تیار ہوئی ہیں آپ۔ مجھے تو اپنے ہوش میں آپ کی ایسی تیاری بالکل بھی یاد نہیں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ گئی تھی اور اس کے کانوں میں پڑے ہلکے سے آویزوں کو انگلی سے محسوس کرتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے تو جو یاد ہے، وہ یہ کہ آپ راہباؤں کی طرح کھردرے، موٹے، زندگی سے عاری رنگوں والے کپڑے ہی خریدتی اور بناتی رہی ہیں لیکن یہ۔'' اس نے اس کے دوپٹے کی نرمی کو چھوا۔ ''یہ بہت مختلف ہے۔''

''آپ نے اپنی اتنی سی عمر پر خواہ مخواہ بے رنگی،

www.pklibrary.com

سنجیدگی اور عمر رسیدگی کا چولا اوڑھ رکھا ہے۔ بھلا کوئی اپنے ساتھ ایسا بھی کرتا ہے۔'' ایک آواز ماہین کے کان سے ٹکرائی تھی۔

''پلیز اپنے ساتھ ایسا نہ کریں، اوائل زندگی کے کسی ایک تلخ اور ناکام تجربے کی سزا اپنی ساری عمر کو مت دیں۔''

ایک ہلکی سی مسکراہٹ نجانے کیوں آپ ہی آپ اس کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ اس نے میز پر دھرا تحفے کا پیکٹ اٹھایا اور گھر سے باہر نکل آئی۔ اس روز اسے فضا میں ایک نئی تازگی اور خوب صورت کا احساس ہوا تھا۔ کئی بار کی دیکھی مخصوص عمارتیں، گھر اور راستہ بھی نیا نیا لگ رہا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ زندگی کو عرصے بعد دوبارہ وہیں سے متصل ہونے لگی تھی جہاں اس نے اسے سالوں پہلے چھوڑ دیا تھا۔

☆☆☆

تابندہ کے گھر گزارا وہ مختصر وقت بھی بہت اچھا تھا۔ تابندہ کے گھر میں رونق تھی، سجاوٹ تھی۔ باتیں اور قہقہے تھے۔ خود تابندہ بھی ماہین کو اس مختلف روپ میں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''تم نے دیکھا کبھی بھی بہتر لباس بنا اور پہن لینے، ہلکا سا میک اپ کر لینے اور ایک آدھ چوڑی، جھمکی پہن لینے سے اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہو جاتا۔ ہمارا خود پر اتنا تو حق ہوتا ہی ہے نا۔'' تابندہ کہہ رہی تھی۔ تابندہ بھی مناہل کی طرح ہمیشہ اس کو آمدن اور خرچ کی گنتی میں الجھا دیکھ کر ہنسا کرتی تھی۔

''تمہیں اندازہ نہیں کہ میں نے زندگی میں کیسی کیسی اور کتنی تنگی دیکھی ہے، شاید اسی لیے کسی بھی طرح کے آنے والے وقت کے لیے پس انداز کر کے رکھنا میری عادت بن چکی ہے کیونکہ وقت آپڑنے پر خالی جیب کتنا خوار کرتی ہے، یہ مجھ سے بڑھ کر کون جانتا ہوگا۔'' سالگرہ کے کیک کے گرد جھلملاتی موم بتیوں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا اور کیک کاٹے جانے پر تالیاں بجانے والوں میں شامل ہوئی تھی۔

☆☆☆

واپسی کا راستہ اترائی کا تھا، اسی لیے سہل بھی تھا اور وہ اس سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی۔ عرصے کے بعد ایک پر رونق شام دیکھنے کے بعد وہ خود کو تر و تازہ بھی محسوس کر رہی تھی۔ اچانک راستے میں سڑک کے کنارے اسے معید کھڑا نظر آیا۔ وہ اپنی گاڑی وہیں کھڑی کر کے خود گاڑی سے باہر نکل کر کھڑا تھا۔

''آپ میرے اندازے سے پانچ منٹ لیٹ یہاں پہنچی ہیں۔'' ماہین کو قریب آتے دیکھ کر وہ گھڑی پر نظر ڈال کر بولا۔

''تمہارا اندازہ؟'' ماہین حیران ہوئی۔ ''تمہیں کیسے معلوم کہ میں یہاں سے گزرنے والی ہوں۔''

''دیکھیں، آپ کے معاملے میں میرا گیان کتنا تیز ہے۔'' وہ ہنسا۔ ماہین نے تعجب سے دیکھا۔ ''مناہل نے ازکی کو آپ کی پکچر بھیجی تھی، وہ آپ کو سالوں بعد کسی تقریب کے لیے تیار ہوتے دیکھ کر بہت ایکسائیٹڈ تھی۔ باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی بتا دیا کہ آپ کہاں آئی ہوئی ہیں اور کب تک آپ کی واپسی متوقع ہے۔'' اس نے فوراً ہی وضاحت دی۔

''اور تم میرے راستے میں آ کر کھڑے ہو گئے، کیوں۔'' ماہین کا دل اگرچہ اس کی بات سن کر معمول سے ہٹ کر دھڑکا تھا لیکن اس نے اس دھڑکن پر قابو پاتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

''کیونکہ مجھے آپ کو اس لباس اور تیاری میں لائیو دیکھنے کا شوق ہو رہا تھا۔ یہ اگرچہ ایک نایاب منظر ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ ایک نئی ابتدا ہے۔'' وہ پرشوق نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماہین گڑبڑا گئی۔

''آپ نے اس روز بنا اجازت کے پکچر لینے پر ڈانٹ دیا تھا۔ اگر آپ آج اجازت دیں تو اس خوب صورت بیک گراؤنڈ کے ساتھ آپ کی ایک تصویر لے لوں۔'' اس نے کہا۔ ''پلیز۔'' ماہین کی خاموشی پر اس نے اس نے التجا کرنے کے انداز میں کہا۔

www.pklibrary.com

ماہین اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس شام تابندہ کے گھر پر اس نے اپنی زندگی کی پہلی سیلفی لی تھی جو اس کے فون میں محفوظ تھی لیکن وہ خاموش رہی۔

"یہاں ادھر..... سڑک کے اس کنارے، آپ اس بیریر کے ساتھ کھڑی ہو جائیں پلیز۔ وادی پر اترتے بادلوں کے ساتھ یہ تصویر بہت اچھی آئے گی۔" وہ کہہ رہا تھا اور ماہین اس کے کہنے پر سڑک کنارے لگے جنگلے کے ساتھ کھڑی ہو گئی تھی۔

"بہت شکریہ۔" تصویر لینے کے بعد اس نے کہا۔ "آپ نے میرا مان بڑھا دیا۔"

"ٹھیک ہے، اب میں چلتی ہوں۔" ماہین نے قدم بڑھایا۔

"آئیں۔ میں آپ کو ڈراپ کر دوں، دیکھیں تو بادل تیزی سے اتر رہے ہیں۔ کچھ دیر میں برسنے لگیں گے۔ بارش میں گھر کیسے جائیں گی؟"

وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

ماہین نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا، وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ بارش کسی بھی لمحے شروع ہو سکتی تھی۔ "میں نے موسم کی طرف دھیان ہی نہیں دیا، اچھا ہوا یہ ادھر آ گیا ورنہ بہت مشکل ہو جاتی۔" اس نے سوچا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"ایک بڑی آٹو وہیکل کمپنی نے مجھے سلیکٹ کر لیا ہے۔ میری نوکری لگ گئی ہے۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"کمپنی کا پلانٹ لاہور میں ہے، مجھے ایک ہفتے کے اندر انہیں جوائن کرنا ہے۔"

وہ بتا رہا تھا اور ماہین کو نجانے کیوں ایک لمحے کے لیے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"کیوں؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"میرا مطلب ہے اتنی جلدی کیوں؟" اگلے لمحے اس نے اپنے ردعمل پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ جو ہائر کرتے ہیں، ان کو اگلے بندے کی سروسز بھی چاہیے ہوتی ہیں۔" وہ ماہین کے ردعمل پر زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

"اوہ، ہاں، صحیح ہے۔" بے ترتیب الفاظ ماہین کے منہ سے نکلے اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے تیزی سے گرنا شروع ہو چکے تھے۔ چھٹیاں ختم ہونے میں دو ہفتے باقی تھے اور چھٹیوں کے دوران بننے والا یہ نیا تعلق چھٹیوں کے اختتام سے پہلے ہی ختم ہونے والا تھا۔ اس کے حلق میں پھندا سا پڑنے لگا۔

"میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو مجھے آپ کی فکر رہے گی۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"کیوں؟" ماہین نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا تھا۔ "میری فکر کیوں رہے گی تمہیں؟"

"آپ کے بہت سے کام میں اپنی ذمہ داری جو سمجھنے لگا تھا۔"

"کیوں، تم سے پہلے میرے کام رکے رہتے تھے کیا؟" ماہین کا لہجہ سپاٹ ہونے لگا، جیسے وہ کسی سے خفا ہو۔

"کسی کے کام بھی کبھی رکے ہیں کیا؟" وہ مسکرایا۔ "لیکن خود کے یہاں موجود ہونے سے مجھے تسلی رہتی تھی آپ کی طرف سے۔ کافی پئیں گی؟"

اب وہ علاقے کے مین بازار سے گزر رہے تھے جب اس نے اچانک پوچھا۔

"میرے جانے سے پہلے کافی کا ایک کپ پلیز۔" اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح ملتجیانہ ہوا۔ اور اس نے سیاحوں کے لیے کھلنے والی ایک نئی کافی شاپ کے سامنے گاڑی روک دی۔ گاڑی سے اترنے سے پہلے اس نے پچھلی سیٹ پر رکھا چھاتا اٹھایا اور گاڑی سے نکل کر ماہین کے دروازے کی طرف آیا۔

کافی شاپ کے اندر ہیٹر جل رہے تھے اور حدت تھی۔ ماحول میں کافی کی تیز خوشبو رچی ہوئی تھی۔ معید ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھا اور ماہین کے لیے ایک کرسی باہر نکال کر اس کے بیٹھنے تک کھڑا رہا۔

"میں ممنون ہوں آپ نے ہمیشہ کی طرح آج

www.pklibrary.com

پہلے میری درخواست مسترد نہیں کی۔'' آرڈر دینے کے بعد وہ اپنے اور ماہین کے درمیان حائل میز کے شیشے پر انگلی پھیرتے ہوئے بولا۔

''تم اب جا رہے ہو، تو میں نے سوچا، تمہاری بات مان ہی لوں۔''

''آئی ایم آنرڈ۔'' اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ''لیکن جا ہی رہے ہو کا مطلب یہ نہیں کہ میں یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ میں چکر لگاتا رہوں گا۔''

''ظاہر ہے، تمہارا گھر اور والدین یہاں ہیں، ان سے ملنے تو تم آتے ہی رہو گے۔''

''آپ بھی تو یہاں ہیں۔'' وہ تیزی سے بولا تھا۔ ''اپنے گھر والوں سے زیادہ شاید میں آپ کے لیے آنا چاہوں گا۔''

''کیوں..... میرے لیے کیوں؟'' ماہین کا لہجہ قدرے سخت ہوا۔

''کیونکہ.....'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ''آپ برا نہ مانیں تو کہوں گا کہ..... کیوں کہ..... مجھے آپ سے.....'' وہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ ''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس جذبے کو کیا نام دوں، محبت تو خاصا عامیانہ سا لفظ ہے۔'' پھر اس نے گلا کھنکارتے ہوئے کہا۔ ''لگاؤ، عشق، عقیدت، ..... نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔ ''میری نہیں سمجھ میں آتا کہ اس جذبے کے اظہار کے لیے کون سا لفظ مناسب ہوگا۔''

ماہین کو لگا اس کے جسم کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر جمع ہو گیا۔ اس کے کان، رخسار، پیشانی سب خون کی اس غیر متوقع گردش کے سبب سرخ ہو گئے تھے۔

''آپ مجھے غلط مت سمجھیے گا پلیز۔'' وہ اس کی حالت کا اندازہ کر کے تیزی سے بولا۔ ''میں جانتا ہوں کہ آپ کو مجھ سے اس اظہار کی توقع نہیں تھی۔ لیکن میں کیا کروں، میرا اپنے دل پر اختیار بھی نہیں ہے۔'' اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

''تم جانتے بھی ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔''

ماہین نے خشک لہجے میں پوچھا۔ ''اپنی اور میری عمر کے فرق کا اندازہ ہے تمہیں۔'' وہ شاید اسے اپنے شاگردوں کی طرح ڈانٹ دینا چاہتی تھی۔ ''میں تو..... میں تو.....'' اس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تو تمہیں اسکول کا پرانا اسٹوڈنٹ، ازکی کا بھائی اور منال کے تمہارے گھر والوں کے ساتھ تعلق کی بنا پر.....'' وہ کہتے کہتے رکی۔ ''میں تو.....''

''آپ ایسا نہ کہیں پلیز۔'' وہ سے روکتے ہوئے بولا۔ ''عمروں کے فرق کے بارے میں وضاحت میں آپ کو پہلے ہی دے چکا ہوں۔ رہی تعلق کی بات تو یہ سب ناتے اور تعلق نہ بھی ہوتے تو بھی شاید! آپ کے بارے میں میرے جذبات یہ ہی ہوتے اور یہ آج سے نہیں، بہت پہلے سے ہی ایسے ہیں۔ ابھی تو انہوں نے صرف تقویت پکڑی ہے، ابھی تو صرف اظہار کی جرأت ملی ہے۔''

''بے وقوف ہو تم۔'' ماہین نے سختی سے کہا۔ ''تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ تم کتنی بچگانہ دل میں بھی ایک بار جھانک کر دیکھو، کیا اس لڑکے کی زندگی میں آمد کے بعد سے تمہارے معمولات میں فرق نہیں آیا ہے۔ دروازے پر بجنے والی اطلاعی گھنٹی کی آواز تمہیں اس خیال سے چونکاتی نہیں لگی کہ کہیں وہ نہ آیا ہو۔ گھر سے باہر نکلنے پر راستوں پر، موڑوں پر، دکانوں پر لاشعوری طور پر تمہاری نظریں متلاشی نہیں رہتیں کہ شاید وہ کہیں ادھر ہی گھوم رہا ہو اور تمہارا فون۔ کیا اب تم اسے وقفے وقفے سے اٹھا کر اس خیال سے چیک نہیں کرتیں کہ کہیں اس کی طرف سے کوئی نیا پیغام نہ وصول ہوا ہو۔

اس سے پہلی ملاقات کے بعد سے اب تک کے عرصے کیا تم نے یہ سوچنا شروع نہیں کر دیا کہ ''تم ایک رنگ میکانکی زندگی گزارے چلی جا رہی ہو۔ تمہیں اپنے پیہم احساس جرم سے اب باہر نکل آنا چاہیے۔ کیا آج شام کا تمہارا معمول سے ہٹ کر بناؤ سنگھار اسی سوچ کا عکس نہیں تھا۔''

www.pklibrary.com

اس لڑکے معید کی باتوں میں، اس کی موجودگی میں کچھ سحر تھا۔ جس نے ماہین کو اپنا عادی بنالیا تھا۔ جب ہی اس شام نوکری کی غرض سے اس علاقے سے اس کے چلے جانے کی خبر نے اس کے دل کی دھڑکن لمحے بھر کے لیے روک دی تھی۔

"تو پھر یہ کیا ہے؟" وہ بے چین ہوگئی۔ "یہ جو بھی ہے، اچھا نہیں ہے۔ بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔ وہ کم عمر نوجوان سا لڑکا اور میرے لیے اس کی ایسی گفتگو۔" اس نے سر ہلایا۔ "بڑی مشکل سے میں اس علاقے میں اپنا بھرم بنا کر بیٹھی ہوں۔ سب جانتے ہوئے بھی یہاں اس لیے چلی آئی تھی کہ باہر کی دنیا میں اس عمر میں اکیلے یہ جنگ لڑنا بہت مشکل تھا جبکہ یہاں ہر جگہ میری جان پہچان تھی۔ یہاں اس اسکول میں وہاں کی پرانی طالب علم ہونے کی وجہ سے جاب ملنا آسان تھا۔ یہ محدود سی دنیا میری اپنی تھی جب ہی اماں بابا کا ردعمل پہلے سے جانتے ہوئے بھی میں مناہل کو لے یہاں چلی آئی تھی۔

"کیا ہوا جو ایک مرتبہ پھر دھتکار دیں گے۔ ہوں گے تو یہیں کہیں موجود۔ ان کے قریب ہونے کا احساس ہی میرے لیے کافی تھا۔ لوگ کیا کہیں گے، لوگوں نے کیا کہا..... ہر طرف سے کان لپیٹ کر میں اپنی جنگ لڑنے میں مصروف ہوگئی۔ وہ جنگ جو میں "ثم" کے گھر والوں کے ساتھ رہتے ہوئے نہیں لڑ سکتی تھی، جہاں میری بیٹی کو پہلے سالن کی کٹوری پکڑ کر گھر گھر دستک دے کر مانگنے پر لگا دیا جاتا۔ گالیوں اور ہر وقت کی آپسی لڑائیوں کا ماہر بنایا جاتا اور پھر اپنے ہی جیسے کسی خاندان میں بیاہ دیا جاتا۔

یہ..... یہ سب سوچ کر ہی تو میں یہاں چلی آئی تھی اور اب تو ابتدائی جنگ لڑ بھی چکی تھی پھر تم کیوں سب بنا بنایا الٹانے کو یہاں آن پہنچے ہو۔" اس نے معید کے لیے میسج تائپ کرتے ہوئے لکھا تھا۔

"اور مناہل....." پھر اس نے ساتھ سوئی ہوئی مناہل کی طرف دیکھا۔ "میرے قد کے برابر آئی میری بیٹی، یہ کیا سوچے گی جس کی خاطر میں زندگی کی یہ کورو پانڈو لڑنے کو تیار ہوئی تھی، نہیں....." اس نے سر ہلایا۔ "میری تم سے درخواست ہے کہ جو آج کہا ہے، دوبارہ نہ کہنا۔ اسی میں میری دنیا اور خود اپنی نظروں میں عزت بچ جانے کا امکان ہے۔"

اس نے لکھا تھا اور پیغام بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح اطلاعی گھنٹی صبح دس بجے بجی تھی۔ ماہین دھلائی کے کپڑے قریب رکھے واشنگ مشین میں پانی اور ڈٹرجنٹ پاؤڈر ڈالنے میں مصروف تھی۔ مناہل لاؤنج میں صوفے پر تساہل سے لیٹی تھی۔ گھنٹی کی آواز سن کر وہ ہی اٹھ کر دروازہ کھولنے گئی تھی۔ لاؤنج سے آتی آواز نے ماہین کو چونکا دیا تھا۔ وہ معید کی آواز تھی۔ آدھی رات کو اسے پیغام بھیجا تھا اور آج اس وقت وہ آن موجود ہوا تھا۔ ماہین کا دل دھڑک اٹھا۔ گیلے ہاتھوں کو تولیے سے پونچھتی وہ لاؤنج کی طرف آئی تھی۔ لاؤنج میں مقامی دستکاریوں اور پیکنگ کے سامان کا چھوٹا سا ڈھیر لگا تھا۔

"ازکی! بارہ بجے پہنچ جائے گی، تم لوگ بس آج ہی پیکنگ شروع کردو۔" وہ مناہل سے کہہ رہا تھا۔ "پہلا بڑا آرڈر ہے یہ تم لوگوں کا۔ اسے ڈسپیچ کرنے میں دیر نہ کرنا۔" مناہل سے بات کرتے کرتے اس کی نظر ماہین پر پڑی تھی۔ ماہین کا اڑا ہوا رنگ دیکھ کر اس نے نظر چرائی تھی۔

"معید لاہور جارہا ہے۔ اس کی وہاں جاب ہوگئی ہے۔" مناہل نے مینو کو بتایا تھا۔ ایک بار پھر ماہین کی نظر معید سے ٹکرائی تھی۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں معید! تمہارے بغیر ذرا بھی مزا نہیں آئے گا۔ تمہارے ساتھ ہر کام میں بہت مزا آتا ہے۔" مناہل اب معید سے مخاطب تھی۔

"آپ نے دیکھا میم!" جواب میں مناہل کے بجائے وہ ماہین سے مخاطب ہوا۔ "آٹھ سال تو بڑا ہوں میں مناہل سے۔ پھر بھی یہ مجھے تم کر کے مخاطب کرتی ہے۔ اب کیا کروں لڑکی! میرا مقام جو اب اور بھی بڑا ہونے والا ہے۔" اس کے چہرے پر

www.pklibrary.com

مسکراہٹ ابھری اور ماہین کے دل نے ایک بار پھر ایک دھڑکن چھوڑ دی۔ ”جتنا یہ پر اعتماد اور منہ پھٹ ہے، اس کا کیا پتا کیا کہہ دے۔“

”وہ کیسے، تمہارا مقام کیسے بڑا ہونے والا ہے؟“ مناہل نے ہاتھ کمر پر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔

”جاب لگ چکی ہے میری۔ ایک آدھ مہینے میں پہلی سیلری بھی آجائے گی میری اور ازکی اور تم مجھ سے فرمائشیں کرتی پھرو گی۔ یہ لے دو..... وہ لے دو..... مقام تو میرا ہی بڑا ہوگا نا۔“

”ارے چلو چلو.....“ مناہل نے ہاتھ جھٹکا۔ ”ہم دونوں تو خود کماؤ پوت ہو چکی ہیں۔ یہ پہلا بڑا آرڈر دیکھ رہے ہو ہمارا۔“ اس نے فرش پر رکھے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا۔

”دیکھ لیں میم! اس پر ابھی بھی اثر نہیں ہو رہا۔“ اس نے ایک مرتبہ پھر ماہین کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز سے ذرا بھی نہیں لگ رہا تھا کہ پچھلی شام اس نے ماہین سے کچھ کہا تھا اور گئی رات ماہین نے اسے کوئی جواب دیا تھا۔

”چھوڑو سب۔ میرے ساتھ یہ سب پیک کرواؤ پہلے۔ میں پیکنگ میں اتنی ماہر نہیں ہوں، جاتے جاتے پیکنگ ہی سکھا جاؤ مجھے۔“ مناہل نے فرش پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”جاتے جاتے..... ایسے کہہ رہی ہو جیسے ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں میں۔ لاہور بھلا دور ہی کتنا ہے۔ میں تو ہر ویک اینڈ پر گھر آنے کا پلان بنا رہا ہوں۔“ وہ بھی نیچے بیٹھ گیا۔

”ہر ویک اینڈ پر۔“ مناہل حیرت سے بولی۔

”اور کیا۔ بھئی یہاں میرا گھر ہے۔ اماں ابا ہیں۔ ازکی اور نیپو ہے اور.....“

”اور کون ہے؟“ مناہل نے بے صبری سے پوچھا۔

”ہے کوئی اور بھی۔“ اس نے کن انکھیوں سے ماہین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کوئی بہت خاص۔ بہت ہی اپنا۔“

ماہین ایک سخت نظر اس پر ڈالتے ہوئے واپس مشین کی طرف چلی گئی۔ کپڑے دھو لینے کے بعد جب وہ واپس لاؤنج میں آئی، وہ دونوں آدھا سامان پیک کر چکے تھے۔

”اب یہ نہ کہنا کہ یہ سب پیکنگ اٹھا کر کوریئر آفس بھی میں ہی لے کر جاؤں اور اس سے پہلے سب نام اور ایڈریس بھی میں ہی پرنٹ کرا لاؤں۔“ وہ پیکنگ میٹریل میں الجھا ہوا کہہ رہا تھا اور مناہل اپنے فون پر کام کرتے اس کی ویڈیوز بنا کر غالباً ازکی کو بھیج رہی تھی۔ ماہین کچن کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے چند دنوں میں موسم اور بھی کھل گیا تھا۔ ان ہی دنوں میں مناہل کے ذریعے اسے معید کے والدین کی شادی کی سالگرہ کی دعوت ملی تھی۔ وہ فوراً انکار کر دینا چاہتی تھی لیکن پھر مناہل نے اسے معید کے والد کا وہ احسان یاد کرایا جو وہ مناہل کو مفت پڑھانے کی شکل میں ان پر کر رہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس موقع پر انہیں ایک اچھا تحفہ دے کر احسان کا کچھ بدلہ تو دیا ہی جا سکتا تھا۔

”ہاں تو تحفہ خرید لیں گے نا۔ تم اکیلی جا کر دے دینا۔“ ماہین نے کہا۔

”نہ..... نہیں۔“ مناہل نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”والدین کو والدین ہی ڈیل کرتے اچھے لگتے ہیں۔ ہم بچے نہیں۔“

”والدین..... بچے.....“ ماہین کا دماغ الجھنے لگا۔ ”اور اگر انکار ہی کرنا ہے تو خود کال کر کے کہیے، میں آپ کو ازکی کے ابا کا نمبر دے دوں گی۔“

”اچھا چھوڑو۔“ ماہین نے سر جھٹکا۔ ”یہ بتاؤ تحفہ کیا دینا ہے انہیں؟“

”مطلب آپ جائیں گی۔“ مناہل مسکرائی۔

”تو پھر جب آپ جا ہی رہی ہیں تو تحفے کا انتخاب بھی خود ہی کر لیجیے گا۔ آج کل میں کسی وقت بازار چلی جائیے نا۔“

☆☆☆

www.pklibrary.com

اگلے روز وہ یہ ہی تحفہ خریدنے کی نیت سے گھر سے نکلی تھی۔ سرکاری اسکول کے ٹیوشن والے بچوں کو فارغ کرتے وہ لیٹ ہوگئی تھی۔ اور مناہل نے سہ پہر میں آنے والے بچوں کو پڑھانے کی ہامی بھر لی تھی۔ اسی صورت میں وہ گھر سے نکل سکتی تھی۔ اوپر بازار کی طرف جاتے ہوئے وہ راستے میں رک گئی تھی۔ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اس کا رخ ووڈ کالج کی طرف مڑ گیا۔ بہادر بخش اسے خود سے ذرا آگے اوپر جاتا نظر آیا تھا۔

"بہادر بخش!" اس نے آواز دی۔

"ارے اپنی مینو بٹیا!" بہادر بخش نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں کچن کے سامان کے تھیلے تھے۔

"خریداری کر کے آرہے ہو۔" وہ اس کے ساتھ چلنے لگی۔

"آپ نے بہت دنوں بعد چکر لگایا۔" بہادر بخش نے جواب میں سوال کیا۔

"ہاں، وہ موسم اور پھر مصروفیت۔" اس نے مختصر جواب دیا۔ "یہ اتنی دیسی مرغیاں کس کے لیے لے کر جارہے ہو۔" اس نے بہادر بخش کے ایک تھیلے میں پھڑ پھڑاتی تین زندہ مرغیوں کی طرف دیکھا۔ "کوئی دعوت ہورہی ہے کیا؟"

"نہیں..... نہیں....." بہادر بخش نے سر ہلایا۔ "صاحب کی طبیعت کچھ دنوں سے خراب ہے نا تو فاطمہ مریم نے یہ مرغیاں یخنی کے لیے منگوائی ہیں۔"

"ارے کیا ہوا انہیں؟" ماہین بری طرح پریشان ہوگئی۔

"موسمی بخار اور گلا خراب۔ اس مرتبہ جاتا موسم بیماری کی سوغات دے گیا۔" بہادر بخش نے اوپر پہنچ کر لکڑی کے گیٹ کا کنڈا کھولتے ہوئے کہا اور ماہین اس کی کوئی مزید بات سنے بغیر بھاگتے قدموں سے رہائشی عمارت کے قریب پہنچ گئی۔

وہ تیز بخار میں پھنک رہے تھے۔ بخار کی شدت نے ان پر نیم بے ہوشی طاری کر رکھی تھی۔ فاطمہ مریم ان کے قریب اسٹول رکھے بیٹھی تھیں۔

"ڈاکٹر کو نہیں دکھایا کیا۔ انہیں تو بہت تیز بخار ہے۔" ماہین نے پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"تین دن سے صبح و شام ڈاکٹر آرہا ہے۔ دوائیں بھی بدل کے دیکھ لیں، افاقہ نہیں ہورہا۔" فاطمہ مریم نے بتایا۔

"آپ ٹھنڈا پانی اور پٹیاں لائیے۔ ان کو کولڈ اسپونجنگ کی ضرورت ہے۔" ماہین نے سائیڈ ٹیبل پر دھری دوائیں اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

اس روز وہ دیر تک وہیں رکی رہی تھی۔ ٹھنڈی پٹیاں پیشانی پر رکھنے سے بخار کی حدت کچھ کم ہوئی تھی اور دوپہر کے قریب انہوں نے آنکھیں بھی کھولی تھیں۔ ماہین نے اپنے ہاتھ سے انہیں یخنی اور دوا کھلائی تھی اور انہوں نے چپ چاپ پی بھی لی تھی۔

"اب میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ تم اب جاؤ۔ بچی منتظر ہوگی۔" سہ پہر کے قریب انہوں نے کمزور آواز میں کہا۔

"اور کاش جو آپ اسے یہیں رک جانے کے لیے کہتے۔" قریب کھڑی فاطمہ مریم نے سوچا۔

"آپ نے محسوس نہیں کیا کہ اس کے ہاتھوں میں کیسی مسیحائی چھپی ہے جو اتنے دن کے علاج، دیکھ بھال اور مہنگی ادویات کے باوجود آپ کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی، وہ آج اس کے ہاتھوں کی مسیحائی نے اتنی بہتر کر دی۔"

"جی۔" وہ ان کی طرف سے ازن سن کر کھڑی ہوگئی۔ "اپنا بہت خیال رکھیے گا۔" اس نے کہا اور واپسی کے لیے کمرے سے باہر نکل آئی۔

"مناہل بٹیا نے اس روز یہ ساتھ لے جانے کے لیے علیحدہ کیا تھا، لیکن پھر لے جانا بھول گئی تھی۔" فاطمہ مریم اس کے پیچھے آئی تھیں۔ ماہین نے دیکھا ان کے ہاتھ میں وہ اسٹفنڈ گڈی مانسٹر تھا جو اس کے بچپن میں اس کا ساتھی رہا تھا۔

"مناہل..... اس روز....." اس نے دہرایا تھا۔ "مجھے واپسی پر بازار جانا ہے فاطمہ مریم! اگلی بار

www.pklibrary.com

جب کبھی منابل آئے تو آپ اسی کو دے دیجیے گا۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا اور وہاں سے چلی آئی۔

''اتنی طویل، ایک جیسی جامد اور یکسانیت سے بھرپور زندگی میں ایک دم یہ کیسا انتشار سا اٹھنے لگا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہر کسی کی جہت ہی تبدیل ہونے لگی ہے۔'' ہینڈی کرافٹس کی دکان سے ازکی کے والدین کے لیے ماربل سے بنا خوب صورت سا ٹیبل کلاک لے کر پیک کرواتے ہوئے ماہین نے سوچا تھا۔

☆☆☆

معید اور ازکی کے گھر پر اس روز مہمانوں میں صرف ماہین اور منابل مدعو تھے، باقی وہ سب گھر والے خود تھے۔

''میرے سب عزیز، رشتہ دار یہیں قریب ہی گاؤں میں رہتے ہیں، مگر میں نے کسی کو نہیں بلایا۔ یہ محدود سا فیملی فنکشن ہے۔ باہر سے کسی کو بلانے کی تک نہیں بنتی تھی۔'' معید کے والد کہہ رہے تھے۔

''محدود سے فیملی فنکشن میں، میں اور منابل کیا کر رہے ہیں؟'' ماہین نے سوچا تھا لیکن وہ لوگ ان دونوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کر رہے تھے، جیسے وہ ان کی فیملی کا حصہ ہوں۔ ماہین نے دیکھا، منابل کے ساتھ وہ سب اتنے بے تکلف تھے کہ اس پر مہمان ہونے کا گمان نہیں ہو رہا تھا۔

''بہت ذہین ہے آپ کی بیٹی۔'' اورنگ زیب یوسف نے اسے بتایا تھا۔ ''صرف بچپن میں بہت اچھی بنیادنہ بن سکنے کے باعث ایک آدھ مضمون میں تھوڑی کمزور تھی لیکن اس نے اپنی یہ کمی دور کرنے کے لیے بہت محنت بھی کی ہے۔ مجھے ایسے اسٹوڈنٹ بہت پسند ہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے اور ماہین شکر کر رہی تھی کہ منابل نے اپنے ساتھ اس کا بھرم بھی رکھ لیا تھا۔

''کچھ مہینے مزید یہ میرے پاس آتی رہی تو میں سے کم از کم ان دو مضامین میں تو طاق کر دوں گا۔'' انہوں نے منابل کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا اور منابل ہنس دی تھی۔ پھر ازکی نے اماں اور ابا نے وہ خوب صورت کیک کاٹا تھا جو اس موقع کے لیے خصوصی طور پر بنوایا گیا تھا۔ ماہین ایک طرف بیٹھی ان سب کے دمکتے چہروں کو دیکھتی رہی۔ وہ سب باری باری ایک دوسرے کو کیک کھلا رہے تھے۔ ایک دوسرے کی تصویریں لے رہے تھے۔ وہ سب علیحدہ علیحدہ پھر اکٹھے فیملی کی شکل میں، پھر انہوں نے منابل کو بھی ساتھ کھڑا کر کے فیملی فوٹو بنوائے تھے۔

ازکی نے ماہین کو بھی ساتھ آنے کے لیے کہا لیکن اس نے معذرت کر لی۔ منابل تو نا سمجھ تھی لیکن وہ کس حیثیت میں ان کے فیملی فوٹو کا حصہ بن سکتی تھی پھر اورنگ زیب فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ازکی کی اماں کچن میں چلی گئیں اور بچے میوزک لگا کر کوئی گیم کھیلنے لگے۔

ماہین چپکے سے اٹھ کر باہر لان میں آ گئی۔ سخت سردی کے رخصت ہو جانے کے باوجود باہر اچھی خاصی خنکی تھی۔ فضا میں سرما کی مخصوص خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ مسلسل برف باری کے ستائے درخت اور پودے اب اپنی خالی شاخوں کے ساتھ نظر آنے لگے تھے۔ شام کی تاریکی میں لان میں لگے لیمپ پوسٹس کی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ماہین وہیں ایک درخت کے تنے کے ساتھ کندھا ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

ان دنوں میں اور پلے دوبار اس نے ایک طرح کی دو تقریبات دیکھی تھیں۔ زندہ دل لوگوں کے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھے تھے۔ وہ سب زندگی کو اس کی خوب صورتی کے ساتھ جی رہے تھے جبکہ خود وہ اور منابل..... اس کا دل بھر آیا۔

وہ دونوں ہی نجانے کب سے زومبیوں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک ایسی زندگی جس میں خاندان، اجتماعیت، دکھ سکھ بانٹ لینے اور ساتھ جینے مرنے کا ایک بھی رنگ نہیں تھا۔ منابل نے اچھا کیا تھا جو اس جمود کو توڑ کر اپنے لیے زندگی کے رنگوں سے لطف اندوز کے راستے خود بنا لیے تھے۔ یہاں ازکی کے گھر، اپنی دوسری دوستوں کے اور اب ووڈ کاٹیج

www.pklibrary.com

میں وہ اپنی مرضی اور دھڑلے کے ساتھ جا گھستی تھی اور وہ سب کر لیتی تھی، جو اس کا دل چاہتا تھا اور خود وہ وائل عمری کی ایک غلطی کے وہ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانے کی عادی ہو گئی تھی۔

"آپ یہاں کھڑی ہیں۔" اسے خبر نہیں ہوئی کب معید اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔

"اداس ہیں یا ناراض ہیں۔" ماہین کی خاموشی محسوس کرنے کے بعد وہ بولا۔

"جب سے آئی ہیں، مسلسل مجھے نظر انداز کر رہی ہیں۔"

"نہیں۔" ماہین نے گلا کھنکارنے کے بعد کہا۔ "میں ناراض نہیں ہوں۔"

"یہ تو میرے لیے بہت خوشی کی بات ہے۔" وہ مسکرایا۔ "پھر اداس ہیں کیا؟"

"ہاں۔" اس نے سر ہلایا۔ "میرے والد بیمار ہیں اور میں ان کو ان کے قریب رہ کر لک آفٹر بھی نہیں کر سکتی۔"

"اوہ۔" اس نے اظہار افسوس کیا۔ "لیکن پھر یہ ان کی ہی چوائس تو ہے ورنہ آپ کو شاید کوئی اعتراض نہ ہوتا ان کو لک آفٹر کرنے پر۔"

"ہرگز نہیں۔" ماہین نے اپنی نم آنکھوں کو ہلکا سا چھوا۔ "میرے لیے اعزاز کی بات ہوتی۔ کس کا دل نہیں چاہتا اپنے والدین کے قریب رہنے کو۔ ایک نارمل فیملی لائف گزارنے کو۔" وہ بے دھیانی میں کہہ رہی تھی۔

"ایک بات کہوں۔" وہ عقب سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا، لیمپ پوسٹ سے آتی روشنی میں اس کا چہرہ واضح نظر آ رہا تھا۔ "میرے جذبے کو، میری عقیدت کو قبول کر لیجیے۔" ماحول کا سناٹا یک دم بڑھ گیا تھا۔ کہیں دور کسی گھر میں غالباً کوئی بانسری بجا رہا تھا۔

"یقین جانیے میں آپ کے لیے بہترین شریک زندگی ثابت ہوں گا۔ مجھے اپنے ان الفاظ کا اتنا ہی یقین ہے جیسے اس وقت اپنے گھر میں آپ کے اپنی نظروں کے سامنے ہونے کا۔" ماہین کی نظریں سامنے خلا میں ٹکی تھیں اور کان نجانے کیا سن رہے تھے۔

"ہم مل کر ایک گھر بنائیں گے۔ ایک بھرپور فیملی لائف گزارنے کے لیے اس گھر کو مثالی گھر بنا دیں گے۔"

"اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں۔" ماہین نے بانسری پر بجتی دھن کو نغمے کے الفاظ میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

"یقین جانیں، اگر ایسا ہو جائے تو میرے لیے زندگی مسرت کے خزانوں کے ڈھیر لگا دے گی۔"

یہ روپہلی چھاؤں یہ آکاش پر تاروں کا جال
جیسے صوفی کا تصور، جیسے عاشق کا خیال
آہ! لیکن کون سمجھے، کون جانے دل کا حال

اے غم دل کیا کروں، اے وحشت دل کیا کروں، کیا کروں

ماہین کے کان بانسری پر بجتی دھن کو ڈی کوڈ کرنے میں مصروف تھے۔

"آپ میری بات سن بھی رہی ہیں یا نہیں۔" اس کی مکمل خاموشی کو دیکھ کر معید نے جھنجھلا کر اس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر اسے جھنجھوڑا تھا۔

"آپ میرے جذبات کو سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔ آپ کا یہ رویہ مجھے مسلسل ہرٹ کر رہا ہے۔"

"جو تم سوچ رہے ہو، وہ ناممکن ہے۔" ماہین نے اپنے بازو اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔ "تم اپنے اور میرے درمیان حائل عمر کے فرق کے علاوہ بہت سی اور چیزوں کو بھی نظر انداز کر رہے ہو۔ میں بہت کم عمر میں بہت زیادہ زندگی جی چکی ہوں اور اب تو لگتا ہے، زندگی کے باقی دن بونس پر گزر رہے ہیں جبکہ تم نے ابھی زندگی جینا شروع کی ہے۔ تمہارے سامنے پرواز کے لیے آسمان کھلا ہے۔ میں..... میں ایک تھکی ہوئی عمر رسیدہ روح ہوں۔ حالات کی آبلہ پائی نے جس کے قدم ساکت کر دیے ہیں، سب سے بڑھ کر میرے ساتھ میری بیٹی ہے۔

www.pklibrary.com

ایک جوان ہوتی بیٹی کی عمر میں آگے بڑھتی بیوہ ماں پر تو خواب دیکھنا اور خوشیاں برتنا ویسے ہی حرام ہو جاتا ہے اور میں تو یوں بھی اپنے کیے کا عذاب بھگت کر حالت کفارہ میں زندگی گزار رہی ہوں۔"

"سب آپ کے اپنے قائم کردہ مفروضے ہیں۔" وہ سر جھٹک کر بولا تھا۔ "آپ نے ابھی زندگی جی ہی کہاں ہے۔ پہلی پرواز سے پہلے ہی تو حالات نے آپ کے پر کاٹ دیے تھے۔ نہیں ہیں آپ تھکی ہوئی عمر رسیدہ روح۔" اس نے سر ہلایا۔ "آپ کے اندر تو ایک بہت خالص، خوب صورت اور قیمتی انسان چھپی ہوئی ہے۔ آپ سب بھول جائیں، صرف میری بات پر، مجھ پر غور کریں۔ میرے الفاظ کی صداقت کو جانچنا چاہتی ہیں، شوق سے پرکھیں۔ میں منتظر رہوں گا۔ اپنے آخری دم تک منتظر رہ سکتا ہوں میں۔ آپ کے لیے..... صرف آپ کے لیے....."

ماہین کی حیرت زدہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ جہاں اس کے جذبے کی صداقت کے عکس کے سوا اسے کچھ اور نظر نہیں آ رہا تھا۔

"میرا یقین کریں۔" اسے اپنی طرف یوں دیکھتے دیکھ کر معید نے سر ہلا کر کہا۔

"لیکن لوگ، دنیا....." ماہین نے بے چین ہوتے ہوئے کہا۔ "سب سے بڑھ کر مناہل، وہ کیا سوچے گی۔"

"سب ہینڈل ہو جائے گا۔" وہ پرسکون لہجے میں بولا۔ "پہلے آپ میری درخواست پر غور کریں۔"

"تمہارے گھر والے..... تمہارے والدین۔" ماہین ٹرانس میں چلی گئی تھی۔

"وہ میرا ہیڈک ہیں۔ آپ صرف اپنا سوچیں، ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ کریں۔" ماہین نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"میں تیمور عرف ٹم نہیں ہوں ماہین۔" وہ پہلی بار اس کا نام لے کر بات کر رہا تھا۔ "مجھے دنیا کی کسی اور چیز کا نہیں، صرف آپ کی ضرورت ہے اور مناہل کو جس سائے، جس سہارے کی ضرورت ہے میں جانتا ہوں کہ اسے کیسے دینا ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ میری بونڈنگ دیکھ تو لی ہی ہوگی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ماہین نے گہرا سانس لیتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"سب اندر انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ اندر جانے کے لیے مڑی، معید اس کے پیچھے تھا۔

یہ رات بھیگی بھیگی، یہ مست فضائیں
اٹھا دھیرے دھیرے وہ چاند پیارا پیارا

برآمدے سے گزر کر کمرے کی طرف جاتے ہوئے ماہین کی کان بانسری کی دھن پر بجتے اگلے نغمے کے الفاظ کو ڈی کوڈ کر رہے تھے۔

☆☆☆

اور پھر وہ لاہور نوکری کرنے چلا گیا۔ چند دن بعد اسکول، کالج بھی طویل چھٹیوں کے بعد کھل گئے۔ زندگی دوبارہ اپنے اسی معمول پر واپس آ گئی تھی۔ بریک کے دوران وہ بنچ پر بیٹھی تھی۔

"ان چھٹیوں نے تم پر بہت اچھا اثر ڈالا ہے ماہین!" اپنی کلاس سے فارغ ہو کر تابندہ بھی اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"وہ کیسے؟" ماہین نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"تم فریش لگنے لگی ہو، تمہاری اسکن اچھی ہو گئی ہے اور سب سے بڑھ کر تمہارا ڈریسنگ سینس بدل گیا ہے۔ شکر ہے، تم نے زندگی سے بھرپور رنگ پہننا شروع کر دیے ہیں۔" تابندہ نے اس کے میرون سوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "ثابت ہوا کہ ایک سی روٹین سے کچھ دیر کی بریک انسان کی شخصیت پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔"

"ہر سال چھٹیاں ہوتی ہیں لیکن ان کے اختتام پر پہلے کبھی کسی نے مجھے یہ نہیں کہا کہ بریک نے مجھ پر اچھا اثر ڈالا ہے۔ پھر اس بار کیوں یہ سننے کو مل رہا ہے۔"

ماہین نے گراؤنڈ کی زمین سے پھوٹتی گھاس کو

www.pklibrary.com

دیکھتے ہوئے سوچا۔

''صحیح کہہ رہی ہو، زندگی کے جمود سے بریک ہر انسان کے لیے ضروری ہوتی ہے۔''

☆☆☆

''صاحب! اس بار بیماری سے اٹھ کر پہلے جیسے صحت منداور چاق وچوبند نہیں ہو پائے۔'' فاطمہ مریم نے ڈرائنگ روم میں جھاڑ پونچھ میں مصروف جارج کو سمیکا سے کہتے ہوئے سنا۔

''عمر بھی تو بڑھ رہی ہے نا صاحب کی اور پھر.....'' سمیکا بلند آواز سے سرگوشی پر چلی گئی۔

''وہ جو صاحب کی بیٹی ہے، وہی جو اپنی گلی میں رہتی ہے۔ اس سے دوری کا اثر بھی تو ہونا تھا نا ایک دن۔''

''کس نے کہا ہے کہ دور ہیں اس سے۔ ابھی صاحب کی بیماری کے دوران روزانہ ادھر آتی تھی کہ نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ صاحب کو اسی کی تیمارداری نے اٹھا دیا ہے ورنہ اس بار بیماری بڑی سخت آئی تھی ان پر۔ بھلا صاحب نے اسے اپنے پاس ہی کیوں نہیں روک لیا۔ ادھر بے چاری ہم جیسوں کے محلے میں رہتی ہے اپنی بیٹی کے ساتھ۔''

''بڑے لوگوں کی باتیں بڑے لوگ ہی جانیں۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔'' سمیکا نے کہا۔

☆☆☆

ہر ویک اینڈ پر آنے کا دعوا کرنے والا پورے مہینے میں ایک بار بھی نہیں آسکا تھا۔ البتہ اس کی فون کالز اور میسجز آتے رہتے تھے۔ اپنی دن بھر کی مصروفیت تفصیل سے سنانے کے ساتھ وہ ماہین کے لیے کئی ایسے جملے بول جاتا تھا جن کو سن کر ماہین کے خیالات انتشار کا شکار ہونے لگتے تھے۔ ایسے جملوں میں سب سے اوپر ایک جملہ ہوتا تھا۔

''آپ کسی چیز کی فکر کیوں کرتی ہیں، میں ہوں نا۔ سب سنبھال لوں گا۔''

کسی مسئلے یا پریشانی کا ذکر سن کر بھی وہ ایسی ہی کوئی تسلی دیتے ہوئے ''میں ہوں نا'' کہنا نہیں بھولتا تھا اور اس کی کال ختم ہونے کے بعد یہ ''میں ہوں نا'' والے تین الفاظ ماہین کی سماعت میں بازگشت کی طرح گونجتے رہتے تھے۔ کیسا عجیب سا احساس تھا، کوئی اسے کہے کہ اسے کسی چیز کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لیے فکر کرنے والا کوئی اور بھی تھا۔

وہ یاد کرتی تو اسے ایسا لگتا جیسے وہ اسی روز سے تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ جس روز اس نے ''ثم'' کے ساتھ کورٹ میرج کرنے کے بعد اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑا تھا۔ ''ثم'' اس سے شادی کے لیے صرف اسی صورت میں سنجیدہ تھا اگر ماہین کے والدین اس شادی کو قبول کر لیتے۔

بابا کے قطعی انکار کے بعد ماہین کو کورٹ میرج پر بھی اس نے اسی لیے اکسایا تھا کہ اس کے خیال میں وہ یہ پتا تھا جس سے بابا کے ساتھ لگی بازی جیت سکتا تھا۔ ایسا نہ ہونے پر ماہین اس کی مجبوری بن گئی تھی، جسے اپنے ساتھ لادے وہ گوجرانوالہ کے اس چھوٹے سے محلے کی تنگ گلی میں واقع اپنے دومنزلہ آبائی مکان میں جا پہنچا تھا۔ ایک ایسا مکان جس کے مکین برسوں سے اس میں رہتے چلے آنے کے باوجود اسے گھر نہیں بنا سکے تھے۔ اس مکان کے غالباً ہر کمرے میں ایک مکمل خاندان رہائش پذیر تھا۔ ثم کے والدین اور اس کے پانچ چچا اپنے اپنے بیوی بچوں سمیت اسی گھر میں رہتے تھے۔ اس کے دادا اور دادی بھی وہیں رہتے تھے اور ان کی وجہ سے چار پھوپھیوں کا آنا جانا بھی لگا رہتا تھا۔

وہ سب اکثر اس مکان میں اکٹھے ہوتے اور آپس میں خوب جھگڑتے۔ ان لڑائیوں میں خواتین اکثر ایک دوسرے کے بال نوچتی نظر آتیں۔

گھر میں کھانا پکانے کا کوئی خاص رواج نہیں تھا۔ وہ نائیوں کا خاندان تھا جو اپنا بقول ثم بار بر سیلون چلانے کے ساتھ ساتھ ایک عدد پکوان سینٹر چلاتا تھا۔ پکوان سینٹر پر تقریباً روزانہ ہی دیگیں پکتی تھیں، جن میں سے پرات دو پرات چاول یا سالن گھر کے لیے

www.pklibrary.com

صاف نکال لیا جاتا تھا اور پھر شادیوں کے سیزن میں تو کھانے کی کسی کو فکر ہی نہیں ہوتی تھی۔

گھر کے مرد تقریبات سے جس وقت بھی فارغ ہوتے، گھر والوں کے لیے کھانا ہمراہ ضرور لے کر آتے تھے۔ چاہے اس کھانے کے انتظار میں رات کے بارہ، ایک اور کبھی کبھار دو ہی کیوں نہ بج جائیں۔ جو اتنا انتظار نہیں کرسکتا وہ جا کر سیالکوٹی دروازے سے اپنے لیے تھیلی دو تھیلی چنے اور نان یا پھر بریانی پکڑ لاتا اور اس ذرا سے کھانے پر ایک وقت میں کئی کھانے والے یوں جھپٹتے تھے کہ لانے والا اکثر بھوکا رہ جاتا۔

دوپہر میں کسی کو کھانا کھانے کی حاجت ہوتی تو کسی بچے کو کٹوری پکڑا کر محلے میں دوڑا دیا جاتا۔ کسی نہ کسی گھر سے یہ کٹوری بھر کر واپس آ ہی جاتی تھی۔

ماہین جب پبلک ٹرانسپورٹ کی بس میں ٹم کے ساتھ سفر کر کے اس شہر میں پہنچی، اس کے جسم کا جوڑ جوڑ ویسے ہی ہل چکا تھا۔ اوپر سے اسے ایک ایسے مکان کی مکین بننا پڑ رہا تھا جس میں احتیاط سے نہ چلنے پر بندے سے بندہ ٹکرا سکتا تھا اور اس ٹکر کے نتیجے میں مغلظات کا طوفان پوری گلی سنتی تھی۔

''کیسے کمپرومائز کیا آپ نے اس ماحول سے، ان حالات سے۔'' معید اس سے پوچھتا تھا۔

کم عمری، ناتجربہ کاری۔ اوپر سے اماں کی ضدی اور ہٹیلی طبیعت سے واقفیت سب ہی نے مل کر کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

''اور آپ سہتی چلی گئیں۔'' ویڈیو کال میں معید کے چہرے پر چھایا تاسف صاف نظر آ رہا تھا۔

''سہتے چلے جانے کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ میں خوف زدہ ہو چکی تھی۔ انسان جس ماحول میں رہ رہا ہوتا ہے، اس کا اثر اس پر ضرور ہوتا ہے۔ میں بھی اس مار کٹائی اور گالی گلوچ کے ماحول میں خوف زدہ ہو گئی تھی۔ بری طرح خوف زدہ۔ مجھے لگتا تھا میں اپنے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس گلی سے آگے کا راستہ تک تو مجھے آتا نہیں تھا، نکل کر جاتی بھی تو کہاں جاتی۔''

''اور وہ موصوف ''ٹم'' صاحب۔ انہوں نے آپ کو وہاں لے جا کر حالات سے نباہ کے لیے یوں ہی چھوڑ دیا۔'' معید کے لہجے میں تلخی اتری۔

''مجھ سے بیاہ کر لینے کے نتیجے میں اسے اپنے ابا اور دادا سے کئی دن مار کھانی پڑی تھی۔'' وہ یاد کرتے ہوئے تلخی سے مسکرائی۔ ''اس نے اپنے اس چچا کی بیٹی کو چھوڑ کر مجھ سے شادی کر لی تھی، جو تیسری منزل پر رہتا تھا اور اس کے باپ کے ساتھ کاروبار شیئر کرتا تھا۔ کئی دنوں کی اس مار نے اس کو رہی سہی چوکڑی بھی بھلا دی تھی۔''

''مائی گاڈ۔ سیریسلی میں کبھی سوچتا ہوں کہ اس جیسا انسان آپ کا معیار بن کیسے گیا اور یہ کہ وہ شخص اس اتنے ہائی اسٹینڈرڈ اسکول میں کیسے پہنچا آخر۔''

''وہ اس زمانے میں ہائی اسکول کی کئی لڑکیوں کا کرش تھا۔ وہ لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے سارے گر جانتا تھا۔ خوش شکل تھا۔ ذہین تھا۔ غیر نصابی سرگرمیوں میں ایکسٹرا ایکٹو رہتا تھا۔ اس پر باتیں بنانے کا ماہر تھا۔ تم اس زمانے کی لڑکیوں کی سوچ کا اندازہ کرو، جب یہ انٹرنیٹ، فون، کوئیک کمیونیکیشن کا کوئی ذریعہ موجود نہیں تھا۔ باتیں صرف کتابوں، رسالوں، کیسٹ اور سی ڈی پلیئرز تک محدود تھیں۔ ایسے میں ملز اینڈ بون اور باربرا اسکارٹ لینڈ کے رومانٹک ناولز پڑھنے والی میری جیسی لڑکی کے خیالات کی رسائی کہاں تک بھی ہو سکتی تھی۔ بس ہو گئی میں چارم۔'' وہ ہاتھ کے ناخنوں پر غور کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اور ہاں، اس اسکول میں وہ اپنے مقامی اسکول کے پرنسپل کی ہائی ریکمنڈیشن پر بھجوایا گیا تھا۔ میں نے کہا، نالائق اور ذہین تھا، بورڈ ٹاپر تھا۔ باپ دادا سمجھتے تھے نجانے یہاں سے کیا توپ بن کر نکلے گا۔ بار بر سیلون اور پکوان سینٹر سے کمائی نکال کر خوب اسے بھجواتے رہے اور وہ یہاں اپنی ذہانت اور پیچھے سے آئے پیسوں کے سر پر اپنی دھاک بٹھاتا گیا۔''

www.pklibrary.com

"لیکن آپ....." معید کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ "یار آپ تو میرا مطلب ہے، آپ کا گھرانہ، آپ کی تربیت، آپ کا ماحول....."

"اس کے باوجود اگر میں یہ قدم نہ اٹھاتی تو مجرم اور گناہ گار کیسے بنتی۔ معتوب کیسے ٹھہرائی جاتی۔ کم عمری، نادانی، حماقت، فطری ضد اور بغاوت شاید اس وقت کی میری شخصیت کا خاصا تھا۔ اس لیے وہ سب ہوگیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا اور جس کا کفارہ میں ابھی تک ادا کررہی ہوں، عمر بھر کرتی رہوں گی۔"

"نہیں۔" اب وہ وہ سخت لہجے میں بولا تھا۔ "بہت ادا ہوگیا کفارہ اب اور نہیں۔ اب آپ اپنی زندگی میں اپنی مرضی سے جئیں گی اور اس چیز کو میں یقینی بناؤں گا۔" اس کی آواز میں قطعیت تھی۔

ثم سے شادی اور مناہل کی ماں بن جانے کے باوجود اس کے سارے لطیف جذبات اور احساسات پر برف پڑی رہی تھی اور پھر اس نے ان ہی برفیلے سرد جذبات اور احساسات کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا لیکن اب اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ برف پگھلنے لگی تھی اور اس کے جذبات اور احساسات طویل عرصہ تک سوئے رہنے کے بعد انگڑائی لے کر جاگنے لگے تھے۔ عرصے بعد اس نے صبح شام آئینہ دیکھنا شروع کردیا تھا۔ وہ اپنے لباس کے معاملے میں نجانے کب سے مکمل طور پر بے نیاز رہتی چلی آرہی تھی۔ ضرورت کے چند جوڑے اور جوتے، موسم کے حساب سے خریدنے اور کئی موسم ان ہی کے ساتھ گزار دینے کی عادی ہوچکی تھی۔ اس کے چہرے کی جلد، سر کے بال کس حال میں تھے، اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ اسے اپنی زندگی کا واحد مقصد زندگی کی گاڑی کھینچنا لگتا تھا۔ کولہو کے بیل جیسی مشقت جو آنکھوں پر چمڑے کی پٹی چڑھائے ایک مخصوص مدار میں گھومتا رہتا تھا۔

☆☆☆

موسم نے بھرپور کروٹ لی تھی اور وادی پر بہار چھارہی تھی۔ دن کے وقت صاف چمکتا سورج اپنی کرنیں بکھیرتا تو فلک بوس پہاڑوں پر سر اٹھا کر کھڑے چیڑ اور چنار کے درختوں کا رنگ نمایاں ہوجاتا۔ پہاڑوں کے قدموں میں، سڑکوں کے کنارے پر اگی جڑی بوٹیوں سے اٹھتے ننھے ننھے رنگ برنگے پھول بہار کا احساس دلانے لگتے۔ بھاری، گرم کپڑوں سے جان چھڑا کر نکلے مقامی لوگ اور سیاح وادی میں ادھر اُدھر گھومتے پھرتے نظر آنے لگے تھے۔

"یہ بڑی مزے کی جگہ ہے۔ کہرے میں تو نظر بھی نہیں آتی تھی۔" ووڈ کاٹیج کے عقبی حصے میں بنے چھوٹے سے تالاب کے قریب رکھے لکڑی کے بینچ پر بیٹھی مناہل ان سے کہہ رہی تھی۔ تالاب میں چند بطخیں بہادر بخش نے چھوڑ رکھی تھیں جو ادھر ادھر تیرتی، آوازیں نکالتی پھرتی تھیں۔

"ایف ایس سی کے بعد تمہارا کیا ارادہ ہے۔" وہ جو کب سے خاموش پانی پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، بھاری آواز میں بولے تھے۔

"کچھ خاص نہیں۔ سمپل بی ایس سی کروں گی۔" وہ بازو ہوا میں اٹھا کر انگڑائی لیتے ہوئے بولی اور ٹانگیں آگے پھیلا کر بینچ سے ٹکادی۔

"بی ایس سی۔" وہ چونک اٹھے۔ "لیکن تمہاری ماں تو تمہیں ڈاکٹر بنانے کے خواب آنکھوں میں سجائے بیٹھی ہے۔"

"مینو ماما!" وہ لاپروائی سے مسکرائی۔ "دی اولڈ سول۔ آپ کی اور مینو ماما کی جنریشن میں بچوں کو صرف ڈاکٹر بنانے کے خواب ہی کیوں دیکھنے کے عادی ہیں۔ کیا دنیا میں کرنے کو کچھ اور نہیں رکھا۔"

"مثلاً۔" انہوں نے مختصر سوال کیا۔

"مثلاً ایک لڑکی سادہ سی پڑھائی کرلینے کے بعد ایک اچھے سے لڑکے سے شادی کرکے خوب صورت سا گھر بھی تو بسا سکتی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ دوسری بار چونک گئے۔

"ہم تو اولڈ سول ہیں لیکن تم تو آج کے دور کی لڑکی ہو۔" انہوں نے کہا۔ "آج کی لڑکیوں کے سامنے تو کرنے کے کام ہی بہت ہیں۔"

www.pklibrary.com

''نہیں کرنے۔'' اس نے منہ بنا کر سر ہلایا۔
''نہیں کرنے مجھے بڑے بڑے کام۔ میں وہ کرنا چاہتی ہوں جو مجھے کبھی نہیں ملا۔ آپ کو پتا ہے انسان خواب بھی ان ہی چیزوں کے دیکھتا ہے جو اس کی رسائی میں نہیں ہوتیں۔ ان ہی چیزوں کو پانا اور چھو لینا چاہتا ہے، جن سے وہ محروم ہوتا ہے۔''
''تم کس چیز کا خواب دیکھتی ہو۔'' وہ چھڑی کی موٹھ پر دونوں ہاتھ پر دونوں ہاتھ دھرے ہنوز سامنے ہی نظریں ٹکائے ہوئے تھے۔
''ایک گھر کا، ایک مکمل فیملی لائف کا۔ ایک ایسے لائف پارٹنر کا جس کی نظر میں، میں اہم ہوں صرف میں..... جو میرے لیے کمانے گھر سے باہر جائے، جو میرے لیے دنیا بھر کی آسائشات خرید لینا چاہتا ہو۔ جو بہادر ہو، بے خوف اور پراعتماد۔''
''ہمم.....'' انہوں نے گردن موڑ کر پہلی بار اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''لیکن اس کے لیے ابھی تمہاری عمر چھوٹی ہے۔ تم ایسا کرو کہ ابھی اور یہ سب پا لینے کے درمیان جو وقت ہے، اسے بھرپور طریقے سے استعمال کرو، خود کو ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ سوچو۔ کیونکہ وقت جب گزر جاتا ہے تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم نے اسے کس بے دردی سے ضائع کیا۔''
''چلیں، یوں بھی سوچ لیتے ہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ایک چھوٹا موٹا بزنس تو میں ابھی بھی کر رہی ہوں۔ ہوسکتا ہے وہی خود کو ثابت کرنے کا ذریعہ بھی بن جائے۔ فی الحال تو اس سے مجھے اتنی آمدنی ہو ہی جاتی ہے کہ آپ کی بیٹی کی کچھ ضرورتیں پوری کرسکوں۔''
''چند لپ اسٹکس، آئی لائنر، ایک عدد ہائی لائٹر اور.....اور بس.....'' وہ اٹھتے ہوئے بولی اور کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''یقین نہ آئے تو خود پوچھ لیجیے گا بلکہ آپ کو نظر آجائے گا، پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔''

مناہل کے چلے جانے کے بعد انہوں نے اس کی باتوں پر غور کرتے ہوئے سوچا تھا۔
''میں سمجھتا تھا کہ اپنی ماں کی سخت زندگی کو دیکھنے کے بعد یہ بچی مستقبل کے حوالے سے کچھ ایسا کر گزرنے کی خواہش کا اظہار کرے گی جو اس کی ماں کی تھکن مٹا دے، جو اس کے دل کو پھر سے جی اٹھنے کی طاقت عطا کردے لیکن آج میں نے جانا کہ زندگی کی ناآسودگیاں، انسان کی ذات، شخصیت اور اس کے خوابوں تک پر آکٹوپس کی طرح پنجہ جما کر بیٹھ جاتی ہیں۔'' انہوں نے تاسف سے سر ہلایا۔ ''اور یہ کیا کہہ رہی تھی، لپ اسٹکس، آئی لائنر کیا یہ چیزیں اتنی مہنگی ملتی ہیں کہ استطاعت سے باہر ہوجائیں۔'' بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔
اس روز مناہل مینو بٹیا کے وارڈ روب سے پہننے کے چند کپڑے اور جوتے نکال کر لے گئی تھی۔ برسوں بعد اس وارڈ روب کی ترتیب میں ردوبدل آیا۔'' فاطمہ مریم وارڈ روب کے کھلے دروازے بند کرتے ہوئے سوچ رہی تھیں۔

☆☆☆

ویک اینڈ پر مناہل نے ازکی کے ساتھ اسلام آباد جانے کا پروگرام بنالیا تھا جس کے لیے ماہین سے ازکی کی اماں نے خود ماہین کو فون کرکے لی تھی۔
''تم تو جاب اور گھر کی مصروفیت کی وجہ سے وقت نہیں نکال پاتیں ماہین! لیکن مناہل کو اجازت دے دو ہمارے ساتھ جانے کی۔ صرف دو دن کا ٹرپ ہے اور میں خود بچیوں کے ساتھ جارہی ہوں۔ مناہل کو بھی اس علاقے سے باہر نکل کر دنیا دیکھنی چاہیے بھئی۔''
مناہل اپنے پروگرام بنا کر ماہین کو صرف بتانے کی عادی رہی تھی، ایسے میں اجازت لینے کے اس چکر نے ماہین کا دل نرم کردیا۔ وہ یقیناً ایک وضع دار اور روایات پسند خاندان تھا جب ہی ازکی کی اماں اس سے اجازت مانگ رہی تھیں۔
مناہل کے جانے کے بعد وہ گھر میں اکیلی تھی

www.pklibrary.com

اور مناہل کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے کرنے کا کوئی کام بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ہفتے کے دن اس نے صبح اٹھ کر گھر کی تفصیلی صفائی کی تھی اور کپڑے دھو ڈالے تھے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ اپنے لیے ناشتہ بنانے کچن میں گئی ہی تھی کہ اطلاعی گھنٹی بج اٹھی۔

''اس وقت کون آ گیا۔'' وہ حیران ہوتے ہوئے صوفے پر رکھا دوپٹا اٹھا کر اوڑھتی دروازے کی طرف چلی گئی۔

وہ اورنگ زیب یوسف تھے جو پہلی بار اس کے گھر آئے تھے۔ وہ بھی بغیر اطلاع کے۔ ماہین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کہاں بٹھائے اور ان کی کیا تواضع کرے۔ وہ بغیر بتائے آنے پر معذرت کر رہے تھے اور ساتھ ہی انہوں نے کسی قسم کا تکلف کرنے سے منع بھی کر دیا تھا۔

''میں آج ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں بس۔'' ماہین کے دل میں کسی انہونی کا خدشہ اٹھنے لگا لیکن وہ اس کی بیٹی کے استاد تھے اور انہوں نے اس کے ساتھ بہت محنت بھی کی تھی۔ وہ ان کو جائز احترام دینا چاہتی تھی، اسی لیے چائے پلانے پر مصر ہوئی۔

''دیکھیں ماہین! میں بہت سیدھا اور کھرا انسان ہوں۔'' چائے پیتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ''مجھے گھما پھرا کر بات کرنے کی عادت ہے نہ ہی مجھے یوں بات کرنا آتی ہے۔'' ماہین کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ ابھی گئی رات ہی ان کا بیٹا رات بھر ویڈیو کال پر اس سے بات کرتا اپنے دعوے اور وعدے دہراتا رہا تھا اور اب یہ نجانے کیا کہنے والے تھے۔

''میں نے اپنے بچوں کی تربیت اپنے ہی وضع کردہ اصولوں پر کی ہے اور ان کے لیے خصوصاً اپنے بیٹوں کو میں نے بنیادی اصول یہ ہی دیا ہے کہ وہ اپنی کوئی بات، کوئی سرگرمی مجھ سے نہیں چھپائیں گے بلکہ خود سے میرے ساتھ شیئر کریں گے۔''

''جی!'' ماہین نے سر جھکایا۔ جس انہونی کا خدشہ اسے لاحق ہوا تھا، اس کے تصور سے ہی اس کا چہرہ غالباً سرخ ہونے لگا تھا۔

''معید میرا بڑا بیٹا ہے، میچور ہے اور اب تو خیر سے کیریر بنانے میں مصروف ہے۔ بڑا ہونے کے ناتے وہ مجھ سے باقی دونوں بچوں کی نسبت قریب بھی زیادہ ہے۔ اپنی ماں سے بھلے کوئی بات چھپا لے، مجھ سے نہیں چھپاتا۔'' وہ کہہ رہے تھے اور اس کے کان وہ سب سننے کے لیے تیار ہو رہے تھے جس کی توقع وہ کر رہی تھی۔

''میں بھی اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اول تو وہ کسی چیز کی خواہش کم ہی کرتا ہے لیکن اگر کرے تو اس کے سر پر اسے پا لینے کی جو دھن سوار ہوتی ہے اسے کوئی نہیں اتار سکتا۔ میں بھی نہیں۔

جیسا کہ آپ جانتی ہیں ان دنوں شمسہ دونوں چھوٹے بچوں اور مناہل کے ساتھ اسلام آباد گئی ہوئی ہے اور میں گھر میں اکیلا ہوں تو اکیلا انسان دوسرے کی بات زیادہ ارتکاز سے سنتا ہے، اسی لیے کل شام معید نے میری اس تنہائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجھے ایک لمبی کال کی اور مجھے بتایا کہ آپ کے سلسلے میں وہ کس قدر سنجیدہ ہے۔''

دھک دھک دھک..... ماہین کو اپنے دل کی دھڑکن کان میں صاف سنائی دے رہی تھی۔

''اس نے مجھے اپنی شروع سے لے کر اب تک کی کہانی جو آپ کے متعلق تھی، سنائی۔ کوئی اور ہوتا تو اس کی بات کو مذاق سمجھتا، غیر سنجیدگی سے سنتا اور اسے ایک بچگانہ سوچ کہہ کر رد کر دیتا۔ لیکن میں معید کا باپ ہوں اور وہ میرا بیٹا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کوئی عام بات بھی اس کے نتائج و عواقب جانچے بغیر کرنے کا عادی نہیں، یہ تو ایک خاص بات ہے، بہت ہی خاص۔''

ماہین نے آنکھیں بند کر لیں۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ دھن جو اس بار اس کے سر پر سوار ہوئی ہے، اسے پائے بغیر وہ ٹلے گا نہیں۔ اس نے آج تک وہ کیا جو میں نے اسے کرنے کو کہا۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی، کیریر لائن سب..... پھر آج میں اس کی اس خواہش کو کیسے رد کر سکتا ہوں۔ اسی لیے

www.pklibrary.com

آج صبح ہی آپ کے پاس چلا آیا ہوں، آپ سے آپ کو اپنے بیٹے کے لیے مانگنے۔"

ٹپ ٹپ ٹپ..... آنسو ایک تواتر سے ماہین کی آنکھوں سے گر رہے تھے اور اس کا نازک سا وجود شدت جذبات سے بری طرح کانپ رہا تھا۔

کوئی یوں اس عزت اور احترام کے ساتھ اس کا ساتھ مانگے گا، اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

"باقی سب باتیں فروعی اور اضافی ہیں۔ یہ عمروں کا فرق، حالات کی اونچ نیچ، ماضی کے قصے سب کے سب..... اہم بات میرے بیٹے کی سوچ اور اس کا فیصلہ ہے جس پر مجھے بھی فخر ہے۔" وہ کہہ رہے تھے اور کہتے کہتے ان کی نظر ماہین پر پڑی تھی۔

"میں معذرت خواہ ہوں اگر میں نے آپ کو ہرٹ کیا ہے۔" وہ گھبرا کر اٹھے اور کچن سے پانی کا گلاس اٹھا کر اس کے سامنے پیش کیا۔

"نہیں۔" ماہین انہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ انہوں نے اس کا دل نہیں دکھایا لیکن وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔

"آپ یقین رکھیں، آپ پر کوئی پریشر نہیں ہے۔ آپ میرے سوال کو مسترد بھی کر سکتی ہیں۔" وہ اس کی اس حالت کا خود کو قصوروار ٹھہرانے لگے تھے۔

"بات یہ نہیں ہے۔" ماہین نے پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

"بات تو اس معاشرے کی ہے، میرے حالات اور سماجی پوزیشن کی ہے۔ بات میری بیٹی کی بھی ہے، جو بڑی ہو رہی ہے۔ شعور پکڑ رہی ہے۔ یہ سب اتنی آسان نہیں ہے، بہت مشکل ہے۔"

"ناممکن تو نہیں ہے نا۔" انہوں نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔ ماہین کے اس جواب میں اس کی رضامندی جھلک رہی تھی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میں بہت سے مسائل کا حل نکال لوں گا۔ مناہل میری فیملی سے بہت اچھی طرح اٹیچڈ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا، ویسے بھی میری بات وہ سمجھتی ہے، میں اسے سمجھا لوں گا۔"

"اور معید کی والدہ۔" ماہین نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ اسے مسئلہ ہو سکتا ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "ظاہر ہے وہ ماں ہے، اپنے بیٹے کے حوالے سے اس نے کچھ خواب بھی دیکھے ہوں گے لیکن اس کو بھی میں سمجھا لوں گا۔ مجھے پتا ہے، وہ سمجھ جائے گی۔ بس آپ خود ثابت قدم رہیے گا۔"

"میں....." اب کے ماہین نے کچھ کہنا شروع کیا اور وہ سن رہے تھے۔

☆☆☆

ان کے پاس آنے والا مہمان ان کے لیے اجنبی تھا لیکن اس کی آمد نے ان کا مان بڑھا دیا تھا۔ یہ وہ مان تھا جو برسوں پہلے ان سے چھینا گیا تھا جو آج یہ مہمان انتہائی عزت و احترام سے واپس کرنے آیا تھا۔

"میں ایک عاجز گناہ گار، پر تقصیر بندہ ہوں ملک صاحب! آپ ایک قد آور شخصیت ہیں۔ نہایت ادب اور احترام کے ساتھ آج میں آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔" مہمان کے لیے ڈائننگ روم میں چائے کی ٹرالی سجاتے فاطمہ مریم نے سنا تھا اور ان کے کان کھڑے ہوئے تھے۔

ڈیڑھ گھنٹے کی طویل ملاقات کے بعد وہ مہمان رخصت ہوا تھا اور فاطمہ مریم کے ساتھ بہادر بخش نے بھی دیکھا تھا کہ ان کے صاحب نے مدت بعد کسی کو گھر کی دہلیز پر آ کر رخصت کیا تھا اور رخصت کرنے سے پہلے وہ گرم جوشی سے اس سے بغل گیر بھی ہوئے تھے۔

"یہ کون تھے؟ میں انہیں نہیں جانتی۔ آج سے پہلے کبھی انہیں دیکھا بھی نہیں۔" فاطمہ مریم کہہ رہی تھیں۔

"میں انہیں اکثر دیکھتا رہتا ہوں۔ یہیں کے رہنے والے ہیں، اپنے ڈاکٹر صاحب کے بڑے خاص دوست ہیں۔ لو دیکھو، ان کا نام بھی مجھے پتا تھا،

www.pklibrary.com

آج بھول گیا۔'' بہادر بخش سر سے ٹوپی اتار کر سر کھجاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

''لپ اسٹک، آئی لائنر اور ہائی لائٹر۔'' ملک صدق گھر کے نچلے پورشن کی گیلری میں دیوار پر لگے اپنی مرحوم بیگم کے روغن سے بنے پورٹریٹ کے سامنے کھڑے سوچ رہے تھے۔ قیمتاً اتنے مہنگے بھی نہیں ہوتے کہ ایک تنخواہ دار لڑکی انہیں خرید نہ سکے۔ نہ خریدنے کی وجہ صرف اس کی کفایت شعاری اور دور اندیشی ہی ہوسکتی ہے۔ کیا کبھی ہم دونوں نے سوچا تھا کہ ہماری بیٹی پر یہ وقت بھی آئے گا کہ وہ اس درجہ کفایت شعار اور دور اندیش ہوجائے گی۔''

ان کی آنکھیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔ وہ اس روز ایک بہت پرانے وعدے سے دست بردار ہونے کی خاطر اپنے آبائی قبرستان جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔

☆☆☆

''چلیں، کسی طرح سے ہی سہی آپ کو یقین تو آیا کہ میں اپنے دعوے میں کتنا سنجیدہ ہوں۔''

وہ فون کی اسکرین سے جھانکتا، اسکرین سے مخاطب تھا۔

''حیران کیوں ہورہی ہیں، آپ اسی احترام اور عزت افزائی کی مستحق تھیں جو میرے ابا نے آپ کو دی۔ آپ کو میرے لیے آپ سے مانگ لیا اور آپ کے والد سے بھی۔ آپ کی خواہش ہماری سر آنکھوں پر۔ آپ کی خواہش ہمارے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے محترمہ مینو صاحبہ!''

وہ کہہ رہا تھا اور ماہین نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے سن رہی تھی۔ کسی نے جیسے جادو کی چھڑی چلا کر اسے ایک طلسماتی دنیا میں داخل کردیا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے جھپکنا بھول گئی تھیں۔ وہ اس طلسم کے حصار سے باہر نکلنا نہیں چاہتی تھی، شاید اسی لیے پلکیں نہیں جھپکا رہی تھی۔

''ایک ساتھ ہم اس دنیا کو ایکسپلور کرنے نکلیں گے۔ پہاڑ، جنگل، سمندر، صحرا سب دیکھ لیں گے۔ وہ سب جو زندگی کے پہلے باب میں مس ہوگیا تھا ہم دوسرے باب میں مل کر اسے اپنے ہاتھ سے تحریر کریں گے۔''

وہ کہہ رہا تھا اور اس کی کال ختم ہونے کے بعد ماہین جیسے لمبی نیند کے بعد انگڑائی لے کر اٹھی تھی۔ اس نے اٹھ کر آئینے میں صبح سے اب تک شاید پندرہویں مرتبہ اپنا چہرہ دیکھا تھا۔

وہ کہتا تھا وہ دن بدن پہلے سے زیادہ حسین اور دلکش ہوتی جارہی تھی۔ اسے اس کے پہنے رنگ، زندگی سے بھرپور لگنے لگے تھے اور وہ ٹھیک ہی سمجھتا تھا کہ یہ سب اس کی محبت کے اعجاز کے طور پر ممکن ہوا تھا۔ ماہین نے ہاتھ بڑھا کر محبت کے اس معجزے کو چھوا تھا اور اسے مرجھانے سے بچالیا تھا۔ خود اس کے اپنے وجود میں محبت کے اس احساس نے زندگی بخش لہو دوڑا دیا تھا۔

وہ بدتوں پہلے اپنی بنی ذات کی سمادھی سے باہر نکل آئی تھی۔ دنیا نئے رنگ نئے آہنگ نور کے اس احساس نے اس کے وجود سے میکانیکی کل پرزے اکھاڑ پھینکے تھے اور وہ ایک بار پھر زندہ، جیتی جاگتی انسان میں ڈھل گئی تھی۔ انسان جس کی آنکھوں میں خواب بھی سجتے تھے اور جو خوابوں کی تعبیر پالینے کو متحرک اور متجسس بھی رہتا ہے۔ اس نے شیشے کے چھوٹے سے پھول دان میں سجے ڈیزی کے وہ پھول نکال کر اپنے بالوں میں سجالیے تھے جو اس کا سرکاری اسکول میں پڑھنے والا اسٹوڈنٹ اس کے لیے لایا تھا۔ ان پھولوں نے اس کے بالوں کو دلکش بنادیا تھا اور اسے خود اپنا آپ اچھا لگنے لگا تھا۔

☆☆☆

''آپ کی بیٹی نے بہت لمبا کفارہ ادا کیا ہے ملک صاحب! اس کی عمر کی بچی سے کوئی ایسی توقع نہیں کرسکتا۔ آپ کے گھر سے دوسری بار دھتکارے جانے کے بعد اسی وادی میں رہتے ہوئے زندگی کو ایک نئی الف سے جیسے اس نے شروع کرکے یہاں

www.pklibrary.com

تک پہنچایا ہے۔ اس کی محنت، مشقت سے بھرپور باعزت طریقے سے گزارے اس سفر کا یہاں کے رہنے والوں کے ساتھ ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔"

وہ نگار زہرا کی قبر کے قریب اکڑوں بیٹھے اس پر پھول بکھیر رہے تھے اور ان کے کانوں میں ایک دن پہلے ان کے پاس سوالی بن کر آئے اور اورنگ زیب یوسف کی آواز گونج رہی تھی۔

"اور ایک بغاوت سے سعادت مندی کے اس سفر کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگئی کہ وہ آج بھی میرے بیٹے معید یوسف کے ساتھ اپنی رضا اور منظوری کے ساتھ نکاح کر لینے میں بااختیار تھی کہ اب تو کوئی سماجی بندش اس کے پیر بھی نہیں پکڑ سکتی تھی میں بااختیار تھی کہ اب تو کوئی سماجی بندش اس کے پیر بھی پکڑ سکتی تھی لیکن میرے بیٹے کو قبول کر لینے کے لیے اس نے ایک ہی شرط رکھی کہ میں سوالی بن کر آپ کے دروازے تک پہنچوں اور اگر آپ کے در سے مجھے قبولیت ملے تو ہی یہ ممکن ہو سکتا ہے۔"

وہ اب قبر پر بکھرے پھولوں پر بے دھیانی میں ہاتھ پھیر رہے تھے۔ پھر انہوں نے فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے قبر کی مکین نگار زہرا کو دل میں مخاطب کیا تھا۔

"بہت کٹھن پڑی ہماری ضد مینو بٹیا پر نگار زہرا! لیکن اس نے آواز نکالے بغیر صبر کے ساتھ ان کٹھنائیوں کو قبول کر کے ثابت کیا کہ وہ ہمارا ہی خون ہے۔ غلط کیا ہم نے، بہت غلط کیا جو اسے انجان پن میں کی ایک غلطی کی سزا عمر بھر کاٹنے پر لگا دیا۔" وہ تاسف سے سر ہلا رہے تھے۔

"لیکن اب اور نہیں، آج میں تمہارے پاس اس وعدے سے آزاد ہونے کے لیے آیا ہوں کہ عمر بھر اسے واپس گھر میں اس کی مکین بن کر نہیں آنے دوں گا۔ سوچو بھلا چند لپ اسٹکس، آئی لائنر اور....." ان کو اپنے گلے میں پھندا لگتا محسوس ہوا۔

"اس کی بیٹی اس شخص کی بھی بیٹی ہے جو مینو کو ورغلا کر ہم سے چھین کر لے گیا تھا۔ میں اس سے اچھی طرح تعارف حاصل کر چکا ہوں اور آگے کی زندگی میں مینو کو اس کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ سو معاف کرنا مجھے نگار زہرا! میں تم سے کیے اس وعدے کا مزید بوجھ نہیں اٹھاؤں گا۔"

☆☆☆

اسلام آباد سے واپسی پر مناہل کے پاس سنانے کو بہت سے قصے اور کہانیاں تھیں۔ جو اس نے ایک ایک کر کے سب ماہین کو سنا ڈالیں۔

"وہ سب لوگ اتنے اچھے ہیں، آئی سویر مینو ماما! ازکی کی فیملی اف..... سپر لو ہیں وہ لوگ۔ ذرا جو مجھے لگا ہو کہ میں ان کی فیملی کا حصہ نہیں ہوں اور ذرا جو انہوں نے مجھے احساس ہونے دیا ہو کہ میں کوئی باہر سے ہوں۔ یہ دیکھیں شمسہ آنٹی نے مجھے کتنی ہی چیزیں خود سے لے کر دے دیں۔ میں کہتی بھی رہی کہ میرے پاس پیسے ہیں، میں خود لے لوں گی لیکن نہیں، انہوں نے میری سنی ہی نہیں۔"

وہ اپنے بیگ سے شاپنگ بیگز نکالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اور پتا ہے، سنڈے کی شام کو معید بھی وہاں آ گیا۔ اس نے اپنی فیورٹ کافی شاپ سے مجھے کافی پلوائی اور یہ پرفیوم بھی خرید کر دیا۔"

اس نے بیگ سے پرفیوم کا ڈبہ نکالتے ہوئے کہا اور ڈبے سے پرفیوم نکال کر اپنی کلائی پر سپرے کرنے لگی۔ "ہوں کیا سست خوشبو ہے قسم سے" وہ لمبا سانس لیتے ہوئے بولی۔ "یہ سب بہت امیزنگ ہے، ہے نا۔" وہ خوش ہو رہی تھی۔

"اسلام آباد کا یہ ٹرپ ڈریم کم ٹرو، قسم کی چیز تھا میرے لیے، میں ابھی سب پکچرز آپ کو دکھاتی ہوں۔ جہاں جہاں بھی ہم گئے۔"

وہ کہہ رہی تھی اور ماہین کی نظریں اس کے بیگ سے نکلنے والے میلے کپڑوں پر جمی تھیں۔

"وڈ کاٹیج کی وارڈ روب میں لٹکے میرے وہ پرانے کپڑے تمہارے پاس کیسے آئے مناہل۔" وہ

www.pklibrary.com

پوچھنا چاہتی تھی لیکن الفاظ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

برسوں پہلے کا ایک منظر اس کی نظروں کے سامنے آرکا تھا۔ اسٹیل کی کٹوری ہاتھ میں پکڑے ہمایوں کے گھر کے دروازے پر دستک دیتی وہ بچی جسے ایک وقت کے کھانے کو سالن کے لیے خوار ہونے سے بچانے کے لیے وہ وہاں سے نکال کر لے آئی تھی۔ جبلت اور جینز، دو لفظ اس کے دماغ میں مسلسل سے گھومنے لگے تھے۔

☆☆☆

"ارے واہ، ووڈ کا میچ رینو ویٹ ہو رہا ہے۔" مناہل اس روز ادھر آنے پر تالی بجاتے ہوتے فاطمہ مریم سے کہہ رہی تھی۔ "لیکن کیوں..... کس لیے۔"

"خدا جانے، اتنے برسوں بعد صاحب کو اس کی صفائی اور نئے سرے سے سجاوٹ کا خیال کیسے آگیا۔" فاطمہ مریم بھی انجان تھیں۔ شاید مسلسل ایک جیسی چیزوں اور ماحول میں رہتے رہتے دل اور اوبھ انجان تھیں۔ "شاید مسلسل ایک جیسی چیزوں اور ماحول میں رہتے رہتے دل اوبھ گیا ہو۔ تبدیلی ذہن پر اچھا اثر ڈالتی ہے نا۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔" مناہل نے سر ہلایا۔ "اس تبدیل کا خیال گرینڈ پا کو میری یہاں اکثر آمد کے بعد ہی آیا ہے نا آخر۔" وہ مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ "ان کی زندگی میں اصل تبدیلی تو میں لائی ہوں۔ اس لیے کریڈٹ بھی مجھے ہی ملنا چاہیے۔" تالاب میں تیرتی بطخوں کو روٹی کے ٹکڑے کھلاتے ہوئے وہ خوش نظر آرہی تھی۔ آج ووڈ کا میچ سے ہوتے ہوئے اس کا ارادہ ازکی کی طرف جانے کا تھا۔ وادی میں موجود دوسرا گھر جہاں اس کی آمد کو اہمیت ملتی تھی اور خوش دلی سے خوش آمدید کہا جاتا تھا۔"

☆☆☆

مناہل کی غیر موجودگی میں معید سے بات کرنے کا اچھا موقع ملا تھا۔ ماہین نے اسے پہلی بار خود کال کی تھی۔

"میری انٹرن شپ بس ختم ہی ہونے والی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "ابا کا حکم تھا، میں انٹرن شپ ختم ہونے سے پہلے گھر نہیں آؤں گا۔ ان کا خیال ہے کہ پروفیشنل رویہ بنانے کے لیے یہ ضروری ہے۔ خیر" وہ اسے ایک بیگ دکھاتے ہوئے بولا تھا۔ "یہ دیکھیں اس میں وہ سب تحفے بند ہیں جو اب تک میں نے آپ کے لیے خریدے ہیں مینو میم صاحب" کچھ دنوں سے وہ اسے اسی نام سے پکارنے لگا تھا۔

"وہ سب ٹھیک ہے لیکن بابا۔ خدا جانے انہوں نے تمہارے ابا کو کیا جواب دیا۔" ماہین نے کہا۔ "اور مناہل میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اسے کیسے سب بتاؤں۔ دراصل وہ اتنی لاابالی اور غیر سنجیدہ ہے کہ اسے کوئی سنجیدہ بات سمجھانے کا طریقہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"میں نے کہا نا۔ سب مجھ پر چھوڑ دیں۔ میرے گھر آنے میں چند ہی دن تو باقی ہیں۔ میں خود بات کرلوں گا اس سے میری بات زیادہ اچھے طریقے سے سمجھتی ہے وہ۔" وہ کہہ رہا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے بھی تو اسے اعتماد میں لینا ہے۔ نجانے وہ کیسے ری ایکٹ کرے لیکن پھر بھی مجھے اسے بتانا....."

اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی اور اس کے فون کی بیٹری ختم ہوگئی تھی۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا اور تیزی سے چارجر کی طرف بڑھی لیکن اس کا چارجر کام نہیں کر رہا تھا اور وہ فون چارج نہ کرسکی تھی۔ اس کا فون ڈیڈ پر آرہا تھا۔

☆☆☆

معید نے کال کا سلسلہ منقطع ہوجانے پر کئی بار خود ماہین کو کال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا فون مسلسل بند مل رہا تھا۔ ہار کر اس نے کوشش ترک کردی تھی اور اسی سہ پہر اسے ایمرجنسی میں گھر جانا پڑ گیا تھا۔ اس کی اماں نے کال کر کے اسے گھر بلایا تھا۔ اسی ایمرجنسی میں وہ دوبارہ ماہین کے نمبر پر کال نہیں کرسکا تھا۔

www.pklibrary.com

☆☆☆

مناہل جس وقت واپس گھر آئی۔ کچن سے کسی اچھے پکوان کے بننے کی خوشبو آرہی تھی۔ گھر صاف ستھرا تھا اور لاؤنج میں ایر فریشنر کی دھیمی مہک اٹھ رہی تھی۔ کمرے کی لائٹس آف تھیں صرف بڑے صوفے کے دائیں بائیں رکھی میزوں پر ٹیبل لیمپ کی روشنیاں آن تھیں۔ مناہل کا پرانا جیوک باکس۔ سینٹر ٹیبل پر رکھا تھا اور اس پر طلعت محمود کوئی نغمہ سنا تا سنائی دے رہا تھا۔ وہ آندھی طوفان کی طرح گھر میں داخل ہوئی تھی جس کا دروازہ خلاف معمول اسے کھلا ملا تھا۔ گھر کے اندر کا منظر دیکھ کر اس کا مزاج سوا نیزے پر پہنچ گیا تھا۔ وہ تیزی سے کچن کی طرف بڑھی تھی۔ جہاں ماہین چولہے کے قریب کھڑی کچھ پکانے میں مصروف تھی۔ آہٹ سن کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

''آ گئیں تم۔'' وہ مسکرائی تھی۔ ''دیکھو میں آج تمہارے لیے کیا بنا رہی ہوں۔''

وہ کہہ رہی تھی اور مناہل اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ انک بلیو سلک کے سوٹ میں ملبوس وہ ہونٹوں پر ہلکی لپ اسٹک سجائے۔ فریش اور اپنی عمر سے بہت کم دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے کمر تک آتے گھنے سیاہ بال کھلے تھے اور اس کا دوپٹہ کرسی کی پشت پر پڑا تھا۔ اس حلیے میں وہ اتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی کہ کوئی اور وقت ہوتا تو مناہل شاید تیزی سے اس کے گلے جا لگتی لیکن یہ وقت اور تھا۔ شیطان اپنا وار کر چکا تھا اور مناہل اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

''واہ، واہ، واہ۔'' اس نے تالی بجاتے ہوئے بلند آواز میں کہا تھا۔

''مینو ماما! میں نے غور ہی نہیں کیا کچھ دنوں سے آپ کے انداز کیوں اتنے بدلے ہوئے۔ اور اجنبی سے ہو رہے ہیں۔ آپ کا برسوں پرانا حلیہ یک دم بدلنے کیوں لگا ہے۔ یہ لباس، یہ بناؤ سنگھار، یہ میوزک اور یہ رومانٹک ماحول۔'' اس نے لاؤنج کی طرف اشارہ کیا۔ ''کون سی جادو کی چھڑی ایسی چلی ہے جس نے میری ماں کو مجھ سے بڑھ کر شوقین مزاج، کم عمر اور رومانٹک بنا دیا ہے۔'' وہ اپنے لہجے اور انداز پر ششدر رہ جاتی ماہین سے مخاطب تھی۔

''یقین جانیں، مجھے تو ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ میری ماں کی زندگی کے افق پر کون سا نیا چاند چڑھ آیا ہے جس کی روشنی میں اس کی زندگی کی پوری ہیئت ہی بدل گئی ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو مناہل!'' الفاظ ماہین کے منہ سے پھسلے تھے۔

''اور مجھے شاید ابھی بھی معلوم نہ ہوتا اگر آج میں اتفاق سے ازکی کی طرف نہ گئی ہوتی۔ مناہل نے اس کے الفاظ ان سنے کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''یقین جانیں آج میں ازکی اور اس کی اماں کے سامنے شرم سے زمین پر گڑی جا رہی ہوں۔ آپ کی وجہ سے، صرف اور صرف آپ کی وجہ سے۔'' وہ اس کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم۔ ہوش میں تو ہو۔'' ماہین نے پلٹ کر چولہا بند کیا اور اس کی طرف بڑھی۔

''کیسا لگے گا آپ کو جو کوئی آپ سے یہ کہے کہ آپ کی ماں اپنی عمر اور اسٹیٹس کی پروا کیے بغیر خود سے آٹھ سال چھوٹے کسی لڑکے کی محبت میں نا صرف خود گرفتار ہو چکی ہے بلکہ اس نے اس لڑکے کو بھی اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔ بتائیں کیسا لگے گا آپ کو جب آپ سنیں گی کہ وہ لڑکا جس کی ماں آپ کو اس کے لیے منتخب کر چکی ہو۔ اسی لڑکے کو آپ کی ماں نے اپنی زلفوں کی اسیر بنا لیا ہے۔'' مناہل کی نظریں شعلہ بار تھیں اور اس کی آواز اونچی تھی۔

''کیا بکے چلی جا رہی ہو مناہل۔ تم ہوش میں تو ہو؟'' ماہین نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا۔

''پہلے بے ہوش تھی۔ ہوش میں تو میں آج آئی ہوں۔'' اس نے اپنا بازو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ''کیوں کر رہی ہیں آپ ایسا۔ اس معید کو جس کی ماں نے اس کے لیے مجھے منتخب کیا اسے آپ نے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ کیوں آخر کیوں..... شرم نہیں آئی آپ

www.pklibrary.com

کوایسا کرتے ہوئے۔"

اس نے ماہین کی سماعت پر بم گراتے ہوئے کہا۔

"اپنی ہی بیٹی کی پسند پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے ڈوب نہیں مریں آپ یا پھر آپ کو ایسی حرکتیں کرنے کی شروع ہی سے جو عادت پڑی ہوئی ہے اس نے آپ کی نظر اور دل کی شرم بالکل ہی ختم کر رکھی ہے۔"

"تم..... تم غلط سمجھ رہی ہو مناہل۔" ماہین کی آنکھیں بے یقینی کے عالم میں پھیل رہی تھیں۔

"میں..... میں تمہیں بتاتی ہوں اصل بات میں تمہیں....."

"آپ کیا بتائیں گی مجھے۔ آپ کا تو یہ رنگ ڈھنگ، یہ انداز آپ ہی سب کچھ بتا رہا ہے مجھے۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ "اور میں غلط کیا سمجھ رہی ہوں۔ ہاں کیا غلط سمجھ رہی ہوں میں۔"

"وہ میں نہیں، معید خود تھا۔ میرا یقین کرو، میں نہیں تھی۔" ماہین کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ کن الفاظ میں اپنی صفائی پیش کرے۔

"جی..... وہ معید خود تھا۔" وہ بازو سینے پر باندھتی ہوئی بولی۔ "آپ جانتی تھیں اسے یا وہ جانتا تھا آپ کو۔" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "ارے وہ میں تھی میں۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "جو اس کو گھر میں لے کر آئی تھی آپ سے متعارف کروایا تھا۔ اپنا دوست بنایا تھا اسے میں نے۔ کمال ہے آپ پھر بھی نہیں سمجھیں یا آپ کی نیت میں ہمیشہ سے ہی خرابی ہے جو پہلے میرا باپ لے اڑیں اور پھر وہ لڑکا جسے میں پسند کرتی تھی، جس سے میں محبت کرتی تھی۔"

ماہین کا دم اس انکشاف پر رکنے لگا۔ "اب کسی بھی لڑکے سے دوستی کا مطلب ضروری تو نہیں کہ اس کے ساتھ بھاگ جانا ہی ہو۔" الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔ "اپنے بچوں کے ساتھ ٹرسٹ کرنا سیکھنا چاہیے۔ پازیٹو سوچ رکھنی چاہیے۔ وہ کس نے کہا تھا اور یہ کون کہہ رہی تھی۔ اس کا ذہن الجھنے لگا۔

"دیکھو مناہل! تمہیں کسی بات کا بھی علم نہیں۔ تم مفروضے پر بات کر رہی ہو۔ ادھر آؤ بیٹھو، میں تمہیں بتاتی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

"کیا بتائیں گی، کیا سمجھائیں گی آپ مجھے۔" وہ ایک بار پھر بدکی تھی۔ "ارے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئی ہوں وہ سب اسکرین شاٹس، وہ سب میسجز جو آپ نے معید کو کیے ہیں۔ کنورسیشنز، اشعار، نظمیں نجانے کیا کیا اور ہاں آپ کی وہ سب تصویریں بھی جو اس کی فون گیلری میں محفوظ ہیں۔ ازکیٰ کی ماں نے اس کے فون سے سب اچک رکھی ہیں۔ اب پلیز اپنے ستی ساوتری ہونے کا ثبوت مت دیجیے گا مجھے۔" وہ انگلی اٹھاتے ہوئے بولی۔

"شرم سے ڈوب مرو ہی میں وہ سب سن کر جو شمسہ آنٹی آپ کے بارے میں کہہ رہی تھیں اور گھن آرہی تھی مجھے، خود اپنے وجود سے یہ سوچ کر کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔ ارے آپ نے تو اپنا ڈھنگ ہی بنالیا ہے بنا آگا پیچھا، بنا عمر دیکھے کسی کا بھی بیٹا اپنا جال میں پھنسا لینے کا۔ چاہے وہ میرے دادا، دادی ہوں، چاہے شمسہ آنٹی اور اورنگ زیب انکل۔" اس کے لہجے میں اتنی نفرت، اتنی حقارت تھی کہ ماہین کو اپنا سانس رکتا محسوس ہو رہا تھا۔

"ٹھیک کیا تھا..... بالکل ٹھیک کیا تھا گرینڈ پا اور گرینڈ ماما نے آپ کے ساتھ جو ہمیشہ کے لیے آپ سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ ٹھیک کرتے ہیں گرینڈ پا آپ کے ساتھ، جو آپ کو آج بھی فاصلے پر رکھتے ہیں۔ آپ کی اوقات میں، آپ یہ ہی ڈیزرو کرتی ہیں۔ آپ..... آپ کا لالچ..... آپ کی ذہنیت ایسا ہی سلوک ڈیزرو کرتی تھی جو زندگی نے آپ کے ساتھ کیا۔ جو ماں اپنی ہی بیٹی کی پسند کو اچک لے جانے کی کوشش کرے، وہ تو کچھ بھی کر سکتی ہے اور یہ جو عمر بھر میرے سامنے آپ نے رابیہ جیسا امیج بنا رکھا تھا۔ اس کے اندر بھی نجانے کیا کیا کند چھپا تھا۔ میں تو بچی سی، بے خبر تھی مجھے کیا خبر کہ اندر ہی اندر کیا کیا کھیل کھیلتی رہی

www.pklibrary.com

ہیں۔"

"منا ہل پلیز۔" ماہین کو لگا وہ گرنے لگی تھی، اس نے آخری بار بات کرنے کی کوشش کی۔

"کیا پلیز۔" وہ حقارت سے بولی۔ "آپ کی کوئی بات نہیں سننی مجھے۔ آپ کا کیا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں میں۔ آپ نے ایک عمر کا بھرم توڑ دیا ہے، میرا ٹرسٹ توڑ دیا ہے۔ اب کے بعد آپ میری اور میں آپ کی کچھ نہیں لگتی۔ مت سمجھیے گا آئندہ کبھی مجھے اپنی بیٹی۔"

وہ ماہین کا بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک کر پیر پٹختی کچن سے باہر چلی گئی تھی اور ماہین اس کو پکارنے کی کوشش کرتی نیچے فرش پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی اماں نے اسے ایمرجنسی میں بلایا تھا۔ وہ ایمرجنسی کیا تھی وہ یہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن اس شام جب وہ گھر پہنچا تھا اس نے اپنی ماں کو خود پر چیختے چلاتے سنا تھا۔ وہ اپنا فون اس کے سامنے لہرا لہرا کر اسے دکھا رہی تھیں جس میں وہ اسکرین شاٹس اور تصویریں محفوظ تھیں جو اسلام آباد میں ایک رات کے قیام کے دوران انہوں نے ٹیپو سے کہہ کر اس کے فون سے اچکوائی تھیں اور جن کی سمجھ انہیں ان کے بقول گھر واپس پہنچ کر اس وقت آئی تھی جب ابا کے منہ سے انہوں نے اس کے اور ماہین کے رشتے کی بات سن کر ان کو غور سے دیکھا تھا۔

"ارے میں نے تو شرارتاً ٹیپو سے کہا تھا بھائی کے فون پر میسجز اور گیلری چیک کرو۔ کہیں لاہور میں کسی لڑکی سے چکر تو چلائے نہیں بیٹھا جو گھر آنے کا نام نہیں لیتا۔ مجھے کیا پتا تھا کہ لاہور تو بعد کی بات ہے میرے گھر پر ڈاکہ تو یہیں پاس سے ہی پڑ چکا ہے۔" وہ کہہ رہی تھیں۔ "وہ عمر میں تم سے کہیں بڑی، تمہاری ماں کے برابر جوان لڑکی کی ماں، کیا وہی رہ گئی تھی تمہیں پسند آنے کے لیے۔ غضب خدا کا میرے ہی بیٹے پر ڈاکہ ڈال کر مجھ ہی سے بڑی معصوم اور ستی ساوتری بن کر ملتی رہی۔ اور میں پاگل سوچتی رہی کہ وقت آئے گا تو اس سے اس کی بیٹی کے لیے بات کروں گی۔ جیسی معصوم اور پیاری وہ خود دکھتی ہے بیٹی بھی ایسی ہی ہوگی لیکن اسے دیکھو۔ اف میرے اللہ مجھے اپنی تربیت پر شرم آرہی ہے، معید تم ..... تم نے....."

وہ اتنے شاک میں تھیں کہ انہیں خود بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بولے جارہی تھیں اور معید بے یقینی سے اپنی سمجھ دار اور مدبر ماں کو یہ ردعمل دیتے دیکھ رہا تھا۔

"میری بات غور سے سن لو معید! تم نے اگر ایسا کوئی قدم اٹھایا تو میری....."

"کیا جاہلانہ باتیں کررہی ہو تم شمسہ۔"

ابا جو صبح سے گھر میں یہ تماشا ہوتا دیکھ رہے تھے، ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا انہوں نے آگے بڑھ کر اماں کو بری طرح ڈانٹ دیا تھا۔ "اپنے الفاظ اور انداز پر غور کرو۔ کہیں سے بھی لگ رہا ہے کہ تم نے ایم فل کر رکھا ہے اور تم کسی کالج میں پڑھاتی رہی ہو۔"

"ارے آپ مجھے خاموش نہیں کرا سکتے۔ آپ بھی اس کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔ آپ سے تو میں بعد میں نمٹوں گی پہلے اس سے تو....."

"چپ۔" وہ ڈپٹ کر بولے تھے۔ "خبردار اس سے آگے ایک لفظ نہیں سنوں گا میں۔ ابھی تم ہوش میں نہیں ہو، جب ہوش میں آجاؤ گی تب بات کریں گے اور ہاں بھول جاؤ کہ میں یا معید اب اپنے قول سے پھر سکتے ہیں۔ میں ماہین کے والد سے رشتے کی بات کر چکا ہوں جسے واپس لینے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ رہا معید تو تم اسے اچھی طرح جانتی ہوں، اس کے سر پر جس چیز کی دھن سوار ہو جائے اسے پا کر ہی دم لیتا ہے۔ اس لیے ماہین کے بارے میں کوئی بھی غلط لفظ بولنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لینا کہ کل اسے اسی گھر میں بہو بن کر آنا ہے۔ اپنے بیٹے کے ایک انقلابی اور محبت مند فیصلے پر فخر کے بجائے اسی پر واویلا مچائے بیٹھی ہو۔ تف ہے تم پر۔"

اور یہ ابا کی عادت تھی۔ اول تو اماں کی کسی بات

www.pklibrary.com

میں دخل نہیں دیتے تھے اور اگر دیتے تھے تو اپنی منوا کر چھوڑتے تھے۔ معید نے متشکر نظروں سے ابا کی طرف دیکھا تھا۔ اماں کے ردعمل رپ وہ دل برداشتہ تو تھا لیکن جانتا تھا کہ ابا انہیں سمجھائیں گے اسی لیے قدرے مطمئن ہوتا اپنے کمرے کی طرف آ گیا لیکن یہاں ازکی اس کے لیے ایک نئی خبر لیے موجود تھی۔ اماں نے وہ اسکرین شاٹس اور تصویریں مناہل کو بھی دکھادی تھیں۔ نا صرف دکھائی تھیں بلکہ منہ بھر بھر کر اس کے سامنے ماہین کو باتیں بھی سناڈالی تھیں۔

''مناہل بہت شاکڈ تھی بھائی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ آپ اس کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ آپ اس میں انٹرسٹڈ تھے جب ہی اس کی ماما کو بھی اتنی اہمیت دیتے تھے۔ وہ اپنی ماما سے بہت بدگمان ہو کر یہاں سے نکلی تھی۔ اب خدا جانے اس نے گھر جا کر ان کے ساتھ کتنی بدتمیزی کی ہوگی۔''

معید نے گھبرا کر فوراً ماہین کا نمبر ملایا تھا۔ اس کا نمبر ابھی بند جا رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا نمبر ملاتا رہا تھا۔ اسے ماہین سے کہنا تھا کہ مناہل اسے کچھ بھی کہے وہ خاموشی سے سن لے۔ اس کی کسی بات کا اثر لے نا ہی اسے جواب دے۔ اس کے لیے وہ ہے نا، وہ خود ہی مناہل کو سنبھال لے گا۔ لیکن ماہین کا نمبر رات تک مل کر نہیں دیا تھا۔ اور رات اتنی گہری ہو چکی تھی کہ اس وقت وہ اس کے گھر نہیں جا سکتا تھا۔ ماہین کو سمجھانے اور اس سے بات کرنے کے لیے صبح کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ رات جو اندھیری تھی اور خاموش بھی۔ مناہل کے دل میں جو آیا تھا وہ اسے سنا کر کمرے میں جا سوئی تھی۔ اور وہ وہیں کچن کے فرش پر بیٹھی تھی۔ اس کی نظریں خلا میں جمی تھیں اور مناہل کے الفاظ اس کے کانوں میں چھری کی نوک کی طرح چبھ رہے تھے۔

''آپ نے ایک عمر کا بھرم توڑ دیا ہے۔ آپ نے میرا ٹرسٹ توڑ دیا ہے۔ اب کے بعد آپ میری اور میں آپ کی کچھ نہیں لگتی۔''

''آج سے تم ہمارے لیے اور ہم تمہارے لیے مر گئے۔''

وہ زندگی میں دوسری بار دھتکاری گئی تھی اور دونوں ہی بار اسے دھتکارنے والے اس کے اپنے خون کے رشتے تھے۔ ایک بار اس کی اپنی ماں اور دوسری بار اس کی اپنی بیٹی۔ ایک عمر کے جہاد میں پڑ کر اس نے باپنی زندگی کی واحد غلطی کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اوائل عمر کی وہ نادانی جس پر اس کی اپنی ماں نے اسے کالے پانی کی سزا سنادی تھی اور اس نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن اب، دوسری بار.....

اس نے اپنی اکڑی ہوئی گردن سیدھی کرنے کی کوشش کی۔ دوسری بار اس سے غلطی کہاں ہوئی تھی۔ اپنی سوئی ہوئی حسیات جگانے کی غلطی، اپنے میکانکی خول سے باہر نکلنے کی غلطی، خود کو ایک جیتی جاگتی انسان سمجھنے کی غلطی، کھلی آنکھوں سے نظر آتے خواب دیکھنے کی غلطی، زندگی کے تاریک آسمان پر چمکتے جگنو پکڑنے کی غلطی یا زندگی کے رنگوں اور خوشیوں پر حق سمجھنے کی غلطی۔

''اوہ میرے خدا۔'' اس نے کرسی پر ہاتھ ڈال کر فرش سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھا نہیں گیا وہ واپس وہیں بیٹھ گئی۔ ''ہر بار خواب دیکھنا۔ خواہش کرنا ہی میرا جرم ٹھہرا۔'' بے بسی سے سامنے دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ایک جرم کی سزا تو میں نے بھگت لی، دوسرے کی کیسے بھگت پاؤں گی۔ میرے پاس اب اتنا وقت ہی کہاں رہ گیا ہے۔ اور اس بار تو میرا جرم بھی صرف اتنا ہی ہے کہ میں نے خود کو روبوٹ سمجھتے رہنے کے بجائے زندہ انسان سمجھنے کی غلطی کر ڈالی اور اس غلطی کی پاداش میں میری وہ بیٹی جسے اپنے پروں تلے دبائے میں زندگی کے بلیک اینڈ وائٹ رنگ میں اتری، حالات کے مکے کھائی، وقت کو آگے دھکیلتی رہی۔ وہ ہی مجھ پر نا جانے کیا کیا الزام لگا گئی۔ بنا مجھے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع دیے مجھ پر فرد جرم عائد کر کے اپنا فیصلہ بھی سنا گئی۔ ایک اور کالا پانی، ایک اور جلاوطنی، ایک اور قطع تعلق ایک

www.pklibrary.com

بار پھر اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اب تو مجھ میں اتنی سکت بھی نہیں کہ اپنی ہی لاش سر پر اٹھائے جیتی چلی جاؤں۔ ایک ایک کر کے مناہل کے الفاظ اور الزام اسے یاد آ رہے تھے۔ اس کا حقارت بھرا لہجہ، اس کی نفرت بھری نظریں، وہ بیٹی جو اسے اب تک راہبہ مجھتی رہی تھی، آج اسے فاحشہ قرار دے گئی تھی۔ اس کی بوجھل ہوتی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔

''آپ یہ ہی ڈیزرو کرتی تھیں۔ آپ کی ذہنیت، آپ کا لالچ......'' الفاظ بازگشت کی صورت اس کے اردگرد پھیل رہے تھے۔ ''جو ماں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی ہی بیٹی کی پسند کو اچک لے جانے کی کوشش کرے۔'' اس نے اپنی بند ہوتی آنکھیں بدقت کھولنے کی کوشش کی۔

''کیا اس الزام کے بعد وہ کبھی مناہل سے، دنیا میں کسی سے بھی نظریں ملا پائے گی۔'' اس نے نجانے کس سے سوال کیا تھا۔

''نہیں۔'' نجانے کس سمت سے جواب آیا تھا۔ وہ دیکھ نہیں پائی۔ اس کی بوجھل آنکھیں کوشش کے باوجود کھل نہیں پا رہی تھیں۔

''یا اللہ اتنا اندھیرا، اس قدر سناٹا۔'' اس نے کہنا چاہا تھا۔ مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ میں کچھ بھی سن نہیں پا رہی ہوں۔ وہ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھیں تھیں کہ کھل نہیں پا رہی تھیں اور اس کا دل تھا کہ دھڑکنیں چھوڑتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح سورج کی پہلی کرن نکلنے سے بھی پہلے رات بھر کے جاگے معید نے ایک بار پھر ماہین کے نمبر پر کال کی تھی اور پھر مایوس ہو کر مناہل کا نمبر ملایا تھا۔ خلاف توقع مناہل نے دوسری بیل پر ہی فون اٹھا لیا تھا اور وہ اس سے بات کرنا شروع ہوا تھا۔ مناہل سے تفصیلی بات کر لینے کے بعد اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا۔ دن کی روشنی پوری طرح کمرے میں پھیل چکی تھی۔

☆☆☆

سعید کی کال بند کر کے وہ تیزی سے بستر سے اٹھی تھی۔ ماہین بستر میں موجود نہیں تھی۔ بکھرے بال سمیٹتی وہ لاؤنج میں آئی تھی، جہاں رات سے بجتا جوک باکس ابھی بھی اس گانے کو دوبارہ چلا رہا تھا۔ ماہین یہاں بھی نہیں تھی۔ معید سے تفصیلی بات کر لینے کے بعد اس کا دماغ اگرچہ ٹھکانے پر آ چکا تھا اور اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی مینو ماما کا سامنا کیسے کرے گی، جسے رات وہ شمسہ آنٹی کی باتوں میں آ کر بدگمانی میں نجانے کیا کیا سنا چکی تھی۔ لیکن پھر بھی دل کڑا کر کے وہ اسے اس مختصر سے گھر میں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

''معافی مانگ لوں گی ان سے ہاتھ جوڑ کر، پیروں میں پڑ کر، کسی بھی طرح۔'' وہ سوچتے ہوئے کچن کی دہلیز پر آ کر رک گئی تھی۔

''اوہ۔'' سامنے نظر آتا منظر دیکھ کر وہ ایک دم ٹھٹک گئی تھی۔ ماہین کرسی کی ٹانگ سے سر ٹکائے فرش پر بیٹھی تھی اور اس اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔

''مینو ماما!'' اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا اور اگلے ہی لمحے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ ماہین کا وجود سرد تھا اور اکڑ رہا تھا۔

''مینو ماما!'' اب کے اس نے دونوں ہاتھوں میں اس کا وجود پکڑا تھا اور اسے جھنجوڑنے کی کوشش کی تھی ماہین کا سر کرسی کی ٹانگ سے ڈھل کر فرش پر آن لگا تھا۔

''مینو ماما!'' وہ اس کے وجود کو جھنجوڑتی بلند آواز میں چلا رہی تھی لیکن اسے ماہین کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں مل پا رہا تھا۔ وہ خوف زدہ ہو چکی تھی اور اسی خوف کے حصار میں جکڑی اٹھ کر ماہین سے دور چلی گئی تھی اور کچن کے دروازے پر رک کر وحشت ناک نظروں سے ماہین کے فرش پر پڑے وجود کو تکتی چلی جا رہی تھی۔

اسی دم دروازے پر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تھی وہ دوڑ کر دروازے تک پہنچی تھی اور اس نے کچھ پوچھے بغیر دروازے کا لاک کھول دیا تھا۔ دروازے پر گرینڈ پا کھڑے تھے، ان کے پیچھے فاطمہ مریم اور بہادر بخش بھی تھے۔

''ووڈ کا پیچ مکمل طور پر رینووٹ ہو چکا ہے۔

www.pklibrary.com

میں مینو بٹیا کو ساتھ جانے کے لیے آیا ہوں۔ کہاں ہے وہ.....'' گرینڈ پا کہہ رہے تھے۔

''وہ.....'' گھٹی گھٹی سی چیخ اس کے حلق سے نکلی تھی۔ ''مینو ماما!'' پھر وہ بلند آواز میں چیخی تھی۔

''کیا ہوا۔ کہاں ہے مینو؟'' ملک صاحب مناہل کے چہرے پر چھائی وحشت اور سراسیمگی کو محسوس کر کے گھبرا کر بولے تھے۔

''مینو ماما.....'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے رخسار پیٹتے ہوئے چلا رہی تھی۔ بہادر بخش اور فاطمہ تیزی سے گھر کے اندر داخل ہوئے تھے۔ مختصر سے گھر میں نظریں ادھر ادھر گھمانے پر ہی دونوں نے کچن میں فرش پر گرے وجود کو دیکھ لیا تھا۔

''صاحب! ادھر.....'' بہادر بخش کہتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا۔ اس کے پیچھے فاطمہ مریم اور ملک مصدق تھے۔ تینوں اکٹھے ہی اس کے وجود پر جھکے تھے۔

''مینو..... مینو بٹیا.....'' ملک صاحب اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''کیا ہوا تمہیں؟ دیکھو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ ہوش کرو مینو! بہادر بخش پانی لاؤ..... جلدی سے پانی لاؤ۔''

بہادر بخش کی تجربہ کار نظریں بغیر مینو کو چھوئے بہت کچھ سمجھ چکی تھیں۔ پھر بھی اس نے تیزی سے میز پر سے پانی کا جگ اٹھا کر پانی اس کے چہرے پر چھڑکا تھا۔ پانی کی بوندیں اس کے چہرے سے پھسل کر گریبان تک بہتی چلی جا رہی تھیں لیکن اس کے وجود میں زندگی کے آثار جاگتے نظر نہیں آ رہے تھے۔

''مینو..... مینو بٹیا.....!'' فاطمہ مریم کو انہونی کا احساس ہو چکا تھا اور وہ بلند آواز میں رونے لگی تھیں۔ ملک مصدق کی نظریں اپنے ہاتھوں میں اٹھائے وجود کے چہرے پر ساکت جمی تھیں۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ خود کو کہتے سن رہے تھے۔ ''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا میں نے آنے میں اتنی

سے انکار کر رہا تھا۔

کچن سے سسکیوں اور آہوں کی آوازیں آتی سنائی دے رہی تھیں اور مناہل خوف سے کانپتی ٹانگوں کے سہارے داخلی دروازے والی دیوار سے پشت ٹکائے کھڑی تھی۔ جب ہی کھلے دروازے سے معید گھر میں داخل ہوا تھا۔ اندر آتے ہی اس کی نظر مناہل پر پڑی تھی۔

''تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو۔'' اس نے تعجب سے پوچھا تھا۔ اب وہ ہاتھ دانتوں میں دابے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے یوں کھڑے دیکھ کر وہ گھبرا کر آگے بڑھا تھا۔ کچن کے فرش پر تین اجنبی وجود اسے بیٹھے نظر آئے تھے۔ آہوں اور سسکیوں کی آوازیں گھر پر چھائی خاموشی میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اس کی نظر ملک مصدق کی بانہوں میں سمٹے اس بے جان وجود پر پڑی تھی۔

''مینو..... مینو میم صاحب.....!'' وہ ان کے قریب پہنچا تھا۔

''مر گئی مینو بٹیا..... ہائے چلی گئی اس دنیا سے۔'' فرش پر بیٹھی سفید بالوں والی عمر رسیدہ خاتون سر پیٹتے ہوئے رو رہی تھی۔ وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔ اس کی بے یقین نظریں اونک بلو سلک کے سوٹ میں ملبوس اس بے جان اور سرد وجود پر ٹکی تھیں پھر وہ تیزی سے کچن سے باہر نکل آیا تھا۔ مناہل لاؤنج سے گزر کر بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی۔

''ٹھہرو.....'' وہ گرج کر بولا تھا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ مینو سے کچھ نہ کہنا۔'' اس نے آگے بڑھ کر مناہل کا ہاتھ سختی سے پکڑ کر اسے جھنجوڑا تھا۔ ''کہا تھا نا میں نے؟''

''تم نے آج صبح کہا۔ اور میں نے کل رات ہی ان سے بات کر لی تھی۔'' وہ خوف زدہ تھی اور رو رہی تھی۔

''کیا.....؟'' اس نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا تھا۔ ''کیا بات کر لی تھی تم نے؟''

www.pklibrary.com

سر ٹکرا کر رونے لگی تھی۔

''تمہاری ماں تھی وہ۔'' وہ پہلے سے بھی بلند آواز میں چلایا تھا۔ ''کیا اسے جانتی نہیں تھیں تم۔ جو بکواس تم نے آج صبح میرے ساتھ کی تھی، کیا وہی رات کو اس کے سامنے کرتی رہی ہو؟''

منابل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ دیوار سے سر ٹکراتے ہوئے اونچی آواز میں روئے چلی جا رہی تھی۔

''مار ڈالا تم نے اسے۔'' وہ دھاڑا تھا۔ ''اس کے نئے سرے سے زندگی پاتے وجود کو تم نے اپنی بدگمانی کا زہر پلا دیا۔ اور اس بار وہ سہ نہیں پائی۔ سہہ بھی کیسے سکتی تھی تم نے اسے جینے کے قابل ہی کہاں چھوڑا ہوگا۔''

وہ چیخ رہا تھا۔ کچن میں واپس جا کر سر پر ہاتھ مارتا فرش پر بیٹھتے ہوئے بلند آواز میں مینو کو پکارتا جیسے وہ کسی جنون میں مبتلا ہو چکا تھا۔

''مجھے پہلے ہی خدشہ تھا کہ اس لڑکی کے ہاتھوں مینو کو کوئی بڑا نقصان پہنچنے والا ہے۔'' بنا آواز روتے ملک مصدق سوچ رہے تھے۔

''صحیح کہہ رہا ہے یہ لڑکا۔ اس لڑکی نے مینو کو مار ڈالا۔ لیکن کیا اس اکیلی نے اتنا بڑا کام کر ڈالا۔ اس کار خیر میں سب سے بڑا حصہ تو خود تمہارا اپنا ہے ملک مصدق۔ تم کسی دوسرے کو مورد الزام کیسے ٹھہرا سکتے ہو۔ کیسے پتھر دل باپ ہو تم، اپنی نظروں کے سامنے اسے جینے کی مشقت میں پڑے دیکھتے رہے اور اپنا کندھا اسے پیش نہ کر پائے۔ جینے کی مشقت میں پڑے انسان تو پھر اتنا ہی جی پاتے ہیں۔ اب روتے کاہے کو ہو..... کاہے کو رو رہے ہو؟''

وہ اپنے سر پر ہاتھ مارتے سوچتے چلے جا رہے تھے۔ مینو کا بے جان وجود ان کے درمیان فرش پر دھرا تھا اور وہ سب ایک دائرے کی صورت اس پر جھکے جیسے زمین کے آخری انسان تھے جو راکھ میں تنکے چنتے تھے۔

☆☆☆

ووڈ کاٹیج کے وسیع اور سرسبز قطعہ گھاس پر مینو کی میت رکھی تھی۔ فاطمہ مریم میت کے پاس خاموش بیٹھی اس کے چہرے کو تکے چلی جاتی تھیں۔ ملک مصدق قریب کرسی پر دھرے چہرے کی مونچھ پر ٹھوڑی ٹکائے خلا میں کچھ تلاش کرتے تھے۔ اورنگ زیب یوسف، شمسہ اور ان کے چھوٹے دونوں بچے قریب کھڑے تاسف سے کفن اوڑھ کر لیٹے اس کے وجود کو تکتے چلے جاتے تھے۔

اس گھر سے رخصت ہونے کی خواہش کا اظہار اس نے اورنگ زیب سے کیا تھا اور اسی گھر سے رخصت ہونے کو وہ تیار لیٹی تھی۔ ذرا فاصلے پر بہادر بخش ہاتھ باندھے کھڑا بے آواز آنسو بہا رہا تھا۔ سارے میں ہو کا عالم طاری تھا۔ جب ہی کاٹیج کے سبز چوبی ستونوں میں سے ایک کے پیچھے کھڑے معید نے ذرا سی گردن باہر نکال کر اس منظر کو دیکھا تھا۔

''کیسا بدنصیب ہوں میں۔ تمہیں زندگی دیتے دیتے موت سے ہمکنار کر گیا۔ کاش میں تمہاری زندگی میں نہ آیا ہوتا۔ تم اپنی عمر اپنے حساب سے تو جیے جاتیں۔'' اس کا چہرہ شدت کرب سے سفید پڑتا جاتا تھا۔

اور ووڈ کاٹیج کے عقب میں بنے تالاب کے کنارے بیٹھی منابل تالاب میں تیرتی بطخوں کی طرف روٹی کے ٹکڑے اچھالتی خود سے باتیں کیے چلی جاتی تھی۔

''پیاری بطخو!'' وہ کہتی تھی۔ ''ہر وقت حساب کتاب میں مگن میری ماں سو سے صفر کا خسارہ پوری کرتی جب زندگی کا پہیہ الٹا گھما کر صفر سے سو پر پہنچنے والی تھی تو میں نے اسے دوبارہ صفر پر پہنچا دیا۔ صفر یعنی زیرو، زیرو یعنی انڈا۔'' اس نے شہادت کی انگلی کو انگوٹھے سے جوڑ کر گول دائرہ سا بنایا۔

''سو سے صفر، صفر سے سو، پھر سو سے صفر، صفر یعنی زیرو، زیرو یعنی انڈا۔'' اب وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بلند آواز میں دہراتی تھی۔ غالباً وہ اپنا ذہنی توازن کھو چکی تھی اور تالاب میں بطخیں قیں قیں کرتی تھیں اور آسمان پر سیاہ کوے اڑتے پھرتے تھے۔

www.pklibrary.com

ندا رفیق

مہمان کا رزق

"امی! آج کیا پکاؤں رات کے کھانے میں۔"
شائستہ نے دوپٹہ سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔
"پکانا کیا ہے۔ پیسے تو میرے پاس ہیں نہیں تمہارے سامنے جو جمع کیے تھے۔ وہ بھی اس دفعہ سارے خرچ ہو گئے۔ مہنگائی بہت ہو گئی ہے۔"
رفعت نے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جو چارپائی پر ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی تھی۔
"امی! وہ تو مجھے پتا ہے لیکن آپ کی بچپن کی دوست آنٹی فرحت آپ سے ملنے آرہی ہیں ناں میں تو ان کے لیے پکانے کا پوچھ رہی ہوں۔" شائستہ نے کہا۔

رفعت نے شائستہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"مجھے لگتا ہے وہ نہیں آئے گی اگر اس نے آنا ہوتا تو وہ اب تک آجاتی، ایسا کرو رات والی دال کٹوری میں رکھی ہوئی ہے اس میں دو گلاس پانی ڈال کر تھوڑا سا پکا لو۔ سودا سلف تو سارا ہی ختم ہو چکا ہے۔ آج کا دن گزر جائے، پھر صبح دیکھتی ہوں کیا کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے امی! آٹا بھی صرف دو دن کا رہ گیا ہے۔ بچوں کی ٹیوشن فیس بھی پانچ تاریخ سے پہلے نہیں ملے گی۔ اور سلائی کے پیسے تو آپ کو پتا ہے، جیسے ہی ملتے ہیں۔ فوراً خرچ ہو جاتے ہیں روز کی ہنڈیا پکانے میں۔ میں تو کہتی ہوں آپ آنٹی صفیہ سے کل تھوڑے سے پیسے ادھار لے کر شہر سے سودا لے آیے گا۔" شائستہ نے بڑی سمجھداری سے کہا۔
"کہہ تو ٹھیک رہی ہو ایسا ہی کروں گی۔ میری دوا بھی ختم ہو گئی ہے اور دوا نہ کھانے کی وجہ سے مجھ سے چلا پھرا نہیں جاتا۔ ڈاکٹر نے کہا بھی تھا کہ دوائی کا ناغہ بالکل نہ ہو۔ لیکن اس غربت اور مہنگائی کے دور میں کیا کیا جائے۔"
رفعت نے کہا تو شائستہ چارپائی سے اٹھ کر تھکے قدموں کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆

بارہ سال ہو گئے تھے۔ شائستہ کے ابو کو فوت ہوئے۔ انوار میاں رکشہ ڈرائیور تھے۔ جو شوگر کی بیماری کی وجہ سے شادی کے آٹھ سال بعد اس جہان فانی سے کوچ کر گئے اور پیچھے دو بیٹیاں چھوڑ گئے۔ شائستہ اور شزا، شائستہ بی اے ریگولر کرنے کے بعد پرائیویٹ ایم اے کر رہی تھی۔ شزا نے بھی بی اے میں داخلہ لیا تھا۔
انوار میاں چار مرلہ کا گھر اپنی زندگی میں ہی تعمیر کروا گئے تھے۔ اخراجات اب بیٹیاں بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اور محلے کی عورتوں کے کپڑے سی کر پورا کر رہی تھیں۔ رفعت کو شادی سے پہلے ٹی بی کی بیماری تھی۔ اس کا علاج ہوا تو ہیپاٹائٹس کی بیماری لاحق ہو گئی۔
میکے میں رفعت کی صرف تین بہنیں ہی تھیں جو زیادہ امیر تو نہیں لیکن اپنے گھروں میں آباد تھیں۔ سسرال میں رفعت کا ایک دیور تھا جو فوج میں تھا اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ کراچی کینٹ میں رہتا تھا۔ چھٹی ملنے پر کبھی کبھار ملنے آجاتا تھا۔ رفعت اپنی بیٹیوں کے ساتھ اکیلے رہتی تھی، محلے کے لوگوں کا رویہ اور سلوک بہت اچھا تھا۔ اور سب ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن شزا۔ فاریہ کے ساتھ کمبائن اسٹڈی کر کے گھر واپس آئی تو شائستہ کو بتانے لگی کہ فاریہ کی ماما بھی آج شہر گئی ہوئی تھیں لیکن وہ بھائی جنید کے ساتھ بائیک پر گھر واپس لوٹ آئی ہیں اور کہہ رہی تھیں کہ تمہاری امی مجھے بازار میں ملی تھیں انہوں نے پیغام بھیجا ہے کہ ان کی بچپن کی دوست آنٹی فرحت اور ان کے دو بچے ہمارے گھر ہم سے ملنے آرہے ہیں تو شائستہ سے کہنا، جلدی سے ان کے کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ اہتمام کر لے۔
شائستہ نے سیڑھیوں سے اُترتے ہوئے سنا تو

www.pklibrary.com

سیڑھی کے آخری زینہ پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔

"کیا اہتمام کروں گھر میں تو پکانے کے لیے کچھ نہیں اور امی نے پتا نہیں سودا سلف آج خریدا بھی ہے یا نہیں۔"

"خریدا ہوتا تو وہ ضرور آنٹی صفیہ (فاریہ کی مما) کے ہاتھ بھجوا دیتیں۔"

"اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔"

ابھی وہ اسی کشمکش میں تھی کہ ڈور بیل بجی دیکھا تو اس کا شاگرد حمزہ دو بڑے ڈونگے ہاتھ میں پکڑے ان کے گھر میں داخل ہو رہا تھا شائستہ نے اٹھ کر حمزہ سے ڈونگے لیے دیکھا تو ایک میں بکرے کا گوشت اور دوسرے میں کسٹرڈ تھا۔ اس نے حمزہ سے پوچھا۔

"کس خوشی میں لے کر آئے ہو۔"

حمزہ نے کہا۔ "آپی! وہ پاپا باہر سے واپس آئے ہیں، تو آج ہم دونوں بھائیوں کا عقیقہ تھا۔" شائستہ نے مبارک باد دے کر برتن خالی کر کے واپس کیے اور کہا۔ "اسی لیے آپ دونوں نے کل ٹیوشن سے چھٹی کی تھی۔ آج بھی آؤ گے یا نہیں۔"

حمزہ بولا۔ "نہیں آپی! ہم آج بھی چھٹی کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اسی وقت آٹھ سالہ رمیزہ پیاز اور آلوؤں سے بھری ٹوکری لے کر گھر میں داخل ہوئی۔

"آپی یہ لیں! ہم نے پچھلے ہفتے آپ سے آلو اور پیاز لیے تھے۔ جب ہمارے ماموں آئے تھے تو امی نے بھجوائے ہیں۔"

شائستہ نے خوش ہو کر ٹوکری خالی کر کے رمیزہ کو دی۔ اور سوچا کہ مہمانوں کے لیے کھانا اب تیار ہو جائے گا۔

شائستہ نے شزا سے پوچھا۔ "تمہارے پاس کچھ پیسے جمع کیے ہوئے ہیں؟"

"ہاں آپی لیکن دوں گی نہیں میری دوست کی برتھ ڈے آ رہی ہے اس کے لیے گفٹ خریدنا ہے آپ کو پتا ہے۔" شزا نے کہا "اس نے میری برتھ ڈے پر مجھے بھی سوٹ گفٹ کیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ ادھار سمجھ کے دے دو۔ جب پیسے آئیں گے تو میں تمہیں اس کے لیے گفٹ خرید دوں گی۔ ابھی فی الحال مجھے ان پیسوں سے بیسن اور گھی لا دو۔ میں پکوڑے اور چپس بنا لوں۔ ساتھ میں نمکو، بسکٹ اور دودھ بھی لیتی آنا تاکہ میں مہمانوں کے آنے تک کچھ نہ کچھ اہتمام کر لوں۔" شائستہ نے کہا

"آپی میرے پاس تین سو روپے ہیں اتنا کچھ اس میں آ جائے گا۔" شزا نے پوچھا۔

"ہاں آ جائے گا تم گھی کم لے لینا۔" شائستہ نے کہا۔

"ایک شرط پر لینے جاؤں گی وہ یہ کہ آپ مہمانوں کے جاتے ہی بھنے ہوئے گوشت میں پانی ڈال کر شوربا نہیں بنائیں گی۔" شزا نے کہا

"اچھا ٹھیک ہے میری ماں! اب تم جلدی سے جاؤ اور یہ چیزیں لے کر آؤ۔ جو میں نے تمہیں بتائی ہیں۔"

☆☆☆

جب مہمانوں کے ساتھ رفعت گھر پہنچی تو اتنا اہتمام دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ میری بیٹیوں نے یہ اہتمام کیسے کیا۔ ان کے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں۔ خیر مہمانوں کو کھانا کھاتا چھوڑ کر کمرے سے کچن میں آ کر شائستہ سے پوچھا۔

"یہ سب کیسے کیا تم نے جب کہ سودا تو سارا میں ابھی لے کر آئی ہوں؟"

"امی! آپ کو پتا ہے نا کہ مہمان اپنا رزق خود لے کر آتا ہے۔ آج! بس وہی ہوا ہمارے ساتھ۔"

☆

www.pklibrary.com

امکان یہی ہے کہ وہ امکان رہے گا
یعنی یہ پریشان، پریشان رہے گا

جس موڑ پہ ملنا ہے وہیں تک ہے یہ مشکل
آگے کا سفر ساتھ میں آسان رہے گا

دُنیا سے نکلنا ہے تو ہے عشق ہی رستہ
پھر اپنی طرف تیرا کہاں دھیان رہے گا

کانٹوں سے سجالو کہ یہ پھولوں سے سجالو
گلدان تو گلدان ہے گلدان رہے گا

تم چاہے کہانی سے مرا نام مٹادو
مٹ کر بھی مرا نام ہی عنوان رہے گا

رخصت کی گھڑی ہم کو یہ معلوم نہیں تھا
تاعمر کوئی دل میں ہی مہمان رہے گا

اس شخص سے اب میرا تعلق ہے بس اتنا
جب تک ہے مری سانس مری جان رہے گا

اتباف ابرک

دیکھیے ہو گئی بدنام مسیحائی بھی
ہم نہ کہتے تھے کہ ٹلتی ہے کہیں آئی بھی

حُسن خود دار ہو تو باعثِ شہرت ہے ضرور
لیکن ان باتوں میں ہو جاتی ہے رسوائی بھی

سینکڑوں رنج والم، درد و مصیبت، شبِ غم
کتنی ہنگامہ طلب ہے مری تنہائی بھی

تم بھی دیوانے کے کہنے کا بُرا مان گئے
ہوش کی بات کہیں کرتے ہیں سودائی بھی

بال و پر دیکھ تو لو اپنے اسیرانِ قفس
کیا کرو گے جو گلستان میں بہار آئی بھی

پاؤں وحشت میں کہیں رُکتے ہیں دیوانوں کے
توڑ ڈالیں گے یہ زنجیر جو پہنائی بھی

اے قمر وہ نہ ہوئے دیکھیے تقدیر کی بات
چاند نی رات جو قسمت سے کبھی آئی بھی

قمر جلالوی

www.pklibrary.com

وہی عقل کی پرستش، وہی حوصلے کی خامی
نہ وہ جرأتِ کلیمی، نہ وہ ذوقِ ہم کلامی

میرے روز و شب کی فطرت جو بدل سکو تو بدل دو
نہیں ہے قبول مجھ کو مہ و مہر کی غلامی

میں زباں سے کیا کہوں کچھ، میری خامشی ہے سب کچھ
میری ہر نظر گزارش، میرا ہر نفس پیامی

مجھے کیا پیام دے گی تیری زندگی کی دُنیا
کہ فنا کی وادیوں میں مجھے دی گئی سلامی

میرے دل نے آج ماہر کوئی چیز اس سے مانگی
یہ نگاہ مست خسرو، یہ سرور قلب جامی

ماہر القادری

تم کو وحشت تو سکھا دی ہے گزارے لائق
اور کوئی حکم؟ کوئی کام، ہمارے لائق

معذرت! میں تو کسی اور کے مصرف میں ہوں
ڈھونڈ دیتا ہوں مگر کوئی تمہارے لائق

ایک دو زخموں کی گہرائی اور آنکھوں کے کھنڈر
اور کچھ خاص نہیں مجھ میں نظارے لائق

گھونسلہ، چھاؤں، ہرا رنگ، ثمر، کچھ بھی نہیں
دیکھ! مجھ جیسے شجر ہوتے ہیں آرے لائق

عنبر نجمی

www.pklibrary.com

شگفتہ نگاہ

رنگا رنگ پھول

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر تم اتنی غلطیاں کرو کہ تمہاری غلطیاں آسمان تک پہنچ جائیں اور پھر تم توبہ کرو تو پھر بھی تمہاری توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔"

فوائد و مسائل:۔

یہ ضروری ہے کہ انسان گناہ کے بعد جلد از جلد توبہ کرے، تاہم اگر نفس اور شیطان کے بہلاوے اور دل کی غفلت کی وجہ سے جلد توبہ نہ کی جا سکے تو جب بھی احساس ہو، توبہ کر لینی چاہیے، یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اتنے گناہ ہو گئے، وہ معاف نہیں ہوں گے البتہ توبہ وہ ہے جو دل سے ہو، صرف زبان سے نہیں۔

میل جول،

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "لوگوں سے اس طرح میل جول رکھو کہ اگر زندہ رہو تو تم سے ملنا چاہیں اور مر جاؤ تو تمہارے لیے روئیں۔

عقل مند انسان،

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

"عقل مند انسان کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہوتی ہے۔ جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو پہلے دل کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر وہ بات اس کے فائدے کی ہوتی ہے تو کہتا ہے ورنہ رک جاتا ہے اور جاہل کا دل اس کی نوک زبان پر ہوتا ہے وہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتا بلکہ جو کچھ زبان پر ہوتا ہے بول جاتا ہے۔

خوف زدہ،

ہرم بن حیان کو خلیفۂ وقت نے ایک اہم عہدہ تفویض کیا۔ جب ہرم کو اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے مکان کے راستے میں آگ جلا لی۔

عزیز و اقارب مبارک باد دینے آئے تو ہرم نے آگ کے دوسری طرف کھڑے ہو کر آنے والوں کا خیر مقدم کیا اور اپنے پاس بلایا۔ مبارک باد دینے والوں نے کہا۔

"ہم کیسے آئیں؟ ہمارے اور آپ کے درمیان تو آگ ہے۔"

ہرم نے یہ سن کر جواب دیا۔

"تم اس دنیا کی آگ سے خوف زدہ ہو اور مجھے مستقل آگ کے سلسلے میں مبارک باد دینے آئے ہو۔"

نتیجہ،

سرا یمرسن نے اپنے مضمون خود اعتمادی میں لکھا ہے کہ ہر شخص کی زندگی میں ایسا وقت ضرور آتا ہے جب وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حسد کرنا جہالت ہے اور نقالی کرنا خودکشی کے مترادف۔ اسے ہر حال میں اپنے آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ چاہے وہ اچھا ہو یا برا۔

واپسی،

ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا۔

"میں نے پندرہ سال قبل شادی کی تھی۔ شادی

www.pklibrary.com

کے بارہ سال میں نے بڑے سکون اور اطمینان سے گزارے۔"

پھر کیا ہوا؟" دوست نے تجسس سے پوچھا۔

"میری بیوی کل بارہ سال بعد میکے سے واپس آگئی۔" ان صاحب نے جواب دیا۔

مہکتی کلیاں،

- آپ خود کو دیانت دار بنانے کے بعد یقین کرلیں کہ دنیا میں ایک بے ایمان کی کمی ہو گئی ہے۔ (برنارڈ شاہ)
- بہت زیادہ کھا کر بیمار ہونے والوں کی تعداد بھی اتنی ہی ہے جتنی فاقہ کشی سے بیمار ہونے والوں کی۔ (شیکسپیئر)
- دوستی کے بندھن کو مضبوط بنانا ہے تو دوستوں سے ملتے رہو۔ اگر بہت ہی مضبوط بنانا ہے تو کبھی کبھار ملو۔ (مارک ٹوئن)
- سیاست دان محبت کرتے ہیں نہ نفرت، جذبات نہیں مفادات ان کی راہ متعین کرتے ہیں۔ (اسٹین)

انصاف،

مالک بن دینار کہتے ہیں۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو چرواہے نہایت تعجب سے کہنے لگے۔

"لوگوں پر کون خلیفہ مقرر ہوا ہے جو ہماری بکریوں کو بھیڑیے کچھ نہیں کہتے۔"

جواب،

میں وضو کرکے باہر نکلا تو لاؤنج میں بیٹوں کے ہنسنے اور کھلکھلانے کی آواز سنائی دی۔ بیٹیاں بھی گھر کی رونق اور خوشیاں ہوتی ہیں۔

میں نے بیگم سے کہا۔ "ان دونوں کے بغیر گھر کتنا سُونا سونا لگتا ہے۔ اب دیکھو ایک دن آئے گا۔ کوئی اُلو کے پٹھے رنگ برنگی شیروانی، سُرخ پگڑی اور چوڑی دار پاجامہ پہن کر ہمارے گھر آئیں گے اور انہیں لے جائیں گے۔"

بیگم نے سپارہ بند کیا، چوما اسے ماتھے سے لگایا۔ پھر ایک طرف رکھا اور بولیں۔

"بس یہی دُنیا کا نظام ہے۔ آپ بھی تو ہمارے گھر آئے تھے ناں۔"

جواہر پارے،

- جس معاشرے میں سچ کو خطرے کی علامت بنا دیا جائے، وہاں آسمان سروں سے کھینچ لیا جاتا ہے اور زمین قدموں کے نیچے سے سرک جاتی ہے۔
- کتے اور انسان میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ اگر آپ ایک بھوکے کتے کو کھانا کھلا دیں گے تو وہ زندگی بھر آپ کو کاٹے گا نہیں۔
- ہر وہ شخص جو شادی کرنا چاہتا ہے، ایک بات اچھی طرح جان لے کہ یا تو اسے ہر چیز مل جائے گی یا اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا۔
- دُنیا میں کوئی شخص اس قدر معروف نہیں کہ اپنے دل کی آواز نہ سن سکے۔
- کسی کے غم میں شریک ہوں تو غم جاتا رہتا ہے اور محبت میں شریک ہوں تو محبت بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔
- وقت ایک عظیم استاد ہے مگر بدقسمتی سے یہ اپنے تمام شاگردوں کو ہلاک کر دیتا ہے۔
- وہ لوگ جن کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہوتا ہے، عام طور پر مختصر ترین لفظوں میں بات کرتے ہیں۔

عائشہ، تحریم۔ گوجرہ

اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے،

کہتے ہیں، ایک کنجڑے اور کمہار نے مل کر اونٹ کرائے پر لیا۔ ایک طرف کنجڑے نے ترکاری، دوسری جانب کمہار نے اپنے برتن لادے۔ راستے میں اونٹ گردن اٹھا کر کنجڑے کی ترکاری کھاتا رہا۔ کمہار یہ دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا کہ چلو میں تو نقصان سے

www.pklibrary.com

بچا۔ جب منزل آئی اور اونٹ والے نے اونٹ کو بٹھایا تو وہ اس طرف کروٹ لے کر بیٹھا، جدھر کمہار کے برتن لدے ہوئے تھے۔ وہ آن کی آن میں ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے۔ دونوں نے اپنے اپنے نقصان کا اندازہ لگایا تو کمہار کا نقصان زیادہ نکلا۔ اس وقت کنجڑا بولا۔

"بھیا گھبراتے کیوں ہو، آئندہ دیکھو، اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔"

وجہ

ایک دفتر کے سربراہ نے دوسرے دفتر کے سربراہ سے پوچھا۔

"بھئی تم نے اپنی سیکریٹری کو کیوں نکال دیا ہے؟"

"اسے اسپیلنگ نہیں آتی تھی۔ جب بھی کوئی خط لکھوانے بیٹھتا تو وہ ہر لفظ کی اسپیلنگ پوچھتی۔" دوسرے سربراہ نے جواب دیا۔

"یہ تو بڑا مسئلہ ہے۔ بار بار کی مداخلت سے تمہیں کوفت اور ذہنی اذیت ہوتی ہو گی۔" پہلے سربراہ نے ہمدردی سے پوچھا۔

"مداخلت کی تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن میرے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا کہ ہر لفظ کی اسپیلنگ کے لیے ڈکشنری دیکھتا رہوں۔" دوسرے سربراہ نے جواب دیا۔

اقصیٰ ناصر۔ کراچی

پاکستان زندہ باد

مجھے کل دہلی کے ایک مسلمان نے فون کر کے کہا۔

"بھائی صاحب! آپ لوگ یہاں سے نکل گئے، آپ پر اللہ نے بڑا کرم کیا۔ ہم لوگ جو یہاں رہ گئے، وہ اپنی جان بچانے کے لیے ماتھے پر تلک لگاتے ہیں، اپنے ناموں کے ساتھ رام لکھتے ہیں اور اپنے بچوں کے ختنے نہیں کرتے۔"

میں سکتے میں آ گیا، وہ بولے۔

"جناب! ہم اپنے بچوں کو بچپن میں تربیت دیتے ہیں، وہ باہر کسی جگہ اللہ اور اس کے رسول کا نام نہ لیں۔ ٹھوکر لگ جائے تو زبان سے ہائے رام اور دل میں یا اللہ کہیں لیکن ہم اس منافقت کے باوجود بھی یہاں محفوظ نہیں ہیں۔"

اس کا کہنا تھا۔ "پاکستان کے ہر شخص کو میرا پیغام دے دیں، اسے کہیں دہلی کا محمد خالد کہہ رہا ہے تم ایک بار دہلی آ کر دیکھ لو، تم مان جاؤ گے، پاکستان کتنی بڑی نعمت، اللہ کا کتنا بڑا انعام ہے۔ اس کی قدر کرو، اللہ کا شکر ادا کرو، تم کم از کم اپنے بچوں کے کانوں میں اذان تو دے لیتے ہو، تم ان کے ختنے تو کر رہے ہو۔ ہم تو جان بچانے کے لیے ان سے بھی تائب ہو رہے ہیں۔"

میں کانپ گیا، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اٹھ کر پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا۔

(زیرو پوائنٹ۔ جاوید چوہدری)

اہم بات

جو حق دار ہیں ان کو بھی دو، اور جو ناحق کا مانگنے والا ہے اس کو بھی دو۔ تاکہ ہمیں جو ناحق کا مل رہا ہے کہیں وہ ملنا بند نہ ہو جائے۔

(اشفاق احمد)

عائشہ۔ گوجرہ

نمک پارے

- بعض لوگوں کی آزادی اپنی مرضی کے پنجرے میں قید ہونے کے حوالے سے ہوتی ہے۔
- خدارا اسے نکما نہیں کہیے جو لیٹے لیٹے ہی چارپائی توڑ رہا ہے۔
- بعض لکھاریوں کی تحریریں کاغذ کو بے وقعت کرنے کے سوا کچھ نہیں کرتیں۔
- ٹی وی پروگرامز ان لوگوں کے لیے ہیں جن کا اپنا کوئی پروگرام نہیں۔
- ٹی وی چینلز کے رات کے مناظرے اور مذاکرے دیکھ کر لگتا ہے کہ ملک ڈوبنے لگا ہے جب کہ مارننگ شوز دیکھ کر یہ تاثر زائل ہو جاتا ہے۔

(انیس یعقوب)

www.pklibrary.com

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

حق تلفی

پاکستان میں ایوارڈ کی تقسیم ہمیشہ ہی متنازعہ رہی ہے۔ دیکھا جائے تو بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہیں وقت پر ایوارڈ دیا گیا ورنہ تو پوری زندگی گزر جاتی ہے اور ایوارڈ نہیں ملتا۔ شوبز کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہاں ایوارڈ من چاہے لوگوں کو ہی دیا جاتا ہے۔

سکینہ سموں کو شوبز سے وابستہ ہوئے چالیس سال ہوگئے ہیں اور انہیں پرائڈ آف پرفارمنس اب ملا ہے۔ جب کہ سکینہ سموں کے کریڈٹ پر کمال کے ڈرامے ہیں۔ سکینہ سموں کا اس بارے میں کہنا ہے کہ دیر آید درست آید۔ چالیس سال کی محنت کے بعد مجھے یہ ایوارڈ دیا گیا ہے۔ حکومت کی ممنون ہوں کہ میری کارکردگی کو حکومتی سطح پر سراہا گیا ہے۔ مجھے میری محنت کے صلے میں ایوارڈ دیا گیا، پلیٹ میں رکھ کر نہیں۔

ایوارڈ دیتے ہوئے حکومت کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ صیدارتی ایوارڈ تو دے رہے ہیں، اس کے ساتھ کچھ رقم بھی دی جائے تاکہ وہ رقم فنکار کے کام آسکے۔ میڈل کا کیا کریں گے میڈل ایک اعزاز ہے لیکن ان کی مالی مدد بھی ہوجائے تو اچھا ہے۔

ان کا کہنا تھا کہ حکومت حق داروں کو ان کی زندگی میں ہی ایوارڈ دے تاکہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ سینئر فن کارہ حفیظی گیلانی کو بھی ایوارڈ دینا چاہیے، صرف چمکتے ستاروں کو ہی ایوارڈ نہ دیے جائیں، کچھ لوگوں کو بہت جلدی ایوارڈ دے دیے جاتے ہیں، ان کو ایوارڈ ضرور دیں لیکن سینئرز کو نظر انداز نہ کریں۔ پس پردہ ادبہت سے فن کار ہیں جن کی کوئی آواز نہیں۔

تلاش

شوبز انڈسٹری میں نئے آنے والے فن کار ذرا سا مشہور ہوتے ہی شادی کر لیتے ہیں، خاص طور پر لڑکیاں۔ مقبول اداکار جوڑی اقرا اور یاسر حسین بھی 2019ء کے آخری ایام میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے تھے۔ اداکار جوڑی کی شادی جہاں دلہن کے عروسی لباس کے باعث خاصی مشہور ہوئی تھی وہیں مختلف تقریبات، رسومات کے باعث بھی توجہ کا مرکز رہی۔

اقرا عزیز نے جلد شادی کرنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ یاسر بہت سادہ ہیں (آہم)۔ میں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ میں اتنی جلدی شادی کرلوں گی لیکن میں نے محسوس کیا کہ میں نے کسی کو تلاش کرلیا ہے اور میں اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں تو پھر کیوں نہ اسے تعلق کے طور پر آگے بڑھایا جائے۔ اگر دو لوگ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو وہ کیوں نا زندگی کے اگلے مرحلے کا آغاز کریں۔ سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے۔"

www.pklibrary.com

امۃ الصبوح

آنچل کی ڈائری

فرزانہ جبین کی ڈائری سے

زندگی کا فلسفہ ہر کسی نے اپنے طور پر سمجھنے اور اس کو اپنی منطق اور استعداد کے مطابق حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض لوگوں کے لیے زندگی کا ہر دن عید اور بعض افراد کے لیے ہر دن ایک آزمائش ہے۔ لیکن کچھ چہرے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شبِ تاریک میں چراغِ روشن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ہمارے ہر دکھ کا مداوا ہوتے ہیں۔ ان کے وجود کا احساس ہمارے عام دنوں کو بھی روزِ عید بنا دیتا ہے۔ یہ نظم بھی ان لوگوں کے نام جن کی موجودگی سے واقعی جشن معتبر ہو جاتا ہے۔

اے ستارۂ شبِ زندگی!

وہی شام گہری سی شام پھر
تیرے نام ہو تو غزل کہیں
وہی شام جس کی رگوں میں تھے
تری خوابِ آنکھوں کے رت جگے

وہی صبح، وہی دھوپ کی لالی
تیرے عارضوں پہ کھلے تو پھر
رگِ جاں سے نظم کشید ہو
وہی ساعتوں کا جلوس ہو
وہی رنگ ہو، وہی روشنی
وہی خوشبوؤں کا ہجوم ہو
وہی ایک پل تیری دید کا
جو ملے تو اشک چمک اٹھیں
جو بجھے ہیں داغ چمک اٹھیں
وہی ایک پل تیری دید کا
جو ملے تو درد کی اوٹ میں
سبھی قہقہے سے چھلک اٹھیں
سرِ لوحِ شامِ فراق پھر
تمِ عشق موجِ نوید ہو
اے ستارۂ شبِ زندگی
ادھر آ کر جشن ہو معتبر
نظر آ کر
ڈھنگ سے عید ہو

سحر احمد کی ڈائری سے

محمود شام صحافتی دنیا میں ایک اہم نام ہے ان کی یہ غزل مجھے بہت متاثر کر گئی اور میں نے اسے اپنی ڈائری کی زینت بنا لیا۔ آپ بھی یقیناً اسے پڑھ کر اپنی ڈائری میں نوٹ کرنا چاہیں گی۔

اب کے پیڑوں نے کچھ کہا ہی نہیں
کیسا موسم ہے بولتا ہی نہیں

یوں کھلے ہیں گھروں کے دروازے
جیسے گلیوں میں کچھ ہوا ہی نہیں

وہ ڈراتے ہیں یوں خدا سے مجھے
جیسے میرا کوئی خدا ہی نہیں

خم بدن میں ہے عمر کے باعث
ورنہ یہ سر کبھی جھکا ہی نہیں

ہم تو رستوں سے دل لگا بیٹھے
منزلوں کا تو کچھ پتا ہی نہیں

لفظ اندھے کبھی نہیں ہوتے
بولنے والا دیکھتا ہی نہیں

www.pklibrary.com

افشاں ریحان

کچھ ڈائری سے

کورونا کے ان بے فیض دنوں میں کہ جب ہر جانب خوف کی فضا طاری ہے۔ مایوسی اور امید کے درمیان کشتی زندگی ایک مستقل ڈر و خوف کی ڈور تھامے ہوئے ہے۔ ایسے میں مایوسیوں کو شکست دیتی اور امید کو جگاتی یہ نظم حوصلوں کو بڑھاتی محسوس ہوگی۔

میں مانتی ہوں وبا کے دن
جفا کے دن
بلا کے دن ہیں
لیکن یہ بھی خدا کے دن ہیں
پکارو اس کو
ندا کے دن ہیں
صدا کے دن ہیں
اسی سے ساری وفا کے دن ہیں
پھر دیکھنا تم ذرا سا آگے
شفا کے دن ہیں
شفا کے دن ہیں

جیبہ خان

کچھ ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر شبانہ یوسف کی یہ نظم امید جگاتی، حوصلہ بڑھاتی، ترغیب دیتی محسوس ہوتی ہے۔ آپ بھی پڑھ کر رائے دیں کیا آپ بھی یہی محسوس کرتی ہیں۔

اداس لوگو!
نراش لوگو!
وفا کے شانے سے یہ سرکتی
ڈھلکتی امید کی ردا کہہ رہی ہے تم سے
اب اُٹھ بھی جاؤ
اب اُٹھ بھی جاؤ
یقین کی پنکھڑیوں پہ یہ ایمان کی جھلملاتی
لرزتی بوندیں
ہر اس موسم سے لڑتے لڑتے
عمل سے خالی
فقط دعاؤں کی رائیگانی سے ڈرتے ڈرتے
یہ کہہ رہی ہیں
لبوں پہ آکے ٹوٹتی التجائیں سن بھی لو
لٹی ہوئی، ثقافتوں کی صدائیں سن بھی لو
داستاں اک سنا رہی ہیں
یہ مٹتی ہوئی شناختوں کی، ہوائیں سن بھی لو
اور دھرتی کی اُجڑی آغوش میں
یہ نیلے سمندر اب سرخ ہوتے ہوتے
گگن کی آنکھیں بھی روتے روتے
نڈھال سی، پُرملال سی
کہہ رہی ہیں کب سے
کہ میرے آنگن میں سبز وعدوں کو پھر سے اک بار
نئی رُتوں کو بلاؤ خوابوں کی فصل اُگاؤ
اب اُٹھ بھی جاؤ
اب اُٹھ بھی جاؤ
اداس گوہر، نراش لوگو!

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

محبت من محرم	سمیرا حمید	400/-
ایک تھی مثال	رخسانہ نگار عدنان	500/-
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار	400/-
دست مسیحا	نگہت سیما	400/-
گل کہسار	فرح بخاری	400/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.pklibrary.com

نادرہ خاتون

ہمارے نام

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

گوشی جمال...... یزمان

شادیوں کے سیزن اوراوپر سے سالگرہ کی مناسبت سے ماڈل ''حمیرا مغل'' سرخ انگارہ بنی ٹائٹل پر براجمان لیکن غور کرنے سے پتا چلا، چہرے اور ہاتھوں کی رنگت میں واضح فرق۔غورفرمالیجیے۔ ''کہنی سنی''، مفصل اور جامع بات سے آغاز، فہرست پر نظر پڑی تو ''رنگ ریز میرے'' اس بار بھی غائب۔ پورے سال میں سات اقساط شائع ہوتی ہیں اور پانچ غائب۔ ہمارے حوصلے کو داد دیجیے۔ ''کرن کرن روشنی'' ماہ رمضان کے حوالے سے بہت عمدہ، ایمان کی روح تازہ ہمیشہ کی طرح۔

''بات تعلق کی ہے'' سمیرا حمید خواتین ڈائجسٹ سے محبت کے تعلق کا دلکش اظہار۔شکر ہے آپا شاہین ذرا فنکاروں سے نکلیں اور قانتہ رابعہ سے بہت اچھی غائبانہ ملاقات کروادی۔

''سوال یہ ہے'' بھئی ہم نے تو کسی مصنفہ سے کوئی سوال کرنے کی جسارت نہیں کی۔لیکن ذرا حیرت ہوئی کہ قارئین بہنوں نے صرف تین مصنفین سے ہی سوالات پوچھے اور بھی بہت سی مشہور و معروف شخصیات تھیں، ان سے کوئی راز و نیاز نہیں؟'' زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' بہت تیزی سے فراٹے بھرتی جارہی ہے۔لگتا ہے آگے بھیا تک درو ہوں گے جو جلدی جلدی رشتے طے ہوتے جارہے ہیں۔''سو سے صفر'' ویلڈن۔ پڑھتے پڑھتے سحر میں کھو گئے۔ارے! یہ کیا؟ چلو جی باقی آئندہ ایسے تو ایسے ہی سہی۔اتنے مگن ہو کر پڑھا۔''بھرے کریلوں'' کو بھونتے بھونتے لکڑ بنالیے۔ جلنے کی بو اماں کے نتھنوں سے ٹکرائی تو ہم پر بارہ توپوں کی سلامی نچھاور کردی۔رات سب نے پھر آلو انڈے ہی کھائے ہاہاہا۔''حالم'' کا اینڈ متاثر کن،'' تم مجھ سے نہ کہنا'' نہیں کہتے کچھ۔بھئی خالص زنانہ پن سے مزین، اس طرح کے ٹاپک پر بہت بار پڑھ لیا اس موضوع سے تھوڑا ہٹ کر بھی لکھا کریں۔ مجھے معاف کردیجیے گا۔ میں اوپن مائنڈڈ ہوں ذرا ذرا۔

سروے کے چکروں میں اس بار کچھ مستقل سلسلے غائب ہیں۔آخر کیوں؟ خاتون کی ڈائری بھی ایک صفحہ کی حد تک۔ کچھ زیادہ زیادتی نہیں۔زیادتی سے یاد آیا۔ یہ معاملہ تو اس بار میرے ساتھ بھی پیش آ گیا۔ میرا خط سرے سے غائب۔کوئی بیس بار ''ہمارے نام'' کو کھنگال لیا کہیں گوشی جمال نظر نہ آیا۔ہائے او ربا! کتنی مشکلات سے گزر کر خط لکھا جاتا اور پھر پوسٹ کا جان لیوا مسئلہ۔ چلیں خیر کڑواہٹ تو بہت آئی لہجے میں۔ بھلا ہو بھانجی زوباریہ کا جو ہمارے تیور دیکھ کر جھٹ پٹ سوجی کا حلوہ بنالائی۔ میٹھا کھایا۔ کچھ مٹھاس گھل گئی۔میرا خط گھر کی ہر خاتون پڑھتی ہیں نہ پاکر وہ بھی اپنا سامنہ لے کر رہ گئیں۔ اب تو ماہ رمضان کی برکتوں سے فائدہ اٹھارہے ہیں۔ اماں نے خربوزے کے بیج سکھا کر رکھے ہوئے ہیں، روز ان کو ''سردائی'' میں ڈلواتی ہیں اور بھائی سر شام'' کونڈی ڈنڈا'' لے کر بیٹھ جاتے۔نانو! پکوڑے کھائیں گی۔تیکھے بنائے ہیں۔'' اے ہائے! پیچھے کرلڑکی، سارا دن معدہ میں جلن رہتی ہے گرمیوں کے روزے اوپر سے یہ پکوڑے

www.pklibrary.com

آگ! ساری رات پانی پی پی کر پیٹ پھٹ جانا۔ آگے سے "عید" بھی سر پر آ کھڑی ہے۔ پھر سے گھر میں "مینا بازار" لگے گا۔ اور ہم کچن میں غڑپ، گھر میں بچوں، بڑوں کی دھما چوکڑی۔

☆ پیاری گوشی! آپ کا پچھلا خط ہمیں نہیں ملا ورنہ ضرور شائع کرتے۔ آپ اتنا دلچسپ خط لکھتی ہیں کہ سب سے پہلے آپ کا خط پڑھتے ہیں۔ آپ کے حوصلے کی کیا داد دیں۔ آپ ہمارا حوصلہ دیکھیں۔ ہر ماہ پرچا پریس جانے تک قسط کا انتظار کرتے ہیں پھر جب قسط موصول نہیں ہوتی تو مجبوراً معذرت کرنا پڑتی ہے۔

قارئین نے تو سب ہی مصنفین سے سوال پوچھے ہیں۔ ہم نے کچھ مصنفین کو سوال بھجوائے بھی ہیں۔ کچھ کے جواب موصول ہو گئے ہیں لیکن اس بار عید سروے کے باعث ہم یہ سلسلہ شامل نہیں کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ سائرہ رضا اور فرحت اشتیاق کا سلسلہ شامل ہوگا۔

شہلا الیاس...... کراچی

میں بیس سال سے آپ کی خاموش قاری تھی۔ پچھلے مہینے پہلی بار آپ کو اور شعاع میں خط لکھا۔ لیکن نہ شعاع میں خط شائع ہوا نہ آپ نے کیا۔ میں نے خواتین اور شعاع میں افسانے بھی بھیجے پر ان کا کچھ پتا نہیں کیا ہوا۔ بہت محنت سے ایک افسانہ لکھا ہے۔ "کھیل نصیبوں کے" ملتان خالہ کے گھر گئی۔ وہاں بھی افسانہ مکمل کرنے میں لگی رہی۔ پلیز نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کیا کریں۔ تھوڑی سی جگہ اپنی محفل میں دے دیا کریں۔

ج: پیاری شہلا! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے خط شامل نہ ہو سکے۔ افسانہ شائع ہونے کے لیے نئے یا پرانے کی شرط نہیں، اچھا ہونا شرط ہے۔ آپ کے افسانے ابھی پڑھے نہیں گئے۔ اگر اچھے ہوئے تو ضرور شائع ہوں گے۔ ان شاء اللہ

ندا رفیق...... چک جھمروٹی

ٹائٹل بہت زبردست تھا۔ خط لکھنے کی وجہ سمیرا حمید قانتہ رابعہ کا انٹرویو تھا۔ سمیرا حمید کی تحریر "بات تو تعلق کی ہے" بہت امپریسو تھی۔ راحت جبیں کا ناول "زندگی ہم تجھے گزاریں گے" بہت اچھا جا رہا ہے۔ میں ان سے ریکویسٹ کرتی ہوں یہ ناول جلد ختم نہ کریں۔ اگر یہ ختم ہو جائے تو ایسا اک اور ناول ضرور لکھیں۔ افسانے تینوں ہی بہت اچھے تھے۔ ہمارے گھر میں جب تین فیملیاں رہتی ہوتی تھیں تو امی بھی ہر چیز بانٹ کر دیا کرتی تھیں۔ اور گر ہم میں سے کوئی سو رہا ہوتا یا کام سے باہر گیا ہوتا تو اس کا حصہ علیحدہ نکال کر رکھ لیا جاتا۔ قرۃ العین خرم ہاشمی نے اپنے افسانے کے ذریعے بہت ہی اچھا سبق دیا ہے۔ کشف بلوچ نے "ہیپی اینڈنگ" بہت اچھا افسانہ لکھا۔ بچھڑی محبتیں ایسے ہی یاد آتی ہیں۔ "در دل کے واسطہ پیدا کیا انسان کو" بہت ہی سبق آموز تھا۔ شائلہ ذالعباد! واہ بھئی کیا کہنے آپ کے۔ آپ تو چھا گئی ہیں۔ ناولٹ میں سے "دل کو بددعا ہے" مجھے پسند نہیں آیا۔ نازیہ رزاق معذرت چاہتی ہوں۔ لیکن آپ کے شعر بہت ہی اچھے لگے۔ دل کو چھو گئے۔ منشا محسن علی کا "بوہے باریاں" بھی بس ٹھیک ہی تھا۔ مکمل ناول سب ہی بہت اچھے لگے۔ شکر الحمد للہ حالم کی لاسٹ ایپی سوڈ ہوئی۔ کیونکہ اس ناول کی وجہ سے امی سے بہت ڈانٹ سنی۔ کچن میں کام کم کرتی تھی یہ ناول زیادہ پڑھتی تھی۔ مزے کی بات بتاؤں میں قانتہ رابعہ کو ان میریڈ سمجھتی تھی۔ ملاقات سے پتا چلا ان کے تو بچے بھی مجھ سے بڑے ہیں۔ منیر نیازی صاحب کی غزل اچھی تھی، میں قانتہ رابعہ کو بتول میں بھی پڑھتی ہوں، قارئین میں میری سب سے موسٹ فیورٹ "فائزہ بھٹی" پتوکی سے ہے۔ جن کی آج شادی ہے کیونکہ آج 10 اپریل ہے۔ میری طرف سے فائزہ کو بہت بہت مبارک ہو۔

پیاری ندا! آپ کی کہانی مہمان اپنا رزق خود لے کر آتا ہے شامل اشاعت ہے۔ دیگر کہانیاں ابھی پڑھی نہیں گئیں۔

مدیحہ پتافی...... راولپنڈی

شعاع اور خواتین 1997 سے پڑھ رہی ہوں جب میں جماعت نہم کی طالبہ ہوتی تھی۔ جب کہ اپنی امی اور دادی جی کو اپنے بچپن سے ہی ان رسائل کو پڑھتے دیکھا۔

آج جب خواتین ڈائجسٹ ملا تو سب سے پہلے

www.pklibrary.com

''بات تعلق کی ہے'' از سمیرا حمید پڑھا تو پھر کاغذ قلم اٹھائے بغیر رہ نہ پائی، اتنی لاجواب تحریر جس نے مجھے کئی برس پیچھے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ جب میں نویں جماعت کی ہونہار طالبہ ہوتی تھی۔ کتب بینی میرے خون میں شامل تھی۔ دیگر کتب۔ رسائل (جن میں اردو ڈائجسٹ اور شعاع، خواتین ڈائجسٹ بھی شامل ہیں) سمیت ملک کے تمام مشہور روزنامہ اخبارات ہمارے گھر باقاعدگی سے آتے تھے۔ میرے ابو جی شہر کے مشہور ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ کبھی ابو جی نے مجھے ڈائجسٹ پڑھنے سے منع کیا ہو۔ بلکہ جب میں ہر ماہ کی اٹھائیس، انتیس تاریخ کو سیف اللہ (ہمارا ملازم) کو بازار دوڑایا کرتی تھی اگلے ماہ کے رسائل ڈھونڈنے، تو ابو جی بھی اسے تاکید کرتے تھے کہ میری بیٹی کے رسائل ڈھونڈ کر لاؤ ہر قیمت پر! وہ بے چارا کہتا رہتا کہ ڈاکٹر صاحب اخبار والے کہتے ہیں کم تاریخ تو آنے دیں۔ مگر ہم باپ بیٹی بس یہی بات دہراتے کہ جہاں سے بھی ملے ڈھونڈ کے لاؤ۔ آج بہت سی بہنوں کے خطوط میں پڑھتی ہوں کہ گھر سے اجازت نہیں ڈائجسٹ پڑھنے کی، تو یقین کریں بہت حیرت ہوتی ہے۔ بیٹیوں کو منع کرنے والے ماں باپ سے استدعا ہے کہ ایک بار شعاع، خواتین کا مطالعہ کرلیں تو کبھی منع نہ کریں اپنی بچیوں کو۔

ہم کزنز ہمیشہ اکٹھی ہو کر شعاع، خواتین پڑھتی تھیں اور ایک ایک تحریر پر گھنٹوں تبصرے کرتی تھیں۔ اولڈ بک شاپس سے پرانے رسائل لے کر جمع کرتی تھیں۔ امتحانات ہوں یا کوئی تقریب، میں نے کبھی ان رسائل کا مطالعہ ترک نہ کیا۔ اسکول کالج میں بھی ہونہار طالبہ ہوتی تھی میں، جو کہ غیر نصابی سرگرمیوں (جن میں تقریر کرنا اور مضمون نویسی شامل تھا) میں بھی پیش پیش ہوتی۔ راحت جبیں اور فاخرہ جبیں کی تحاریر کی میں آج بھی ویسے ہی دیوانی ہوں جیسے برسوں پہلے تھی۔

2004 میں میری شادی ہوگئی اور میں راولپنڈی آ گئی۔ یہاں نہ تو ابو جی تھے اور نہ ہی سیف اللہ! تو ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو میاں جی کو بازار کے چکر لگواتی تھی۔ ایک بار ابو جی کے سامنے یہی بات کی کہ وہاں تو نہ آپ ہوتے ہیں نہ ہی کوئی ملازم، تو اگلے مہینے مجھے شعاع خواتین بذریعہ ڈاک ملے۔ پتا چلا کہ ابو جی نے مجھے سالانہ یہ رسائل لگوا دیے! 2013 تک ابو جی کی وفات تک مجھے گھر بیٹھے رسائل ملتے رہے۔ ابو کی وفات کے بعد بھی مجھے رسائل ملتے رہے کہ وہ سالانہ پے منٹ ادا کر گئے تھے (آہ ابو جی) ابو جی کی وفات سے اب تک بھی مجھے سالانہ خریدار کی حیثیت سے دونوں رسائل ملتے ہیں، اپنے پیارے مجازی خدا کے توسط سے۔ اللہ ان کی لمبی عمر کرے آمین۔ اب میں تین بیٹیوں کی ماں ہوں ماشاء اللہ اور اب بھی اسی شوق سے شعاع پڑھتی ہوں۔ میرے میاں بھی شعاع، خواتین کے دیگر سلسلے مثلاً احادیث اور تاریخ کے جھروکے سے شوق سے پڑھتے ہیں۔ شعاع پرسوں ملا تھا اور پورا پڑھ لیا۔ خواتین آج ہی ملا ہے اور ''بات تعلق کی'' پڑھ کر ہی اپنے تعلق کی بات لکھنے بیٹھ گئی۔ رائٹرز تو بہترین ہیں ہی، اب تو بہت سی قارئین سے ایسا تعلق بن گیا ہے جیسے گھر کے افراد ہوں۔ بہت سی قارئین کو محض طرز تحریر سے پہچان لیتی ہوں۔ جیسے شعاع کے اس ماہ کے شمارے میں ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' میں س م کی تحریر پڑھی تو لمحے کے ہزارویں حصے میں پہچان گئی کہ یہ اپنی سلمیٰ مسرت، راولپنڈی ہیں۔

☆ پیاری مدیحہ! ساری بات تعلق ہی کی تو ہے۔ ہم سب اسی تعلق کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ اسی لیے آپس میں اپنائیت محسوس کرتے ہیں۔ خواتین اور شعاع سے آپ کی محبت آپ کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔ آپ کے خط نے ہمارے دل کو چھو لیا۔ کتنی دو پہریں ذہن میں گھوم گئی ہیں جو پرچا سنوارتے گزریں۔ کتنی خوب صورت شامیں جو بند کمروں کی نذر ہوئیں اور کتنی راتیں جو اچھی تحریروں کی کھوج میں گزر گئیں۔

کسی بھی پرچے کا معیار قائم کرنا آسان ہوتا ہے لیکن اس معیار کو برقرار بہت مشکل۔ ہم نے یہ مشکل کام سرانجام دیا ہے اور کبھی معیار پر سمجھوتا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے والد صاحب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ آپ نے بہت اچھا خط لکھا ہے۔ آئندہ بھی شرکت کیجیے گا تبصرے کے ساتھ۔

www.pklibrary.com

ثنا عابد.....قلعہ احمد آباد

ٹائٹل پر ماڈل گرل بجی سنوری دلہن بنی بہت پیاری لگی۔ کرن کرن روشنی میں اس بار بھی رمضان میں اعتکاف وعبادات کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوئیں جیسے کے پچھلی بار تسبیح نماز سے متعلق معلومات نے اصلاح کرائی۔

نورین ظفر خان نے ''اندھوں میں کانی رانی'' کو بلا مقصد اور غیر ضروری تحریر کیا۔ یہ ان کی رائے تھی، ان کے دل کو اچھی نہ لگی۔ میں یہاں اپنی رائے بتاؤں تو مجھے وہ مختصر سی اور سادہ الفاظ میں لکھی گئی تحریر بہت پسند آئی کیوں کہ اس تحریر کا مقصد ان الفاظ میں واضح نظر آتا ہے۔ ''اس کی محنت کا پھل رنگ لایا تھا۔ محنت کا پھل اگرچہ پکنے میں تھوڑا وقت لیتا ہے مگر ہوتا بہت میٹھا ہے۔''

اس کے بعد مارچ کے شمارے میں تحریر ''ہیر نہ آکھو کوئی'' کے بارے میں کہنا چاہوں گی۔ ویل ڈن سائرہ رضا..... بہت خوب صورت انداز میں ایک تلخ حقیقت کی عکاسی نظر آئی۔ یہ مجھے حقیقت سے قریب تو کیا بالکل میری آنکھوں دیکھی سچی بات لگی۔ میرے بہت قریب کی کہانی ہے۔ سیم ٹو سیم۔ ایسے ہی ایک فیملی میں دوسری عورت کی انٹری ہوئی پھر شادی اور اولاد بھی وہی تین بچے، ایک بیٹی دو بیٹے، اور اس کا انجام ویسا ہی جو آخری الفاظ مہ پارہ کے تھے اس مفہوم میں ہی تھے۔

''محبت تو میں نے ہیر سے بڑھ کر کی تھی مگر افسوس، تم رانجھا نہیں نکلے۔''

''ہونہہ کیا سمجھتا تھا۔ ایک ہی پیر سے دوسری بار بیعت کرے گا۔'' اور اس ماہ ''سالگرہ نمبر'' میں سب سے بہترین تحریر جو لگی وہ ''سمیرا حمید'' کا مضمون ''بات تو تعلق کی ہے'' بہت خاص، زبردست تھی۔ ہم جیسی تمام قارئین کے دل کی ترجمانی کرتی ہوئی۔

یہ کام آپ نے بہت اچھا کیا جو مصنفین سے سوال وجواب کا سلسلہ بھی اس ماہ شامل کیا۔ کیا مکمل ناول ''تم مجھ سے نہ کہنا'' جو اس بار شامل ہے۔ وہ وہی نعیمہ ناز سلطان کا ناول ہے جن کا انٹرویو ''سوال یہ ہے'' میں شامل تھا؟ فرزانہ کھرل سے کیسے سوال کی وضاحت محبت کو روح کی چاشنی میں دیکھتی ہوں..... بہت اچھی لگی۔

اور آف کورس سمیرا حمید کے سوال جواب بھی مزے کے تھے خاص طور پر آخر میں ان کی قارئین کو کی جانے والی نصیحتیں جو میرے حساب سے ٹوٹل تین بنتی ہیں (لے باندھ لی ہیں) انہیں بتا دیجیے گا کہ یاد رہیں گی۔

1۔ آپ جہاں کہیں بھی ہیں، کچھ بھی ہیں اسی قوت سے کچھ نہ کچھ بہتر سیکھنا شروع کر دیں۔ ہنر کو کبھی زنگ نہیں لگتا۔

2۔ ناولز ڈائجسٹ کے علاوہ دوسری عملی کتابیں بھی پڑھیں۔

3۔ اپنی شناخت، بیک گراؤنڈ، اور کلچر پر فخر محسوس کریں، کبھی نا امید مایوس نہ ہوں اور مسکراتے رہیں کہ روزہ کے لیے کوئی دن، کوئی لمحہ نہیں بنا۔

بہت شکریہ سمیرا جی۔ اور یہ سب اس رسالے کی بدولت ہی ہے کہ کہیں نہ کہیں ضرور ہر کسی کے لیے کوئی خیر کی بات مل ہی جاتی ہے۔

بیوٹی بکس میں ثمینہ شاہد کے لیے دیا گیا ڈائٹ پلان میں نے بھی نوٹ کر لیا ہے۔ اور آج سے ابھی سے عمل شروع کر لیا ہے۔ چائے امی کی بغیر چینی کے ہوتی ہے (شوگر کی وجہ سے) ان کے ساتھ اب میں نے بھی بغیر چینی کے پینا شروع کر دی ہے۔ کیونکہ چائے کے بغیر تو گزارا ہی نہیں۔ نفسیاتی الجھنوں میں ''سبین'' کے لیے آپ کا مشورہ بالکل درست تھا۔ نفیسہ علی کی پریشانی کا حل بہت اچھے سے بتا کر ان کے لیے آسانی کر دی۔

☆ نعیمہ ناز سلطان جن کے سوال وجواب پچھلے شمارے میں شامل تھے۔ وہی ہیں جنہوں نے مکمل ناول ''تم مجھ سے نہ کہنا'' لکھا تھا۔

سارہ رحمٰن.....بستی سوکڑ

سرورق پر کوئی تبصرہ نہیں ایسے ٹائٹلز دیکھنے کی عادت ہوگئی۔ سب سے پہلے تبصرہ کروں کی سروے پر کیا، دنیا بھر کی قارئین نے صرف ان چار مصنفین کے لیے سوال بھیجے تھے۔ نمرہ احمد، سائرہ رضا، عنیزہ سید، رخسانہ نگار، فرحت اشتیاق، عمیرہ احمد، راحت جبیں، تنزیلہ وآمنہ ریاض جی بے مثال مصنفین کے لیے کسی نے سوال نہیں بھیجے یا انہوں

www.pklibrary.com

نے جواب نہیں دیے یا آپ نے شائع نہیں کیے، میرے خیال میں اس سال کا سالگرہ نمبر سب سے یادگار بننے والا تھا مگر یہ کیا اتنا بورنگ پلیز اب شعاع کے سالگرہ کے نمبر کے لیے میں نمرہ کے لیے سوال بھیجوں گی ان کے جواب ضرور شائع کریں۔ اب آتے ہیں ناولز کی طرف تو سب سے پہلے نمرہ احمد کا لازوال وشاہکار و بے مثال ناول ''حالم'' کی 46ویں اور آخری (مگر لکھی 39ویں ہوئی تھی) قسط پڑھی۔ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا نمرہ احمد جی! تالیہ کو ایڈم سے جدا کر کے۔ چلیں ایڈم سے جدائی بھی برداشت کر لیتے مگر بڈھے فاتح سے ملانے کی کیا ضرورت تھی۔ نمرہ آپ کے اس ناول کا اینڈ ایسا ہوا ہے کہ جس کا پارٹ ٹو لکھا جا سکتا ہے۔ نمرہ جی ''تمل'' کا پارٹ ٹو کب لکھ رہی ہیں۔ پلیز جلدی لکھیں نا۔'' نادرہ جی! آپ نے میرے خط کے جواب میں کہ آپ بہت جلد نمرہ کا نیا ناول پڑھ سکیں گی، کون سے مہینے میں یہ ضرور بتائیے۔ ''حالم'' پڑھنے کے بعد راحت جبیں کا ناول پڑھا جو بے حد زبردست جا رہا ہے۔ عفت کا ناول اس ماہ بھی غائب پلیز آپ اس ناول کو بند کر دیں، اتنا فضول ناول شائع کر کے اپنے ادارے کی ساکھ کیوں خراب کر رہے ہیں۔ فہرست میں عنیزہ سید کا نام دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، ان کا ناول حسب توقع شاندار رہا۔ مگر سائرہ رضا اور سمیرا حمید کے مکمل ناول نہ پا کر بے حد غم ہوا۔ سارہ پیرزادہ کا زنجیر ایام زبردست تھا۔ نعیمہ ناز لکھیں اور وہ اچھا نہ ہو یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ نازیہ رزاق اور نشا محسن آئیں اور چھا گئیں۔ افسانے اچھے تھے۔

ج: پیاری سارہ! سوال تو بہت سارے آئے ہیں اور تقریباً سب ہی مصنفین کے لیے آئے ہیں لیکن ایک ہی پرچے میں سب مصنفین کے سوال و جواب شائع نہیں کیے جا سکتے تھے۔ ان شاء اللہ باری آنے پر سب سوال و جواب شائع ہوں گے۔

نمرہ احمد نے آئندہ ناول کے لیے وعدہ تو کیا ہے اب ان پر ہے کہ وہ وعدہ کب ایفا کرتی ہیں۔

صبا آصف..... گلشن حدید

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہر لحاظ سے اچھا تھا، تمام افسانے مکمل ناول بہت اچھے۔ عنیزہ سید کا ''سو سے صفر'' پڑھ کر دل بہت دکھا۔ بیٹیاں یہ سب کر کے والدین کو تو جیتے جی مار ہی دیتی ہیں۔ خود بھی خوش کہاں رہتی ہیں۔ ''بات تو تعلق کی ہے'' سمیرا حمید نے ہمارے دل کی ترجمانی کی بلکہ بہت سے دلوں کی، بہت دل سے پڑھا، ایک ایک لفظ سچ میں ڈوبا ہوا۔ راحت جبیں کے ناول ''زندگی تجھے ہم گزاریں گے'' بہت نازک موڑ پر بہت پیارا ناول ہمیشہ کی طرح کچھ سکھاتا ہوا۔

ج: پیاری صبا! خط لکھنے کا شکریہ۔ آپ کا خط اور سروے شامل ہے۔

صدف ناصر..... گوجرانوالہ

سرورق حسب روایت زبردست رہا۔ ''خواتین ڈائجسٹ کو'' سالگرہ مبارک۔ یہ جان کر خوش گوار حیرت ہوئی کہ 49 سال ہو گئے۔ ماشاء اللہ۔

''کرن کرن روشنی'' حسب حال۔ بہت شکریہ جزاک اللہ 'انشاء جی' کی غزل پسند آئی۔ میرا خیال ہے اس غزل کو ''کاپی'' کر کے آج کل ایک گانا بہت مشہور ہو رہا ہے۔ ''بات تعلق کی ہے'' بہترین اور صد فی صد حقیقت ''قانتہ رابعہ'' سے ملاقات زبردست رہی۔ بہت طویل سالوں بعد ادارہ خواتین اور شعاع کو ہم پر ترس آیا جواب ہماری ''رائٹرز'' کے انٹرویوز تواتر سے آ رہے ہیں۔ پلیز اس سلسلے کو روکیے گا نہیں۔

''سوال یہ ہے'' رائٹرز سے سوال جواب اچھے لگے۔ بہت زیادہ خوشی ہوئی اپنے سوال دیکھ کر۔ شکریہ آپ کا اور ''نعیمہ ناز اور ''فرزانہ کھرل'' کا ''قرۃ العین خرم'' کو بہت یاد کیا۔ نورین ظفر خان ''اندھوں میں کانی رانی'' ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریر تھی اور سچی بھی کیونکہ ایسا ہو بہو میرے ساتھ بھی ہوا ہے۔ خطوط کی محفل بہت اچھی ہے مگر غور کریں ڈائجسٹ پر تبصرہ انتہائی کم ہوتا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے تحریروں میں ''راحت جبیں'' سے ملتے ہیں۔ ''زندگی تجھے گزاریں گے'' بلاشبہ بہت اچھی تحریر ''نرمین کی فیملی جہاں آتی ہے ایسے لگتا ہے، ہم بھی وہیں بیٹھے سب دیکھ رہے ہیں۔'' ''پیزا'' کی خوب درگت بنائی بچوں نے۔

www.pklibrary.com

''مکمل ناول'' تم مجھ سے نہ کہنا! واہ زبردست نعیمہ ناز نے کمال کردیا۔ اور بے حد ہنسایا بھی بچوں کی فوج ظفر موج بھی خوب رہی۔ رشتوں کا پاس خوب رکھا سب نے۔

''عنیزہ سید'' سالگرہ کا تحفہ ہی لگی ہیں۔ بہت مشکل سے واپسی ہوئی ان کی۔ تحریر اچھی مگر باقی آئندہ پسند نہیں آیا۔ ''زنجیر ایام'' سارہ پیرزادہ نے بہت اچھا لکھا۔ افسردہ کرنے والی تحریر ''رویوں کی بدصورتی'' ظالم ساس اور شوہر کے ظلم بہرحال شکر ہے اینڈ اچھا رہا۔

ناولٹ میں ''نازیہ رزاق'' وکٹری اسٹینڈ پر رہی ہیں۔ پہلے تو نازیہ کو واپسی مبارک! اور تحریر نے بے حد ہنسایا۔ زندگی تلخیوں سے بھری پڑی ہے۔ ہلکی پھلکی تحریریں ہی طبیعت پر اچھا اثر ڈالتی ہیں۔ ''منشا محسن علی'' بھی رستہ بھول آئیں اس ماہ شکریہ منشاء اور تحریر اداس اداس مگر سبق آموز رہی۔ واقعی ''دل'' بدل جاتا ہے۔ سب ٹھیک ہوجاتا مگر جلد باز لوگ خسارہ پاکر ہی جان پاتے ہیں۔

''افسانے'' کی جانب قدم بڑھائے ہیں۔ ''قرۃ العین خرم'' نے آج تک کبھی بھی مایوس نہیں کیا۔ ہمیشہ اصلاحی، سبق آموز تحریریں دیتی ہیں۔ ''بانٹ'' بھی عدل وانصاف پر مبنی تحریر۔ بڑی بھابیاں کتنی چالاک نکلیں۔ غصہ دلا کر اپنا مطلب نکال لیا۔ مگر شکر ہے ''نائلہ'' جلد سمجھ گئی اور ساس نے بھی انا کا مسئلہ نہ بنایا۔ واقعی دوسرے گھروں کے طور طریقے سمجھے اور جانے بغیر ہمیں مفت کے مشورے دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس چیز کو ہم بہت قابل فخر جانتے ہیں۔ ''قرۃ العین'' اپنی ''کتاب'' شائع کروائیں افسانوں پر مبنی۔ ''پپی اینڈنگ'' اچھی تحریر، دلوں کے راز دلوں میں ہی رہ گئے ''سبط'' اور ''کومل'' کے'' شائلہ دلعباد نے ''دردل کے واسطے'' اچھی دوا تجویز فرمائی۔ اگر ہم سب عمل پیرا ہوجائیں تو کیا ہی کہنے۔

''عدنان'' بھائی کی الجھنوں کے ساتھ ہم بھی الجھے۔ بہترین جواب دیتے ہیں۔ لوگوں کو ''سیانا'' کردیتے ہیں۔ ''خوب صورت بنیے،'' میں اب عید کے حوالے سے بتائیے گا کیونکہ گرمی اور عید ایک ساتھ ہی تشریف فرما ہوں گی۔ اور ہاں! موسم کے پکوان میں بھی اب ''مشروبات دیجیے گا تاکہ عید'' ٹھنڈی گزرے۔ مجموعی طور پر ماہ اپریل کا ''خواتین'' اچھا لگا۔

پیاری صدف! معذرت کہ پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہ ہوسکا۔ خطوط میں آپ کو تبصرہ کی کمی محسوس ہوئی۔ ہم آپ کا تبصرے پر مشتمل بنا ایڈٹ کیے پورا شائع کررہے ہیں۔ بہت اچھا تبصرہ ہے، بہت شکریہ۔

سلمیٰ مسرت.....راولپنڈی

نمرہ کے ایک اور شاہکار ناول حالم کا اختتام ہوا ہے۔ اس کا اینڈ بھی بجٹس سے بھرپور تھا تالیہ کا کردار بھی یاد رہے گا۔ سمیرا اور مائرہ اور دیگر مصنفات سے بھی گزارش ہے کہ اپنی خوب صورت تحریروں سے نوازیں۔

قانتہ رابعہ بہت خوب صورت نام کی ہر تحریر نے بے شمار خواتین اور لڑکیوں کی رہنمائی کی، میری تو آپ نے زندگی بدل دی تھی۔ آج سے پندرہ یا بیس سال پہلے آپ نے شعاع میں اپنے انٹرویو میں اپنی روٹین لکھی تھی کہ کیسے میں تہجد میں اٹھ کر اپنے گھر کے کام کرکے نو بجے اپنے مدرسے پہنچ جاتی ہوں اس وقت میں الہدیٰ میں ایڈمیشن لے چکی تھی، بچے چھوٹے تھے۔ والدین کی ذمہ داری بھی تھی۔ آپ کی روٹین پڑھ کر میں نے وقت کی قدر کی اور الحمدللہ آج کامیاب زندگی گزار رہی ہوں اور کوشش ہے کہ آخرت کے لیے کچھ زادراہ اکٹھا کرلوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایک دوسرے کے لیے صدقہ جاریہ بنائے (آمین)

ج: پیاری سلمیٰ! اچھی باتیں نصیحتیں تو بہت سارے لوگ کرتے ہیں اور ہم شائع بھی کرتے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ آپ خود اچھی بات یا نصیحت کا کتنا اثر لیتی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ نصیحت کا اثر بھی وہی لوگ لیتے ہیں جن کے دل نرم ہوتے ہیں۔ بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے اچھی بات پڑھی اور اس پر عمل کیا۔

سلسلہ سوال یہ ہے کہ آئندہ ماہ پڑھ سکیں گی۔ اس بار عید سروے کی وجہ سے یہ سلسلہ شائع نہیں کیا گیا۔

اقصیٰ امان.....کوئلہ جام بکھر

خواتین 9 تاریخ کو ملا حمیرا مغل دلہن بنی سالگرہ نمبر

www.pklibrary.com

کا مزا دوبالا کر گئیں۔ سالگرہ نمبر کا سروے زبردست، سب سے اچھے جواب سمیرا حمید کے لگے۔ سمیرا حمید کا ہر لفظ دل کو چھوتا ہے سمیرا آپی آپ کا ناول طواف عشق ہو یا راہ نور، رب البشر ہو یا یارم قلم کا حق ادا کرنے کا ثبوت ہیں انہیں ایک دفعہ پڑھ کر چھوڑنا زیادتی ہے۔ فرزانہ کھرل کا انداز تحریر بہترین ہے۔ حالم کا اینڈ زبردست رہا ہے۔ آپ سے پوچھنا ہے کہ مکمل کتابی صورت شائع ہوا کہ نہیں۔ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' میں صفیہ مہر سے اتفاق کرتی ہوں کہ یہ ایسی کہانی ہے جو گاڑی بنگلے کے بغیر دل کو چھو رہی ہے۔ عفت سحر سے تو کیا ہی کہوں ہر دوسرے ماہ غائب..... عنیزہ سید کا نام دیکھ کر جو خوشی ہوئی بقیہ آئندہ دیکھ کر منہ بن گیا۔ ''زنجیر ایام'' زبردست تحریر رہی واقعی انسان کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کی غلطی کا طعنہ دے۔ معاف کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اس مرتبہ نازیہ رزاق زیادہ متاثر نہ کر سکیں۔ ''بوجھ باریاں'' اچھی لگی۔ افسانے تینوں اچھے تھے۔ نفسیاتی الجھنیں میں سین پر غصہ آرہا ہے، شکل وصورت کسی کام کی نہیں سیرت اچھی ہونی چاہیے۔ اپنی سویٹ سی فرینڈ کا تبصرہ اچھا لگا لیکن مختصر تھا بشریٰ آپ کا کچن بھی زبردست رہا۔ فائزہ ثمرین نے رقص شرر اس قدر خوب لکھا کہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے اس مرتبہ تمام ڈشز زبردست رہیں۔

ج: پیاری اقصیٰ! بہت اچھا تبصرہ کیا ہے آپ نے بہت شکریہ۔

زرینہ خانم لغاری..... مظفر گڑھ

سالگرہ نمبر ملا، آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ اتنا پیارا سوبر سا رسالہ ہے۔ کرن کرن روشنی سے مستفید ہوئے۔ انشا جی کی غزل پڑھی انشا جی یاد آگئے۔ قانتہ رابعہ سے ملاقات خوب رہی، قانتہ بھی ہماری پسندیدہ رائٹر میں شامل ہیں۔ پسندیدہ ترین کہانی زندگی ہم تجھے گزاریں گے۔ سفید پوش گھرانے کی صاف ستھری کہانی ہے جس میں نہ کوٹھیاں ہیں نہ کاریں نہ پلنگ پارٹیاں ایسے محسوس ہوتا ہے۔ ہمارے آس پاس محلے کی کہانی ہے، ہمیں پہلے ہی اندازہ تھا کہ منشی کم بخت شادی میں پسوڑی ضرور ڈالے گا۔ آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں۔ کرن شعاع

میں میرے خط شامل ہوتے ہیں لیکن خواتین والوں نے کبھی میرے خط اور دوسرے سلسلے شائع نہیں کیے کیا آپ مغرور ہیں۔ ویسے غرور اور نخرا آپ پر بجتا تو ہے ''خواتین ڈائجسٹ پسندیدہ ترین رسالہ ہے میں نے تقریباً ہر گھر میں اسے دیکھا ہے۔'' عدنان بھائی کے مشورے لاجواب ہوتے ہیں، میں ایک واقعہ بتاتی ہوں۔ ہماری کولیگ کی بچی نے مجھ سے مشورہ مانگا۔ ''آنٹی مجھے ایک لڑکے سے محبت ہے۔ وہ مجھے کورٹ میرج کے لیے مجبور کر رہا ہے'' میں نے پوچھا ''وہ سیدھا سیدھا رشتہ کیوں نہیں بھیجتا۔'' ''آنٹی اس کے والد راضی نہیں ہو رہے ہیں۔ وہ بے چارا مجبور ہے۔'' میں نے کہا عدنان بھائی سے مشورہ کر لو، کہنے لگی۔ عدنان بھائی کو کورٹ میرج سے منع کر دیں گے حالانکہ وہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے لیکن والد کی وجہ سے مجبور ہے۔ کہتا ہے جب ہم شادی کر لیں گے تو وہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ عدنان بھائی سے مشورہ کیا انہوں نے سختی سے منع کیا اور کہا یہ شخص فراڈ لگتا ہے بچ جاؤ، اس جواب سے کئی دن تک اس کا موڈ خراب رہا لیکن شکر ہے اس نے بات مان لی پھر بعد میں پتا چلا وہ تین بچوں کا باپ ہے، خود کو افسر بتاتا تھا لیکن دراصل چپڑاسی تھا۔ حقیقت جان کر عدنان بھائی کی شکر گزار ہوئی۔ عدنان بھائی کو بہت دعائیں دیں۔

ج: پیاری زرینہ! غرور کیسا اور کس بات پر، خاک کے پتلے کی اوقات کیا۔ ایک دن مٹی میں مل جانا ہے۔ ایسی بات سوچے گا بھی نہیں کہ ہم غرور کریں گے۔ اور غرور کسی پر نہیں بجتا یہ صرف اللہ ہی کو زیبا ہے جو ہمیشہ رہنے والی ذات ہے۔ عدنان بھائی تک آپ کے جذبات پہنچا رہے ہیں۔

www.pklibrary.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

مئی 2021
کے شمارے کی ایک جھلک

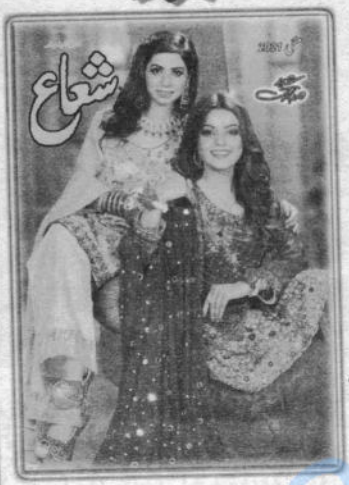

مئی 2021
کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

- "مداوا" ماریہ نواز کا مکمل ناول،
- "آنگن کا چاند" حمیرا شفیع کا ناولٹ،
- "نہ قصہ اتنا سادہ" عائشہ نصیر احمد کا ناولٹ،
- "زندگی دھوپ تم گھنا سایہ" فرحت انصاری کا ناولٹ،
- "پابند سلاسل" نازیہ رزاق کا ناولٹ،
- "شام کی حویلی میں" رخسانہ نگار عدنان کا ناول،
- "نور القلوب" تنزیلہ ریاض کا ناول،
- فرحت جبیں، حنا بشریٰ، ثمینہ فرحان، ام اقصیٰ، زینب نور، قرۃ العین خرم ہاشمی اور ثانیہ مرتضیٰ کے افسانے،
- فرید اللہ ابورو حان سے ملاقات،
- "دستک" معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" قارئین کے تجربات،
- "پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں" احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے، آپ کے دل چسپ تبصرے، ہمارے جواب، تاریخ کے جھروکوں سے،
- باتوں سے خوشبو آئے، آئینہ خانے میں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع مئی 2021 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

pklibrary.com

www.pklibrary.com

بقیہ نیلوفر علیم

تو زندگی پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

"گویا گزرا دور بہت یاد آتا ہے؟ اور عباسی صاحب کیا بیمار تھے انتقال سے قبل؟"

ہاں بہت یاد آتا ہے

یاد ماضی عذاب ہے یارب

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

اور ضروری نہیں کہ یادیں تلخ ہی ہوں..... لیکن پرانی یادیں سوچ کر اداسی بہت ہوتی ہے اور اس لیے ہوتی ہے کہ گزرا وقت واپس نہیں آتا..... اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ماضی کو یاد نہیں کرنا لیکن ایسا ممکن نہیں کیونکہ آپ کا ماضی آپ کے حال سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔

عباسی صاحب کی کمپنی ایسی ہوتی تھی کہ کوئی بھی ان کی دلچسپ اور معلوماتی باتوں کو چھوڑ کر اٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ نیویارک میں ہر ویک اینڈ پر کوئی نہ کوئی فیملی اپنے گھر ڈنر پر مدعو کرتی تھی۔ اور محفل لگتی تھی اور مختلف موضوعات پر خوب گپ شپ رہتی تھی..... اور سب کو ان کی باتوں کا اتنا مزہ آتا تھا کہ لوگ از راہ مذاق کہتے کہ ایک ہفتے کے لیے عباسی صاحب ہمیں ادھار دے دیں تاکہ ہم ان کی کمپنی انجوائے کر سکیں۔ سوچیں کہ میں کتنی خوش قسمت تھی کہ مجھے اتنا اچھا شریک سفر ملا تھا۔

قمر عباسی صاحب کا انتقال 31 مئی 2013ء کو ہوا جمعہ کا دن 22 رجب المرجب، ایک ماہ قبل انہیں دل کا دورہ پڑا تھا۔ طبیعت بحال ہو گئی تھی ہم سب خوش بھی بہت تھے کہ ایک دن اچانک ہی طبیعت بگڑی اور سہ پہر وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔"

"اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ آپ کی فیلڈ کی طرف آتے ہیں۔"

"ٹی وی ڈراموں سے کنارا کشی کیے کتنا عرصہ ہو گیا اور کیوں چھوڑا اس فیلڈ کو؟"

"ٹی وی اور ریڈیو میں ڈرامے کرنا میرا شوق تھا میں نے کبھی اسے پروفیشن نہیں بنایا تھا۔ اس لیے جب میری شادی ہوئی اور فیملی بنی تو ایک نئے خاندان کی مضبوط بنیادیں رکھنے کے لیے میں نے تمام تر توجہ اپنے شوہر اور گھر کو دی..... اور ویسے بھی اس وقت میں پاکستان ٹیکسٹائل سینٹر کراچی کی ریذیڈنٹ ڈائریکٹر تھی جو کہ انفارمیشن منسٹری کے تحت کام کرتا تھا تو مصروفیات تو اچھی خاصی تھیں جب تک بچے نہیں تھے، میں نے یہ جاب کی۔

قمر علی عباسی صاحب ریڈیو پاکستان سے اپنے آفس کے بعد میرے پاس میٹروپول ہوٹل آجاتے تھے۔ جہاں پی این سی کا آفس تھا پھر شام گئے ہم دونوں گھر چلے جایا کرتے تھے..... اور پھر جب میری بیٹی ثوبیہ ہوئی تو میں نے یہ جاب چھوڑ دی۔"

"اس وقت ٹی وی کا دور ایک سنہری دور کہلاتا تھا۔ ایسا ہی ہے نا.....؟"

"جی بالکل ایسا ہی ہے پی ٹی وی نے نوجوان پڑھے لکھے پروڈیوسر کا انتخاب کیا تھا جن میں بہت ہی جوش و جذبہ تھا اور کام کی لگن..... میں اس وقت ڈی جے سائنس کالج کی طالبہ تھی تین ایج میں ویسے ہی بہت ہی جوش و جذبہ ہوتا تھا۔ لہٰذا خوب محنت سے کام کرتے تھے ہم ..... ایک خاندان جیسا ماحول ہوتا تھا۔ ہلکی مذاق، چٹکلے۔ مگر تہذیب کے دائرے میں۔

سینئر فنکار جیسے عرش منیر خالہ، آپا عشرت ہاشمی محمود علی بھائی اور سبحانی بھائی یونس بھائی کی بہت عزت تھی..... اکثر محمود بھائی اور سبحانی بھائی سے بگھارے بیگن لانے کی فرمائش ہوتی تھی اور کھٹی مرچیں بھی..... عرش منیر خالہ "پائے" بنا کر لاتی تھیں اور ریہرسل کے بعد سب خوب مزے لے لے کر کھاتے تھے۔ پوری ٹیم جس میں ٹیکنیکل لوگ بھی شامل ہوتے تھے۔

قاضی واجد ریڈیو پاکستان سے نکلتے تو برنس

www.pklibrary.com

روڈ سے ربڑی لے کر آتے تھے۔ اگر ریہرسل اور ریکارڈنگ جلدی ختم ہوجاتی تو شکیل اور طلعت حسین کو بہادر آباد جا کر وہاں کا چائنیز کھانے کی سوجھتی اور پھر پوری کاسٹ ٹی وی اسٹیشن سے بہادر آباد پیدل جاتی تھی چائنیز کھانے..... بہت اچھا ماحول تھا کوئی نمود ونمائش نہیں تھی۔ کوئی بناوٹ نہیں تھی سب فیملی کی طرح رہتے تھے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہوجانے والے لوگ تھے۔"

"کچھ یاد ہے کہ کل کتنے ڈرامہ سیریلز کیے تھے آپ نے؟"

"اگر گنتی کریں تو میں نے بہت زیادہ ڈرامے یا سیریلز نہیں کیے ہیں کیونکہ میں فل ٹائم سائنس کی طالبہ تھی۔ گریجویشن اور کراچی یونیورسٹی سے ماسٹرز..... پڑھائی نے بہت مصروف رکھا مجھے اور میرا مضمون بھی مائیکرو بیالوجی تھا۔ جس کے پریکٹیکل شام تک چلتے تھے۔ تو ایسے میں بہت زیادہ ٹائم ٹی وی کو نہیں دے پاتی تھی لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں نے جتنا بھی کام کیا لوگوں نے بہت زیادہ پسند کیا..... کیونکہ جو کام بھی کیا، وہ کوالٹی ورک تھا ..... اور پھر پروڈیوسرز حضرات مجھے خاص ڈراموں میں ہی کاسٹ کرتے تھے۔ جیسے عید، بقرعید، یوم آزادی اور خواتین کا عالمی دن ..... تو اس وجہ سے بھی مجھے لوگوں کے دلوں میں جگہ ملی.....

میرا پہلا سیریل "نقش فریادی" تھا۔ اہم موقعوں پر پیش کیے جانے والے ڈراموں میں "عید کا جوڑا۔ عید کی دعوت۔ ہیپی عید مبارک۔ تکلف برطرف" اور یہ وہ ڈرامے تھے جو کئی کئی بار ریپیٹ ہوتے تھے۔

اس کے علاوہ "منٹو راما" کے ڈرامے "میری پسندیدہ کہانی" میں معروف افسانہ نگاروں کی تحریر ڈرامائی شکل میں پیش کی جاتی تھیں۔ ان میں لمعے اور اے حمید کے ڈرامے "جہاں برف گرتی ہے" میں کام کر کے مجھے بہت مزہ آیا تھا۔ سیریل شہ زوری، پی ٹی وی کی پہلی منی سیریل تھی جس کی 25،25 منٹ کی سات قسطوں نے ایسی دھوم مچائی کہ حسینہ معین (مرحومہ) اپنی زندگی تک لوگوں کی پسندیدگی کے پھول چنتی رہیں..... انور مقصود کا شوشا اور "فنون لطیفے" بھی ناقابل فراموش ہیں۔"

"پرانی نسل کو تو آپ کے ڈرامے خاص طور پر شہ زوری یاد ہے۔ کیا نئی نسل شہ زوری سے واقف ہے؟"

"نئی نسل شہ زوری سے خوب واقف ہے شکریہ ٹیکنالوجی کا، یوٹیوب پر شہ زوری ہر وقت موجود ہے اور اسے نہ صرف جوانوں نے بلکہ نوجوانوں نے بھی بہت دیکھا ہے اور بہت سراہا..... اور وہ اس کا معیار اور موومنٹ دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ اتنے برس پہلے اس قدر برق رفتار کام ہوتا تھا..... کسی بھی چیز کی کامیابی اللہ کی دین ہے۔ وہ چاہے جسے عطا کرے۔"

"کہتے ہیں کہ پرانے ڈرامے اکیڈمیز کا درجہ رکھتے ہیں اور میڈیا یا سائنس پڑھنے والوں کو دکھائے جاتے ہیں۔ کیا ایسا ہے؟"

"ہاں یقیناً ایسا ہے..... میں نے تو کئی برس

www.pklibrary.com

پہلے سنا تھا کہ ہندوستان کے ایکٹنگ انسٹیٹیوٹ میں پاکستانی ڈرامے کورس میں رکھے گئے ہیں...... تو یہ ہمارے لیے بڑے فخر کی بات ہے۔"

"آج کل کے ڈراموں کے بارے میں کیا کہیں گی، گزشتہ چند سالوں میں کون سے ڈرامے پسند آئے آپ کو؟"

"آج ان گنت چینل ہیں اور ڈراموں کی بھرمار ہے۔ اور دیکھنے والوں کے پاس بہت چوائس ہے۔ آرٹسٹوں کے لیے کام ہی کام ہے۔ مگر مقابلہ بھی بہت ہوگیا ہے اور کمرشل ازم بھی بہت ہوگیا ہے۔ اب لوگوں کی نظر میں اہمیت اس چیک کی ہوتی ہے جو انہیں پروڈیوسر اور ڈائریکٹر سے ملتے ہیں جبکہ ہمارے دور میں ریڈیو اور ٹی وی پہ وہ لوگ ہوتے تھے جنہیں اپنے کام سے عشق ہوتا تھا۔ ٹیکنیکلی ہم اچھے خاصے ایڈوانس ہوگئے ہیں اور یہ اچھی بات ہے...... اور اگر آپ معیار کی بات کریں تو ہمیشہ کی طرح کہانیاں اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی...... جسے جو اچھا لگتا ہے، وہ وہی دیکھتا ہے۔ میک اپ کا استعمال بہت زیادہ ہوگیا۔ سین حقیقت سے دور لگتے ہیں اور تب ہی ڈراما پھر ڈراما لگتا ہے حقیقت نہیں...... جہاں تک ڈراموں کی پسندیدگی کا تعلق ہے تو مجھے "بلبلے" بہت پسند ہے...... مختصری کاسٹ میں بڑی اچھی کامیڈی پیش کی جاتی ہے...... اس کے پروڈیوسر اور اداکار نبیل اور ان کے ساتھی حنا دل پذیر، محمود اسلم اور عائشہ عمر قابل تعریف ہیں۔ اس کے علاوہ فصیح باری خان کی ہر تحریر مجھے پسند ہے کیونکہ ان کی تحریریں عام لوگوں کے لیے ہوتی ہیں۔ اور اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ "قدوسی صاحب کی بیوہ، گھسی پٹی محبت، موہنی منشن کی اپسرائیں۔" سب لاجواب ہیں۔"

"اپنے ہم عصروں اور سینئرز سے رابطہ ہے آپ کا؟ یا آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والی بات ہے؟"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے کہ "آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل" میں پرانے لوگوں اور پرانی دوستوں کو بہت عزیز رکھتی ہوں۔ میرا ان سے رابطہ ہے۔ شکیل، طلعت حسین، اقبال لطیف، بشریٰ انصاری، زینت یاسمین رضوانہ سعود، بدر خلیل، حسینہ معین جواب ہم میں نہیں ہیں ان سے اکثر بات ہوتی تھی۔ عمرانہ مقصود، راجو جمیل، روبینہ اشرف، زیبا شہناز، شہزاد رضا، معصومہ میر وغیرہ وغیرہ۔ ان سے فون پر بات ہوتی ہے اور جب پاکستان جاتی ہوں تو ملاقات بھی ہوتی ہے۔"

"اور جناب گھریلو امور سے کتنا لگاؤ ہے؟ کھیل سیاست سوشل میڈیا وغیرہ کے بارے میں بھی بتائیے؟"

"گھریلو امور میں کوکنگ یا سلائی سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ قمر علی عباسی کھانے کے شوقین تھے تو ان کے لیے کچھ نہ کچھ بنا لیتی تھی۔ بس ان کے بعد دلچسپی ختم ہوگئی...... اور ہماری سیاست جو رنگ ڈھنگ استعمال کررہی ہے یا اختیار کررہی ہے اس سے تو دور ہی رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے کو اسمبلیوں میں گالی گلوچ اور تھپڑوں سے نوازنا...... اربوں ڈالرز لوٹ کر بھی ہوس پوری نہ ہونا، چاہے ملک جائے بھاڑ میں عوام رلتے رہیں ان کی بلا سے ایسی سیاست سے تو دوری ہی بہتر ہے۔
گیمز اچھے لگتے ہیں...... عمران خان اور جاوید میاں داد بہترین کھلاڑی تھے۔ ہاکی میں اصلاح الدین، سمیع اللہ...... کا دور لاجواب تھا...... اسکواش کا بے تاج بادشاہ جہانگیر خان پسندیدہ کھلاڑی ہیں یوٹیوب پر ان کے میچ دیکھتی رہتی ہوں۔ فیس بک زیادہ استعمال کرتی ہوں اور فرینڈ ریکویسٹ قبول نہیں کرتی کیونکہ صرف فرینڈ بنا لینا ہی مقصد نہیں ہوتا بلکہ دوستی بھی نبھانی چاہیے...... اور وقت اجازت نہیں دیتا کہ میں اتنی دوستیاں نبھاؤں۔"

"دوبارہ فیلڈ جوائن کرنے کو دل چاہتا ہے؟"

"وہ کہتے ہیں نا کہ ڈیئر از نو بزنس لائک شو

www.pklibrary.com

بزنس۔"

میں کم عمری میں عروج پر پہنچ گئی تھی۔ بہت کم وقت میں بہت سارا کوالٹی کام کیا۔ لوگوں نے محبتیں اور پسندیدگی اتنی دی کہ آج تک اس کے سحر میں ہوں۔ اس لیے اب ایسی کوئی خواہش نہیں ہے۔ آفرز آتی ہیں اور میں سب کا شکریہ ادا کر کے انکار کر دیتی ہوں..... اور ہاں آپ کو بتاؤں کہ میں نے اپنی سوانح عمری "کہی ان کہی" کے نام سے لکھی ہے جسے لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اللہ کا بڑا کرم ہے مجھ پر۔"

"سفارش بھی اس زمانے میں؟"

"میرا نہیں خیال کہ کوئی سفارش تھی۔ کیونکہ اس زمانے میں ٹی وی اور ریڈیو میں Enter ہونا بہت مشکل تھا۔ ان اداروں کا بہت اعلیٰ اور سخت معیار ہوتا تھا۔ باقاعدہ آڈیشن ہوتے تھے۔ جس میں صرف شکل وصورت ہی نہیں آپ کا تلفظ، لہجہ علمیت سب ہی کچھ مدنظر رکھا جاتا تھا.....

حتیٰ کہ خاندانی پس منظر بھی دیکھا جاتا تھا۔ اس لیے سفارش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا..... قدرتی صلاحیتیں انسان کو اس فیلڈ میں لے کر آتی تھیں۔"

"آپ کس طرح آئیں اس فیلڈ میں؟"

"میں تو محض شوقیہ اس فیلڈ میں آئی..... بنیادی طور پر جشن طلبہ سے جو کہ ریڈیو پاکستان کا زبردست سالانہ سلسلہ تھا اور جس کا سہرا پروڈیوسر یاور مہدی بھائی کے سر جاتا ہے تو خیر مجھے جشن طلبہ کے لیے میرے ڈی جے سائنس کالج کے پروفیسر ہاشم جلالی نے آڈیشن کے لیے بھیجا تھا۔ جلالی صاحب غیر نصابی سرگرمیوں کے انچارج تھے۔

ریڈیو میں آڈیشن کے لیے بہت لوگ آئے ہوئے تھے۔ اور اللہ کا کرم دیکھیں کہ ہزاروں آوازوں میں میری آواز کو پسند کیا گیا اور اللہ نے میری آواز کو منتخب ہونے کا اعزاز بخشا..... اور آپ کو بتاؤں کہ ہاشم جلالی ٹی وی کے پروڈیوسر قاسم جلالی

کے چھوٹے بھائی تھے..... خیر چند ہی ماہ گزرے تھے کہ ٹی وی کے پروڈیوسر سید امیر امام (مرحوم) کا پیغام ملا کہ ہم آپ کو ٹی وی ڈرامے میں بک کرنا چاہتے ہیں۔ ان دنوں میرے امتحان ہو رہے تھے۔ خیر میں گئی تو انہوں نے "خمار زہرآلود" کا اسکرپٹ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس ڈرامے میں میرے ہیرو جمشید انصاری (مرحوم) تھے..... امیر امام انتہائی مشفق، مہذب اور پیارے انسان تھے..... اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ (آمین) تو میں اس طرح اس فیلڈ میں آئی۔"

اس کے ساتھ ہی ہم نے نیلوفر عباسی صاحبہ سے اجازت چاہی۔

www.pklibrary.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

کھوئے کی زعفرانی سویاں

ضروری اشیاء:۔

سویاں	آدھا پیکٹ
دودھ	ڈیڑھ کلو
چینی	حسب ضرورت
کھویا	ایک پاؤ
زعفران	چٹکی بھر
سبز الائچی	چار عدد
گھی	ایک پاؤ
کیوڑہ	ایک کھانے کا چمچہ
بادام، کشمش	حسب پسند

ترکیب:

دودھ کو اتنا پکائیں کہ ایک کلو رہ جائے۔ اب پتیلی میں گھی گرم کریں۔ سویاں ڈال کر ہلکی براؤن کریں پھر دودھ ملا کر سویوں کو پکنے دیں۔ کھویا اور پسا ہوا زعفران یا زردہ کا رنگ بھی ملا دیں۔

ایک تار کی چاشنی بنا کر سویوں میں ڈال دیں۔ ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔

جب سویاں گاڑھی ہو جائیں تو بادام، کشمش، اور کیوڑہ ڈال کر پانچ منٹ پکائیں۔

ایک ڈش میں نکال کر اوپر چاندی کے ورق لگائیں۔ چاہیں تو بادام چاروں طرف رکھ دیں۔

حیدر آبادی بگھارا شیر خورمہ

ضروری اشیاء:

دودھ	دو کلو
چینی	ڈیڑھ کپ
سبز الائچی	چھ عدد
سویاں	ایک چوتھائی کپ
چھوہارے	آٹھ عدد
پستے، بادام	حسب پسند
گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

چھوہاروں کو رات بھر بھگو کر اس کی گٹھلیاں نکال لیں اور دو حصے کر لیں۔ دودھ کو اتنا ابالیں کہ تین چوتھائی کے قریب رہ جائے۔ دودھ میں چینی ڈال کر مزید پکائیں اور چھوہارے بھی شامل کر دیں۔

فرائی پین میں دو کھانے کے چمچے گھی گرم کر کے اس میں سویاں توڑ کر سنہری کر لیں۔ سویوں کو دودھ میں شامل کر کے دس منٹ دھیمی آنچ پر پکائیں۔

فرائی پین میں دو کھانے کے چمچے گھی ڈال کر سبز الائچی، پستے اور بادام فرائی کر لیں اور شیر خورمے میں بگھار لگا دیں۔ مزید ار بگھارا شیر خورمہ ڈش میں نکال کر بادام پستے سے سجا کر پیش کریں۔

مرغ پشاوری کڑاہی

ضروری اشیاء

چکن	ایک کلو
لہسن پسا ادرک	دو کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	آدھا کپ
ٹماٹر	آدھا کلو
زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	چھ عدد
ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
قصوری میتھی	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	گارنش کے لیے
تیل یا گھی	حسب ضرورت

ترکیب:

www.pklibrary.com

کڑاہی میں گھی یا تیل گرم کرکے پسا ادرک، ایک چوتھائی کپ پانی اور چکن ڈال کر اچھی طرح فرائی کرلیں۔

اس میں نمک، ٹماٹر، ہری مرچیں ڈال کر پکائیں۔ ٹماٹر نرم ہوجائیں تو مسالا بھون کر، کٹی ہوئی سیاہ مرچیں اور دہی ڈال کر ڈھک کر پانچ منٹ مزید پکائیں گوشت گل جائے تو کٹا ہوا زیرہ، کٹا ہوا دھنیا، باریک کٹی ادرک اور قصوری میتھی ڈال کر دم پر لگادیں۔ ڈش میں نکال کر نان، سلاد اور رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

مٹن تڑکا پلاؤ

ضروری اشیاء:۔

بکرے کا گوشت	آدھا کلو
پسا لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	دو عدد
دہی	ایک کپ
ٹماٹر	ایک عدد
ثابت گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت لال مرچ	دس عدد
لہسن کے جوے	بارہ عدد
ادرک	آدھا انچ کا ٹکڑا
چاول	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
پسا گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
کڑی پتے	چھ عدد
گھی	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:

ایک ساس پین میں گوشت، ادرک، لہسن کے جوے اور پانی ڈال کر ابالیں۔ ابال آنے پر آنچ درمیانی کرکے ڈھک دیں اور گوشت کے گلنے تک پکائیں۔ اس کے بعد ساس پین میں گھی گرم کرکے ثابت گرم مسالا ڈال کر کڑکڑائیں۔ اب پیاز ڈال کر ہلکی گلابی کرلیں۔ اس میں پسا ادرک، لہسن اور نمک شامل کرکے اچھی طرح بھون لیں۔ روغن اوپر آجائے تو گلا ہوا گوشت، ٹماٹر اور دہی ڈال کر پکائیں۔ جب پانی خشک ہوجائے تو اس میں چاول شامل کردیں۔

ایک پین میں تیل گرم کرکے اس میں ثابت لال مرچیں، کڑی پتا اور زیرے کو کڑکڑا کر چاول پر بگھار لگادیں۔ اس کے بعد دو منٹ ڈھک کر دم پر رکھ دیں اور ڈش میں نکال کر پیش کریں۔

میکرونی سلاد

ضروری اشیاء:۔

میکرونی	ایک کپ
سلاد پتے	ایک سے دو عدد
کھیرا	ایک عدد
مولی	ایک عدد
ہری پیاز	دو عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
انڈے اُبلے ہوئے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
پسی سیاہ مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب:

ساس پین میں پانی اور نمک ڈال کر ابالیں۔ ابال آنے پر ایلبو میکرونی ڈال کر سات سے آٹھ منٹ تک پکائیں۔ جب میکرونی ابل جائے پانی نتھار کر ٹھنڈے پانی کے نیچے سے گزار دیں۔

ایک باؤل میں کھیرا، گاجر، مولی، ہری پیاز، شملہ مرچ اور سلاد کے پتے ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ اب اس میں ابلی ہوئی میکرونی، نمک اور سیاہ مرچ شامل کرکے مکس کریں۔ سرونگ پلیٹ میں نکال کر ابلے ہوئے انڈے ڈالیں اور پیش کریں۔

www.pklibrary.com

عدنان

نفسیاتی الجھنیں

آسیہ گلزار.....ڈی آئی خان

س: عدنان بھائی! میں بہت بدنصیب ہوں۔ میرے نصیب ہی ٹھنڈے ہیں۔ نہیں نہیں، آپ مجھے کوئی نصیحت نہ کیجیے گا۔ یہ میری سوچ نہیں، میری ماں کا کہنا ہے۔ انہوں نے پچھلے چار سالوں میں اتنی بار یہ بات دہرائی ہے کہ اب مجھے بھی یقین آنے لگا ہے کہ ایسا ہی ہے۔

چار سال پہلے میرا نکاح ہوا۔ لڑکا کینیڈا میں تھا۔ نکاح فون پر ہوا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ لڑکا کاغذات تیار کرالے گا پھر شادی کرنے آئے گا تو مجھے اپنے ساتھ ہی کینیڈا لے جائے گا۔ میں مطمئن تھی۔ مجھے یقین تھا کہ میرے والدین نے ہر طرح سے چھان بین کر کے ہی یہ نکاح طے کیا ہوگا۔ نکاح کے بعد اس لڑکے نے مجھ سے برائے نام سا تعلق رکھا۔ ہفتہ میں ایک بار اور کبھی پندرہ دن میں فون کرتا۔ سرسری سی بات ہوتی جو خیریت دریافت کرنے سے آگے نہ بڑھتی۔ مجھے اس کا یہ انداز بہت عجیب لگتا۔ ہماری شادی ہو چکی تھی۔ وہ مجھ سے بے تکلفی سے بات کر سکتا تھا۔ کبھی میری پسند، ناپسند جاننے کی کوشش کر سکتا تھا۔ کوئی لطیف سی محبت بھری بات، کوئی شوخ اشارہ کچھ بھی نہیں۔ میں اس رویے سے دل برداشتہ تو ہوئی لیکن میں نے اسے اس کی طبیعت کی سنجیدگی پر محمول کیا۔

دن گزرتے گئے اور ایک دن اچانک ڈاک سے مجھے طلاق نامہ مل گیا۔ گھر والے بھونچکا تھے، وہ مجھے الزام دے رہے تھے۔ امی نے اس کے گھر والوں سے بات کی۔ وہ بظاہر شرمندہ نظر آ رہے تھے لیکن حقیقت یہ تھی کہ سب کچھ ان کے علم میں تھا۔ ان حضرت نے باہر شادی کر رکھی تھی۔ گھر والوں کے اصرار پر مجھ سے نکاح کر لیا۔ دراصل ان کے گھر والوں کو یہ لالچ تھا کہ میرا بھائی جو اعلا افسر ہے وہ اس سے اپنی بہن کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے دبی زبان سے کہا بھی تھا لیکن بھائی کے صاف انکار پر وہ خاموش ہو گئے تھے۔ امی میری طلاق پر بہت زیادہ پریشان تھیں۔ یہ رشتہ دو سال رہا۔ اس دوران میں ایم اے کر چکی تھی۔ امی نے رشتہ کروانے والیوں کو لگایا۔ کئی جگہ رشتہ کی بات چلی پھر ایک جگہ رشتہ ہو گیا۔ خوب دھوم دھام سے منگنی ہوئی لیکن انجام..... تین ماہ بعد منگنی ٹوٹ گئی اور ساتھ امی کا حوصلہ بھی جواب دے گیا۔ وہ بار بار مجھے بدنصیبی کے طعنے دیتی ہیں۔ مجھے بوجھ کہتی ہیں۔ ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ کسی راہ چلتے کے ہاتھ میں میرا ہاتھ پکڑا کر چلتا کریں۔

عدنان بھائی! میری سمجھ میں نہیں آتا، میں کیا کروں۔ اس سب میں میرا کیا قصور ہے۔ میں نے اپنی قسمت خود تو نہیں لکھی۔

ج: اچھی بہن! آپ کی والدہ کا رویہ سراسر غلط ہے۔ جبکہ اس سلسلے میں کوئی قصوروار ہے تو وہ خود ہیں۔ نکاح کا ٹوٹنا صدمہ کی بات ہے لیکن ساتھ ساتھ بہتر بھی ہوا ہے، انہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر رخصتی ہو جاتی اور آپ وہاں سے ایک بچہ گود میں لے کر آتیں تو کیا اس سے بہت زیادہ برا نہ ہوتا۔ منگنی ٹوٹنا بھی کوئی ایسی قیامت کی بات نہیں۔ آپ نے وجہ نہیں لکھی لیکن اگر کسی بھی بنا پر ان لوگوں نے یہ رشتہ توڑ دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بدنصیب ہیں۔

آپ کا نصیب ان شاء اللہ بہت اچھا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کچھ بہت اچھا رکھا ہے۔ آزمائش

www.pklibrary.com

نیہار رضوان.....پشاور

س: میرا مسئلہ یہ میرے بال روکھے، بے جان اور کمزور ہیں۔ میں یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ ہوں، جس کے باعث میں زیادہ تیل نہیں لگا پاتی۔ جب کہ پھل اور سبزیاں کھانے کی بھی چور ہوں، پلیز مجھے کوئی ایسا حل بتائیں۔ جس سے میرے بالوں کی بے رونقی ختم ہوجائے اور بال گرنا بھی بند ہوجائیں؟

ج: بالوں کی کمزوری اور روکھے پن کی ایک بڑی وجہ تیل نہ لگانا ہے جبکہ غذائیت سے بھرپور پھل اور سبزیوں کا کم استعمال بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اپنی غذا پر توجہ دیں۔ پھل اور سبزیوں کے استعمال کو یقینی بنائیں جبکہ بالوں کی بے رونقی دور کرنے کے لیے ایلوویرا کا استعمال کریں۔

رات کو سونے سے قبل ایلوویرا کے گودے سے سر کا مساج کریں اور صبح پانی سے دھولیں۔ یہ عمل ہفتے میں دو سے تین بار دہرائیں۔ آپ خود فرق محسوس کریں گی۔

اس کے علاوہ ایک کپ ناریل کا تیل، چار کھانے کے چمچے کیسٹر آئل، دو چمچے کلونجی اور دو چمچے میتھی دانہ لے لیں۔ پہلے میتھی دانے اور کلونجی کو الگ الگ پیس لیں پھر ناریل کے تیل اور کیسٹر آئل کو کڑاہی میں ڈال کر ہلکا گرم کرلیں پھر اس میں کلونجی اور میتھی دانہ ڈال کر تین سے پانچ منٹ کے لیے پکائیں۔ اب تیل کو پانچ سے چھ گھنٹے کے لیے کسی ٹھنڈی جگہ پر رکھ دیں۔ ہفتے میں دو سے تین دفعہ اس تیل کو لگائیں، بال لمبے، گھنے اور چمک دار ہوجائیں گے۔

امبرا کرام.....کراچی

س: میری عمر 27 سال ہے۔ پچھلے کچھ عرصے سے میرے چہرے پر دانے نکل رہے ہیں، جو نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ میں نے بیسن سے بھی منہ دھو کر دیکھا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ج: ایکنی کی اصل وجہ پیٹ کی خرابی ہے۔ آپ سب سے پہلے اپنی غذا کی طرف توجہ دیں۔ کھانے میں سبزی اور پھلوں کے استعمال کو یقینی بنائیں۔ چہرے پر موجود نشانات کے خاتمے کے لیے رات کو سونے سے قبل ایلوویرا کا گودا لے کر چہرے پر لگائیں اور صبح تازہ پانی سے منہ دھولیں۔ ایلوویرا کے استعمال سے نا صرف چہرے کے داغ دھبوں کا صفایا ہوگا بلکہ جلد بھی چمک دار ہوگی۔

ودھا شفیع.....لاہور

س: ایک سال پہلے میرا چہرہ بالکل صاف شفاف تھا۔ بچے کی پیدائش کے بعد میری ناک اور ہونٹوں کے گرد جھائیاں پڑ گئی ہیں، جن میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، کوئی علاج بتائیں؟

ج: جسم میں آئرن اور وٹامن سی کی کمی کے باعث جھائیاں پڑنے لگتی ہیں۔

وٹامن سی کی کمی ترش پھل یعنی مالٹے، کینو، چکوترے وغیرہ سے پوری کی جاسکتی ہے جبکہ سیب اور پالک میں بھی بھرپور مقدار میں آئرن پایا جاتا ہے۔ ان پھلوں اور سبزیوں کا روزانہ استعمال ضروری ہے۔ علاوہ ازیں آپ کم از کم ایک گلاس کینو یا سیب کا جوس روزانہ پیا کریں جبکہ ایک گلاس دودھ روزانہ پینے سے چہرے پر نکھار آتا ہے۔

اس کے ساتھ ہفتے میں ایک بار ایک انڈے کی سفیدی میں ایک چمچہ لیموں کا رس اور آدھا چمچہ شہد ملا کر چہرے پر لگائیں اور بیس منٹ بعد صاف پانی سے دھولیں۔ چہرے کے کیل مہاسے دور کرنے کے لیے ہفتے میں ایک بار بھاپ لے کر کیلوں کو نرم ہاتھوں سے دبا کر نکال لیں۔ اس کے بعد چہرے پر برف سے ٹکور کرلیں۔

☆